

آل عمران : ۷

نکاتِ افغانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

شیخ الاسلام محقق العصر حضرۃ علامہ سید شمس الحق افغانی

نور مرقدہ

○

مرتبہ

عبد الغنی عفا عنہ

○

مکتبہ شمس الحق افغانی

شاہی بازار ، بہاولپور

(جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ ہیں)

نام کتاب ..... نکات افغانیؒ

افادات ..... حضرت علامہ سید شمس الحق افغانیؒ

ناشر ..... مکتبہ سید شمس الحق افغانیؒ شاہی بازار بہاولپور

مطبع .....

قیمت .....

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	حقیقت نظر انداز ہو رہی ہے۔	۱
۲	تخلیقی مطابقت۔	۱
۳	لڑائی بیکاروں کی چیز ہے۔	۲
۴	جمہوریت اسلام میں جائز نہیں۔	۳
۵	اسلام ترقی پسند ہے۔	۳
۶	مسلمان بالعموم اور علماء بالخصوص مجرم ہیں	۳
۷	دنیا مسافر خانہ ہے۔	۵
۸	انسان خسارے میں ہے۔	۶
۹	نئی روشنی یا نئی تاریکی۔	۶
۱۰	وحی لازم ہے تنہا عقل کافی نہیں۔	۷
۱۱	کلام الٰہی سبب بقاء ہے۔	۷
۱۲	حصول علم کے لیے ذکیہ قلب ضروری ہے۔	۸
۱۳	حفاظت قانون اور جہاد۔	۹
۱۴	وانزلنا الحدید۔	۱۰
۱۵	واعدوا لهم ما استطعتم۔	۱۰
۱۶	والی عاد اخاهم هوداً۔	۱۲
۱۷	قوت اور غلبہ کے تین اسلامی اصول۔	۱۳
۱۸	الٰہی اخلاق و اوصاف اپنانا۔	۱۷
۱۹	حق و باطل کی فکر۔	۱۸
۲۰	مقام قرآن و مقام مصطفےٰ ﷺ	۱۹
۲۱	اللہ تعالیٰ کی رسی۔	۱۹
۲۲	سادہ و تعلیمی جاہلیت۔	۱۹
۲۳	اسلامی ثقافت یا تہذیب۔	۲۰
۲۴	اسلامی معاشرت۔	۲۲
۲۵	فیضان خدا تعالیٰ۔	۲۳
۲۶	حیوان ناطق۔	۲۳
۲۷	علم کا مقام عبادت سے بلند ہے۔	۲۴
۲۸	قرآن کے حقوق۔	۲۵
۲۹	حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔	۲۷
۳۰	درود پاک کا ادب۔	۲۷
۳۱	تمام صحابہ کرامؓ صدیق ہیں۔	۲۹
۳۲	امن قائم کرنا حاکم وقت کا فریضہ ہے۔	۲۹
۳۳	سلطنت داؤدیؑ و سلیمانیؑ۔	۳۱
۳۳	فضیلت جمعہ۔	۳۲
۳۴	لفظ فرعون کی تحقیق۔	۳۳
۳۵	بڑی آیت۔	۳۵
۳۶	قرآن کی معنوی تحریف۔	۳۵
۳۷	مقام شہید۔	۳۶
۳۸	مختصرات۔	۳۶
۳۹	عظمت رسالت کا مرتبہ چھوٹ جانے سے ارتداد کا دروازہ کھل جاتا ہے۔	۳۷
۴۰	ایمان کی نعمت۔	۳۸
۴۱	دیدار الٰہی۔	۳۹
۴۲	علم گھول کر پیا ہے۔	۴۰
۴۳	سیاسی بصیرت۔	۴۱
۴۴	علم دین کا لب لباب۔	۴۲

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۴۵	تعداد ازواج حضور نبی کریم ﷺ	۴۳
۴۶	جہاد پر مستشرقین کے اعتراضات۔	۴۴
۴۷	مادی قوت کا توڑ۔	۵۳
۴۸	سانحۂ مشرقی پاکستان۔	۵۴
۴۹	کارگل۔	۵۴
۵۰	دنیا و دین کا تعلق۔	۵۵
۵۱	مؤمن اور دولت۔	۵۵
۵۲	خدا تعالیٰ اور بندہ۔	۵۵
۵۳	ایک واقعہ۔	۵۵
۵۴	جہاد اسلام و جہاد باکھل کا تقابل۔	۵۸
۵۵	قانونِ طلاق پر اعتراض۔	۵۹
۵۶	شراب نوشی۔	۵۹
۵۷	شراب اور صحت بدنی۔	۶۰
۵۸	شراب کی بندش میں ناکامی۔	۶۰
۵۹	شراب نوش محنت کی اہلیت سے محروم ہوتا ہے۔	۶۰
۶۰	روحانی اخلاق کا زوال اور شراب نوشی	۶۰
۶۱	مغربی قوم کی تاریخ و کردار۔	۶۱
۶۲	شراب نوشی کا مالی نقصان۔	۶۱
۶۳	شرابیوں کی انشورنس بیمہ وغیرہ۔	۶۲
۶۴	برنل ڈیگال کا اعلان۔	۶۲
۶۵	ویٹ کانگ میں امریکہ	۶۲
۶۶	تمام پاکستان کے بعد شراب نوشی	۶۳
۶۷	سگریٹ کی کثرت۔	۶۳
۶۸	تجنیسِ حدیث۔	۶۳
۶۹	تصوف پر اعتراض۔	۶۳
۷۰	شانِ حضرت امام غزالیؒ۔	۶۶
۷۱	حبشہ کی تعریف۔	۶۶
۷۲	مصنوعی کعبہ۔	۶۷
۷۳	فلسفہ و تہذیب۔	۶۷
۷۴	اہلاک بالطیر کیوں ہوا۔	۶۷
۷۵	حضرات صحابہ کرامؓ کی تربیت اور صلح حدیبیہ۔	۶۸
۷۶	احرفِ سبعہ۔	۷۱
۷۷	دورِ حاضر کی مشکلات کا حل قرآن ہے	۷۳
۷۸	ترقی اور اسلام۔	۷۸
۷۹	قادیانی خود ساختہ مسیح موعود کے دجل و تلبیس کا محاسبہ۔	۸۹
۸۰	حضرت عیسیٰ ذاتی حیثیت کے اعتبار سے	۹۱
۸۱	مشرقی و مغربی بلاک۔	۹۳
۸۲	حضرت امام ترمذیؒ کی حدیث۔	۹۴
۸۳	خدا محتاج نہیں ہوا کرتا۔	۹۴
۸۴	فضیلتِ علم کا نہایت اہتمام سے اعلان	۹۴
۸۵	ملتِ اسلامیہ کے انحطاط کے اسباب	
۸۶	تفسیر۔	
۸۷	مقامِ عماء۔	۱۰۷

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۸۸	فیضانِ علمی۔	۱۱۱
۸۹	مقصدِ علومِ دینیہ۔	۱۱۲
۹۰	اسلامی مدارس اور ملی حیات و بقائے دین۔	۱۱۲
۹۱	حج اور جہادِ مسیحیوں کے لیے خطرہ۔	۱۱۷
۹۲	بحثِ عمومی۔	۱۲۱
۹۳	قرآن کی لسانی عظمت۔	۱۲۲
۹۴	اسلام عالمگیر مذہب ہے۔	۱۲۴
۹۵	زندگی کا حقیقی مقصد۔	۱۲۵
۹۶	جسمانی معراج کا قرآنی ثبوت۔	۱۲۷
۹۷	علم نفس اور علم آفاق۔	۱۲۹
۹۸	قوت، دولت اور حقیقت شناسی۔	۱۳۱
۹۹	توحید باری تعالیٰ۔	۱۳۲
۱۰۰	حضرت امام بخاریؒ۔	۱۳۲
۱۰۱	قلب۔	۱۳۳
۱۰۲	مؤمن کی نیت۔	۱۳۴
۱۰۳	مقامِ محبت۔	۱۳۵
۱۰۴	ذکر اللہ جانِ جہاں ہے۔	۱۳۵
۱۰۵	ذکر اللہ جانِ جہاں آخرت ہے۔	۱۳۶
۱۰۶	شیطان کا وجود۔	۱۳۷
۱۰۷	شیطانی مقاصد۔	۱۳۷
۱۰۸	اعوذ۔ نعبد؟	۱۳۸
۱۰۹	استقامتِ دین۔	۱۳۹
۱۱۰	رحمتِ جامعہ۔	۱۳۹
۱۱۱	افضلیتِ سورۃ فاتحہ۔	۱۴۰
۱۱۲	سورۃ فاتحہ اور اسلامی طرزِ حکومت۔	۱۴۱
۱۱۳	اجابتِ دعا کے مواقع۔	۱۴۲
۱۱۴	درخواستِ دعا۔	۱۴۳
۱۱۵	حقیقتِ الحمدللہ۔	۱۴۵
۱۱۶	قل رب زدنی علماً۔	۱۴۶
۱۱۷	رب العالمین۔	۱۴۶
۱۱۸	نعرۂ مساواتِ مرد و زن۔	۱۵۰
۱۱۹	حروفِ مقطعات۔	۱۵۱
۱۲۰	دین کا خلاصہ۔	۱۵۳
۱۲۱	یورپ اور امریکہ دیوانہ ہیں۔	۱۵۳
۱۲۲	حصولِ علمِ دین میں عورت مرد برابر ہیں	۱۵۴
۱۲۳	قرآن اصلاحی لحاظ سے کامل ہے۔	۱۵۵
۱۲۴	اسلامی مساوات۔	۱۵۷
۱۲۵	خلیفہ اولؓ کی زندگی۔	۱۵۸
۱۲۶	قرآن کی تاثیری کاملیت۔	۱۶۰
۱۲۷	دینی و دنیوی جنگ میں فرق۔	۱۶۱
۱۲۸	عورت کا تقدس۔	۱۶۲
۱۲۹	عزت و ناموس میں خلل اندازی۔	۱۶۳
۱۳۰	قرآن ہدایت کے لیے ہے۔	۱۶۵
۱۳۱	بقاءِ حیاتِ دنیوی و اُخروی۔	۱۶۶
۱۳۲	ملائکہ پر ایمان۔	۱۶۷

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۳۳	صرف قانون سے اصلاح ممکن نہیں	۱۶۸
۱۳۴	نماز کی فرضیت عرش پر ہوئی۔	۱۷۰
۱۳۵	قائم الصلوٰۃ۔	۱۷۱
۱۳۶	مغفرت مؤذن۔	۱۷۳
۱۳۷	مقام مسجد۔	۱۷۴
۱۳۸	تسویۃ صفوف۔	۱۷۶
۱۳۹	دماغ کی تشریح۔	۱۷۷
۱۴۰	اکبر سے علاؤالدین تک اشیاء خورد ونوش کی قیمتیں۔	۱۷۸
۱۴۱	اسلام میں فلسفہ کی ابتداء۔	۱۷۹
۱۴۲	خواب کی مختصر تشریح۔	۱۸۳
۱۴۳	فلاح۔ یورپ کا چاند پر جانا۔	۱۸۵
۱۴۴	مقام فلاح۔	۱۸۷
۱۴۵	ختم اللہ علی قلوبھم کی تشریح۔	۱۸۸
۱۴۶	لبید شاعر۔	۱۹۱
۱۴۷	جبرائیل کی موت۔	۱۹۲
۱۴۸	دہریہ پروفیسر سے گفتگو۔	۱۹۳
۱۴۹	تاریخ نفاق۔	۱۹۴
۱۵۰	نفاق کے چار نقصانات۔	۱۹۶
۱۵۱	صدق وخلوص۔	۱۹۶
۱۵۲	اللہ کے قانون میں کسی کو ترمیم کی اجازت نہیں۔	۱۹۸
۱۵۳	علامات قیامت اور عورت۔	۱۹۹
۱۵۴	مجذوب تکوینی وتشریعی۔	۲۰۰
۱۵۵	مقام سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ۔	۲۰۱
۱۵۶	قرآن نے تھوڑی پڑھی لکھی عورت کی تعریف کی ہے۔	۲۰۱
۱۵۷	رشوت کی اسلامی سزا۔	۲۰۲
۱۵۸	امراء علماء کو دھوکہ دیتے ہیں۔	۲۰۳
۱۵۹	لباس کا اخلاق وکردار پر اثر۔	۲۰۴
۱۶۰	مسئلہ جہاد۔	۲۰۵
۱۶۱	امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا۔	۲۰۷
۱۶۲	مجتہد کی تقلید۔	۲۰۸
۱۶۳	مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ مرحوم۔	۲۱۰
۱۶۴	لعنت بر یزید؟	۲۱۲
۱۶۵	حضرت مولانا عبدالعزیزؒ پر ہاروی۔	۲۱۲
۱۶۶	حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور مولانا مودودیؒ۔	۲۱۳
۱۶۷	وسعت قلبی اور نیازمندی کا سبق آموز واقعہ۔	۲۱۳
۱۶۸	حضرت علامہ اقبالؒ اور عبدالغفار خاں سرحدیؒ۔	۲۱۶
۱۶۹	مولانا مودودیؒ اور انکی تصنیفات۔	۲۱۶
۱۷۰	قرآن اور ہسپتال کا فطری جوڑ ہے۔	۲۱۷
۱۷۱	زندگی متحرک ہے۔	۲۱۷
۱۷۲	دنیا کی تباہی۔	۲۱۸
۱۷۳	انسان خسارے میں ہے۔	۲۱۹
۱۷۴	سلاطین کے خوشی کے دن۔	۲۲۳
۱۷۵	دین کی خدمت اللہ جس سے چاہے لے سکتا ہے۔	۲۲۴
۱۷۶	تبلیغ دین۔	۲۲۵
۱۷۷	عیسائی مذہب تبلیغی نہیں۔	۲۲۹
۱۷۸	پوپ کے مقرب شاگرد فرامرشو نے اسلام قبول کیا۔	۲۳۰
۱۷۹	قضاء وقدر۔	۲۳۰
۱۸۰	معنی تقدیر۔	۲۳۱
۱۸۱	تقدیر جبری واختیاری۔	۲۳۲
۱۸۲	اقسام تقدیر۔	۲۳۳
۱۸۳	فوائد تقدیر۔	۲۳۵
۱۸۴	سپاس نامہ۔	۲۳۷
۱۸۵	فائدہ تقدیر (احراز شجاعت)	۲۳۹
۱۸۶	وحی الٰہی اور بارش میں مناسبت	۲۳۹
۱۸۷	متعلقات بارش۔	۲۴۲
۱۸۸	حب المال یعنی مال کی محبت	۲۴۴
۱۸۹	حب الجاہ یعنی شہرت کی محبت	۲۴۴
۱۹۰	رعد یعنی کڑک۔	۲۴۴
۱۹۱	برق یعنی بجلی۔	۲۴۵
۱۹۲	صواعق۔	۲۴۵
۱۹۳	قرآنی وحی کی بارش کے تاثرات	۲۴۶
۱۹۴	بارش کے پہلو۔	۲۴۶
۱۹۵	قرآن کی بارش۔	۲۴۷
۱۹۶	شبہ کا ازالہ۔	۲۴۷
۱۹۷	سائنسدان اور بادل۔	۲۴۷
۱۹۸	فرشتوں کے آلات۔	۲۴۸
۱۹۹	نایاب کتاب۔	۲۴۸
۲۰۰	تعلیم اسلام۔	۲۴۹
۲۰۱	فرمان حضرت فاروق اعظمؓ۔	۲۴۹
۲۰۲	حرکت طبعی وارادی۔	۲۴۹
۲۰۳	عظمت قرآن پاک۔	۲۵۰
۲۰۴	منافق قیامت کے دن منہ کے بل چلیں گے۔	۲۵۰
۲۰۵	عزت کا مدار دین پر ہے۔	۲۵۲
۲۰۶	اسلام کا نچوڑ۔	۲۵۲
۲۰۷	لیلۃ القدر۔	۲۵۳

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۲۰۸	یایھا الناس اعبدوا۔	۲۵۳
۲۰۹	فلسفہ اور شرعی اعتبار سے زمین گول ہے۔	۲۵۴
۲۱۰	مسئلہ وراثت۔	۲۵۴
۲۱۱	بلغار میں چار نمازیں ہیں۔	۲۵۴
۲۱۲	نہ روزہ نہ نماز۔	۲۵۵
۲۱۳	روح اور بدن کا تعلق۔	۲۵۵
۲۱۴	زمین کا کل وجود۔	۲۵۶
۲۱۵	سورج کا حجم۔	۲۵۶
۲۱۶	یورپ اور امریکہ کی مثال۔	۲۵۷
۲۱۷	زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا گیا۔	۲۵۷
۲۱۸	زمین و آسمان کسی سیٹھ کی ملکیت نہیں۔	۲۵۸
۲۱۹	اسلام غریب نواز مذہب ہے۔	۲۵۸
۲۲۰	سود خور کے لیے سخت سزا کا اعلان۔	۲۵۹
۲۲۱	ہندو سود خور کا دلچسپ واقعہ۔	۲۶۰
۲۲۲	سودی نظام سے سیاسی نقصان	۲۶۱
۲۲۳	حب دنیا و کسب دنیا۔	۲۶۱
۲۲۴	تخلیق آدمؑ اور ظہور عدل۔	۲۶۲
۲۲۵	رشوت اور عذاب خداوندی۔	۲۶۲
۲۲۶	استفسار ملائکہ اور انکار ابلیس۔	۲۶۲
۲۲۷	سجدہ، قسم، نذر اور طواف صرف اللہ کے لیے ہے۔	۲۶۳
۲۲۸	یورپ کی اکثریت بے علم ہے	۲۶۵
۲۲۹	زیادہ فائدہ والی چیز بہتر ہوتی ہے۔	۲۶۵
۲۳۰	کیا حضرت خضرؑ زندہ ہیں کہ نہیں؟	۲۶۶
۲۳۱	حضرات صوفیاء کرام کا قول بھی برحق ہے۔	۲۶۶
۲۳۲	عقمند کون ہے؟	۲۶۷
۲۳۳	وکان الانسان ظلوماً جھولاً	۲۶۹
۲۳۴	بدعت کی تعریف۔	۲۷۰
۲۳۵	بدعت دھوکہ دہ گناہ ہے۔	۲۷۱
۲۳۶	قرآن شریف کو بوسہ دینا۔	۲۷۱
۲۳۷	معجزہ کا معنی۔	۲۷۱

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۲۳۸	سماوی معجزہ۔	۲۷۳
۲۳۹	خاص معجزہ۔	۲۷۳
۲۴۰	معجزہ اور قوم پیغمبر علیہ السلام۔	۲۷۴
۲۴۱	معجزہ نبی کی زندگی تک رہتا ہے	۲۷۴
۲۴۲	معجزہ کبریٰ۔	۲۷۵
۲۴۳	دشمنانِ اسلام کا اعتراف۔	۲۷۵
۲۴۴	قرآن کا تفسیری اعجاز اور حضرت شاہ ولی اللہؒ۔	۲۷۶
۲۴۴	درسِ قرآن اور حضرت سید انظر الحق افغانیؒ۔	۲۷۶
۲۴۵	تین اہم واقعات۔	۲۷۷
۲۴۶	وحدت فکر و عمل کا سرچشمہ صرف قرآن پاک ہے۔	۲۷۸
۲۴۷	اسلام میں ویزہ اور پاسپورٹ جائز نہیں۔	۲۷۹
۲۴۸	قرآن کا عالمانہ انداز عام ہے	۲۷۹
۲۴۹	بے عمل مسلمان کفار سے پٹتا ہے۔	۲۸۰
۲۵۰	اسلام میں انصاف بلا عوض ہے	۲۸۰
۲۵۱	قیامت کی اہمیت۔	۲۸۱
۲۵۲	قرآن حقیقت میں سائنس ہے۔	۲۸۲
۲۵۳	سائنس کی مختصر وضاحت۔	۲۸۳
۲۵۴	جنت کی حقیقت۔	۲۸۴
۲۵۵	سبحان اللہ کی شان۔	۲۸۴
۲۵۶	جنت میں صرف دو عبادتوں کو بقا ہوگی۔	۲۸۵
۲۵۷	حوضِ کوثر کی حقیقت۔	۲۸۵
۲۵۸	شریعت کو پل صراط کی صورت میں تبدیل کیا گیا۔	۲۸۵
۲۵۹	پل صراط کی بناوٹ۔	۲۸۶
۲۶۰	پل صراط بال سے باریک اور تلوار سے تیز دھار ہے۔	۲۸۶
۲۶۱	قرآن نے قلوب سدھارے	۲۸۷
۲۶۲	دوزخ کی آگ کی تیاری۔	۲۸۸
۲۶۳	شیطان کے تین ہتھیار۔	۲۸۸
۲۶۴	لوگوں سے جنت کی آگ بھڑکتی ہے۔	۲۸۸

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۲۶۵	جہنم کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔	۲۸۹
۲۶۶	جنت متقین کے لیے ہے۔	۲۹۰
۲۶۷	تفسیر فتح العزیز۔	۲۹۰
۲۶۸	عقیدۂ آخرت کا اصلاحی اثر۔	۲۹۱
۲۶۹	تحفظِ ایمان اور صحبت بزرگان	۲۹۱
۲۷۰	حیاء باکمال صفت ہے۔	۲۹۲
۲۷۱	حدیث شریف درباره حیاء۔	۲۹۵
۲۷۲	اعتراض توهینی و تفقیهی میں فرق۔	۲۹۶
۲۷۳	حیاء و ادب کے تقاضے۔	۲۹۸
۲۷۴	علم دین اور دولت میں کس کا مقام بلند ہے۔	۳۰۲
۲۷۵	خدا اور رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حکم پر گردن خم ہو۔	۳۰۴
۲۷۶	کفار کا ناپاک اعتراض۔	۳۰۴
۲۷۷	ماہ رمضان اور نزول کتب سماویہ	۳۰۶
۲۷۸	حج کو رمضان کے بعد کیوں متعلق کیا۔	۳۰۶
۲۷۹	شریعت الٰہی سرتہ شفاء ہے۔	۳۰۷
۲۸۰	تصوف اللہ تعالیٰ سے جوڑتا ہے۔	۳۰۷
۲۸۱	بزرگان دین اور تلاوت قرآن پاک۔	۳۰۸
۲۸۲	مقام منافق۔	۳۰۹
۲۸۳	قرآن کا کام عمل کرانا ہے۔	۳۰۹
۲۸۴	انسان کا پیدائشی انقلاب کے آٹھ مقامات۔	۳۱۰
۲۸۵	موت زندگی کی تبدیلی کا نام ہے۔	۳۱۲
۲۸۶	جان نکلنے کے بعد کہاں جاتی ہے	۳۱۴
۲۸۷	تین میں سے ایک کا منکر اسلام سے خارج ہے۔	۳۱۶
۲۸۸	حالت نزع سخت تکلیف دہ ہوتی ہے۔	۳۱۶
۲۸۹	مقام علیین اور سجین کی دوری کی وجہ سے روح بدن میں کسطرح آئے گی۔	۳۱۷

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۲۹۰	حضرت علامہ آلوسیؒ کا فرمان	۳۱۸
۲۹۱	اعلیٰ علیین کے مدارج۔	۳۱۸
۲۹۲	مرنے کے بعد روح کا بدن یا ذرات وغیرہ سے تعلق۔	۳۱۸
۲۹۳	عذاب قبر کی صورت۔	۳۱۹
۲۹۴	قبر میں فرق مراتب کی چند مثالیں۔	۳۲۰
۲۹۵	دو روشن ضمیر اکٹھے نہیں رہ سکتے	۳۲۳
۲۹۶	بعض ملک یا شہر خصوصیت کے مالک ہیں۔	۳۲۳
۲۹۷	صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بجائے (ؐ) یا صلعم لکھنا گناہ ہے۔	۳۲۳
۲۹۸	اذان میں انگوٹھے چومنا۔	۳۲۶
۲۹۹	یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کہنا۔	۳۲۷
۳۰۰	قبر میں حضرات انبیاءؑ کا مقام	۳۲۷
۳۰۱	سماع موتی	۳۲۸
۳۰۲	عام مردوں کا سننا۔	۳۲۹
۳۰۳	ابن حزمؒ کا سماع موتی کا انکار	۳۳۰
۳۰۴	سماع موتی کے متعلق آئمہ اہلحدیث کا قول۔	۳۳۱
۳۰۵	زیارت قبور۔	۳۳۲
۳۰۶	بزرگان دین کو وسیلہ بنانا جائز ہے۔	۳۳۳
۳۰۷	عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔	۳۳۳
۳۰۸	حقیقی نعمت و حقیقی مصیبت۔	۳۳۶
۳۰۹	ترتیب کائنات۔	۳۳۶
۳۱۰	زمانہ خراب نہیں۔	۳۳۷
۳۱۱	یورپ میں سود کی ابتدا۔	۳۳۸
۳۱۲	سود خور انسانیت کا قاتل ہوتا ہے۔	۳۳۹
۳۱۳	کارل مارکس یہودی کی بکواس	۳۳۹
۳۱۴	جائز کاموں میں بھی فضول خرچی جائز نہیں۔	۳۴۰
۳۱۵	حکومت جسم اور شریعت اسلام جان ہے۔	۳۴۱
۳۱۶	خلافت و ملوکیت میں فرق۔	۳۴۱

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۳۱۷	خلافت کے فرائض۔	۳۴۲
۳۱۸	ملوکیت کے نتائج۔	۳۴۲
۳۱۹	اسلامی حاکم اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہے۔	۳۴۳
۳۲۰	مقولہ حضرت فاروق اعظمؓ۔	۳۴۳
۳۲۱	ماؤزے تنگ کا اعلان بنام چینی مسلمان۔	۳۴۴
۳۲۲	مال کی نیلامی شرعاً جائز ہے۔	۳۴۴
۳۲۳	حضرت آدمؑ کس زبان کا لفظ ہے۔	۳۴۶
۳۲۴	حضرت آدمؑ کا قالب کہاں تیار کیا گیا۔	۳۴۶
۳۲۵	حضرت آدمؑ کی عمر کتنی ہوگی۔	۳۴۷
۳۲۶	حضرت اماں حوا کی پیدائش۔	۳۴۷
۳۲۷	کل اولاد آدمؑ پیغمبر زادے ہیں۔	۳۴۸
۳۲۸	حضرت آدمؑ کا مقام اور شوریٰ	۳۴۹
۳۲۹	مشورہ سے شورائیت کی تعلیم مقصود تھی۔	۳۴۹
۳۳۰	کوالالمپور کی اسلامی کانفرنس اور حضرت افغانیؒ (تفصیلی)۔	۳۵۱
۳۳۱	حکومت اور مذہب جدا جدا نہیں۔	۳۵۹
۳۳۲	۱۔ عیسائیوں کا مکمل استاد مسلمان ہے۔	۳۵۹
۳۳۲	۲۔ مسٹر اے کے بروہی کا قول (قرآن میں اصول نہیں)۔	۳۶۰
۳۳۳	مسٹر اے کے بروہی اور حضرت افغانیؒ کا مکالمہ۔	۳۶۰
۳۳۴	نفاذ قانون کے لیے قوۃ درکار ہے۔	۳۶۱
۳۳۵	خلافت کی خصوصیات۔	۳۷۰
۳۳۶	حضرت آدمؑ عہدۂ خلافت۔	۳۷۲
۳۳۷	وجوہات عہدۂ خلافت۔	۳۷۲
۳۳۸	حضرت نوحؑ کی اولاد۔	۳۷۳
۳۳۹	تمام دنیا حضرت نوحؑ کی اولاد ہے۔	۳۷۴
۳۴۰	عظمتِ تخلیقِ آدمؑ۔	۳۷۴

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۳۴۱	آدمؑ کے قالب کی تیاری۔	۳۷۵
۳۴۲	سنت و بدعت کی تعریف۔	۳۷۸
۳۴۳	بدعت کا نقصان۔	۳۷۸
۳۴۴	بدعتی کی تکریم و تعظیم منع ہے۔	۳۷۹
۳۴۵	محبت کا معیار قربانی پر ہے نہ کہ نعت خوانی پر۔	۳۸۰
۳۴۶	اللہ تعالیٰ کے گھروں کی تعمیر۔	۳۸۱
۳۴۷	قوم یہود کے تین دار۔	۳۸۲
۳۴۸	اقسام توحید۔	۳۸۳
۳۴۹	مسئلہ تعدد ازواج۔	۳۸۴
۳۵۰	حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دیگر خصوصیات۔	۳۸۵
۳۵۱	بداں رابہ نیکاں بہ بخشد کریم۔	۳۸۶
۳۵۲	مراقبے سے قلب کی اصلاح ہوتی ہے۔	۳۸۷
۳۵۳	تواضع اور خشوع میں فرق۔	۳۸۸
۳۵۴	سیدنا فاروق اعظمؓ کی نماز اور لشکروں کی ترتیب	۳۸۹
۳۵۵	ایفائے عہد اور قدیم مسلمان۔	۳۹۰
۳۵۶	لفظ ظن کا معنی۔	۳۹۱
۳۵۷	علماء واجب الاحترام ہیں۔	۳۹۲
۳۵۸	مقام تقویٰ۔	۳۹۳
۳۵۹	عمر ضائع نہ کیا جائے یہ بہت قیمتی ہے۔	۳۹۴
۳۶۰	عقلمند کون ہے؟	۳۹۵
۳۶۱	شفاعت کا مطلب۔	۳۹۶
۳۶۲	شفاعت اور کفار و مشرک میں فرق۔	۳۹۷
۳۶۳	جہاد کی تیاری پہلے اور ختم خواجگان بعد میں۔	۴۰۰
۳۶۴	قلب کی اصلاح متقین کی صحبت پر منحصر ہے۔	۴۰۱
۳۶۵	انگریزی تعلیم منع نہیں اس کی تہذیب منع ہے۔	۴۰۲
۳۶۶	بغاوت اور قانون شکنی میں فرق	۴۰۳
۳۶۷	گانا سننا اور گانا گانا حرام ہے۔	۴۰۴
۳۶۸	انسان کو دوام نہیں۔	۴۰۷
۳۶۹	دارالرہانہ جم نہ سکندر سا بادشاہ!	۴۰۹
۳۷۰	یورپ کا قتال مسلمان اور روزہ کا نفاق	۴۰۹

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۳۷۱	عیسائیوں کا خدا اور قرآن۔	۴۱۰
۳۷۲	خدا تعالیٰ کا عدل قائم ہوگا۔	۴۱۱
۳۷۳	یورپ زدہ مسلمان کا سوال۔	۴۱۲
۳۷۴	حضرت فاروق اعظمؓ کی بصیرت اور نہر سویز۔	۴۱۳
۳۷۵	انگریز کی اسلام دشمنی۔	۴۱۴
۳۷۶	سرسید کو تفسیر نہیں لکھنی چاہیے تھی۔	۴۱۵
۳۷۷	صحیح عالم بہادر اور جرأت مند ہوتا ہے۔	۴۱۶
۳۷۸	حضرت صدیق اکبرؓ کی صحابیت کا انکار کفر۔	۴۱۸
۳۷۹	ملی نقصان پر خدا تعالیٰ کا عذاب	۴۱۹
۳۸۰	اللہ تعالیٰ کے دو ایٹمی ہتھیار۔	۴۲۱
۳۸۱	مقام شہید۔	۴۲۲
۳۸۲	ذکر اللہ سے دل مطمئن ہوتا ہے۔	۴۲۲
۳۸۳	سب سے اعلیٰ مقام کی چیز دیدار الٰہی ہے۔	۴۲۳
۳۸۴	آخرت میں دیدار الٰہی کے قائل صرف شیعہ قائل نہیں۔	۴۲۴
۳۸۵	بندوکی قانون سازی شرک کے زمرے میں آتی ہے۔	۴۲۷
۳۸۶	دشمنان اسلام کا اقرار اور مسلمانوں کا انکار۔	۴۲۸
۳۸۷	انسانی فطرت میں پانچ اہم چیزیں۔	۴۲۹
۳۸۸	دیت کی رقم۔	۴۳۵
۳۸۹	جھوٹی گواہی کی سزا۔	۴۳۵
۳۹۰	قتل کی اخروی سزا۔	۴۴۰
۳۹۱	صبر کا اجر بے حساب ملے گا۔	۴۴۲
۳۹۲	حضرت افغانیؒ اور شیعہ مجتہد۔	۴۴۳
۳۹۳	آیت خمر کا لفظ پہلے کیوں لایا گیا۔	۴۴۴
۳۹۴	صوبہ سرحد میں شراب کی بندش اور کوثر نیازی وغیرہ۔	۴۴۵
۳۹۵	شراب سے عقل بھی خراب ہوتا ہے۔	۴۴۶

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۳۹۶	بہادر شاہ ظفرؒ اور عربی مدارس کو چندہ۔	۴۴۶
۳۹۷	حضرت افغانیؒ اور انگریز سے مناظرہ۔	۴۴۷
۳۹۸	شراب کا جواز؟	۴۴۸
۳۹۹	مختصر معلومات۔	۴۴۹
۴۰۰	انسانی تمدن کے چار منازل۔	۴۵۱
۴۰۱	حضرت نانوتویؒ اور شریعت محمدی۔	۴۵۴
۴۰۲	جہیز مستحب اور مال وراثت فرض ہے۔	۴۵۴
۴۰۳	اسلام کسی کی ملکیت غصب کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔	۴۵۵
۴۰۴	فکر اور محنت عمل، حصول دولت کے دو ذرائع۔	۴۵۶
۴۰۵	غیر ملکی تجارت پر ٹیکس۔	۴۵۷
۴۰۶	جنت کمانے اور جہنم سے بچنے کے لیے صبر ضروری ہے۔	۴۵۸
۴۰۷	اسلام کا قانون کلیت پسندی	۴۵۸
۴۰۸	بچوں کے لیے اسلامی ثقافت۔	۴۶۰
۴۰۹	مشکلات کا حل صبر اور نماز میں ہے۔	۴۶۱
۴۱۰	حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم روشن چراغ ہدایت ہیں۔	۴۶۳
۴۱۱	نور روشنی کے لحاظ سے ضیاء سے کم درجہ رکھتا ہے۔	۴۶۴
۴۱۲	توبہ بہت بڑی نعمت ہے۔	۴۶۵
۴۱۳	قیامت (۱۴۰) سال بعد آئیگی	۴۶۵
۴۱۴	یہود قربانی کی عظمت حضرت اسحاقؑ کو دینا چاہتے ہیں۔	۴۶۵
۴۱۵	یہ امنٹ باللہ نہیں امنت بالانگریز ہے۔	۴۶۷
۴۱۶	سورۃ فاتحہ کی مختصر تشریح۔	۴۶۸
۴۱۷	مستشرقین کے قرآن وحدیث پر اعتراض۔	۴۷۵
۴۱۸	کیا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی کوئی بات کتاب اللہ کے بغیر حجت نہیں؟	۴۷۸

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۴۱۹	تدوین حدیث۔	۴۸۱			
۴۲۰	یہ منشی کہاں سے نکل آیا۔	۴۸۷			
۴۲۱	محمد میاں مدظلہ سینئر ترین جج۔	۴۸۸			
۴۲۲	قرضہ وصول کرنا۔	۴۸۹			
۴۲۳	دس اہم دن اور دس اہم راتیں	۴۸۹			
۴۲۴	نکات بر تقلید حضرات آئمہ مجتہدینؒ۔	۴۹۰			
۴۲۵	عرض حال۔	۴۹۱			
۴۲۶	شخصی تقلید۔	۴۹۲			
۴۲۷	تقلید کی ضرورت۔	۴۹۸			
۴۲۸	مجتہد کے لیے شرائط۔	۵۱۰			
۴۲۹	آئمہ مجتہدینؒ ہی اہل قرآن و حدیث تھے۔	۵۲۰			
۴۳۰	فقہ بدعت نہیں۔	۵۳۴			
۴۳۱	حنفی مسلک کی ترجیح۔	۵۴۴			
۴۳۲	چاروں مسلک برحق ہیں۔	۵۵۶			

(الف)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لانبی بعدہ

حضرت علامہ سید شمس الحق افغانی نور اللہ مرقدہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں اور بہت سی کتب میں آپؒ کے تعارفی مضامین شائع بھی ہو چکے ہیں اس کتاب میں مختصر سا تعارف ذکر کر دیا جاتا ہے۔

حضرت علامہ افغانیؒ اپنے استاد خاتم محدثین امام العصر حضرت سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے جانشین شاگرد تھے۔ آپؒ جدید اور قدیم علوم سے خوب واقف تھے۔ مذہب اور سائنس میں تطبیق دینے کا آپؒ کو خوب ملکہ حاصل تھا۔ آپؒ اپنے آپؒ کو ہر وقت جدید معلومات سے لیس رکھتے تھے۔ آپؒ دین کو سائنس کی روشنی میں سمجھایا کرتے تھے تاکہ مغرب زدہ طبقہ کے لیے ہدایت کا سامان بنے۔ اس لیے ایک وجہ یہ بھی تھی جس سے آپؒ اپنے ہم عصر علماء کرام میں ممتاز شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ علاوہ ازیں آپؒ صاحب کشف و کرامات ہستی بھی تھے۔ آپؒ کی چالیس برس قبل بیان کی ہوئی باتیں آج صادق آ رہی ہیں۔

میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ حضرت افغانیؒ نے اپنے دس سالہ قیام بہاول پور کے دوران جو بیانات فرمائے ہیں جنہیں میں نے قلمبند کیا ہے ان میں سے جہاں جہاں حضرت جیؒ نے کوئی نقطہ بیان فرمایا ہے انہیں نمبروار جمع کر کے ایک کتابی

صورت میں لایا جائے۔ اب جبکہ حضرت جیؒ کی عام باتیں بھی پُر از نکات ہوتی تھیں چہ جائیکہ آپؒ کے علمی بیانات میں سے نکات نکالنا مجھ جیسے جاہل کا کام نہیں۔ کیونکہ میری علمی قابلیت مأۃ عامل کے پہلے شعر حروف جارہ تک ہے۔ اور ادھر یہ عالم تھا کہ حضرت جیؒ ہمیشہ اپنے کلام کو ذرا نیچے اتر کر سادہ الفاظ میں بیان فرماتے۔ اگر دورانِ کلام آپؒ نے اپنے علم کے مطابق کلام کو ذرا بلند انداز میں بیان کیا ہے تو بڑے بڑے جبال علم علماء کرام کو دیکھا ہے کہ گھٹنے اور کہنیاں زمین پر ٹیک کر اور ہاتھوں کو اپنے کانوں پر رکھ کر بغور سننے پر مجبور ہو جاتے۔ ان علماء کرام کا نام لینا ادباً مناسب نہیں سمجھتا کیونکہ وہ بھی ہمارے اکابر تھے۔

اس مذکورہ بالا کلام کے ثبوت کے لیے ایک دو واقعات لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔

۱۔ ایک مرتبہ جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے ایک طالب علم کا خط آیا کہ حضرت جیؒ مجھے معقولات کی فلاں کتاب آپؒ سے پڑھنے کی ضرورت ہے کچھ وقت عنایت فرمادیں۔

حضرت جیؒ نے جواباً فرمایا کہ میرا یہ وقت ان علوم کے پڑھانے کا نہیں ہے۔ (یعنی قرآن وحدیث) پڑھانے کا ہے۔

(میرا ایک شاگرد مولوی محمد شریف جو خیر المدارس میں پڑھاتا ہے وہ میرے علوم کا قدرے حامل ہے اس سے جا کر پڑھ لو)

اب کون ہے جو حضرت مولانا محمد شریف کشمیریؒ کے علمی منصب سے واقف

نہیں۔ آپؒ بینائی سے محرومی کی حالت میں بھی باآسانی تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ مگر حضرت افغانیؒ ان کے بارے میں فرمارہے ہیں (کہ میرے علوم کا قدرے حامل ہے)

۲۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد شریف کشمیریؒ نے دورانِ سبق فرمایا کہ میں نے حضرت علامہ افغانیؒ سے دس سال علم حاصل کیا ہے۔ اور پڑھاتے ہوئے مجھے عرصہ پچاس برس گذر چکا ہے۔ اب بھی میں اگر حضرت افغانیؒ سے دس سال مزید علم حاصل کروں تو ان کے علم کا دسواں حصہ بھی حاصل نہیں کرسکتا۔ اس واقعہ کے راوی حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب مدظلہ احمد پور شرقیہ والے ہیں۔

۳۔ میں نے ایک مرتبہ حضرت جیؒ کو فرماتے یہ بھی سنا کہ (نورالحسن شاہ اگر کتابیں پڑھاتا تو بہت بڑا عالم ہوتا مگر خیر اس نے تصنیف پر بڑا کام کیا ہے)۔

(یعنی حضرت مولانا نورالحسن شاہ بخاریؒ ملتان والے)۔

۴۔ اس کتاب کا مجھ جیسے جاہل سے آپ تک پہنچنے کا واقعہ اور حضرت جیؒ کے کشف اور کرامت کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

حضرت جیؒ ایک مقولہ فرمایا کرتے تھے (کہ خدا جب کام لینے پر آتا ہے تو علم کا کام جاہل اور نیکی کا کام بُرے سے لے سکتا ہے) میں اس مقولے کا مصداق ہوں۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب از ڈیرہ غازی خاں حضرت جیؒ سے اپنے مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے لیے وقت لے گئے اور ایک ماہ بعد یادداشت کے طور پر عریضہ ارسال کیا۔ نیچے اپنے نام کے ساتھ (علامہ عبدالحق) لکھا۔ بس خط پڑھتے ہی حضرت جیؒ ناراض ہوئے اور حاضرین مجلس سے فرمایا اسے لکھ دو میں نہیں آؤں گا۔ یہ ہے کون مجھے اپنے آپ کو علامہ لکھنے والا۔ محترم جناب عبدالرشید شاہ صاحبؒ مہتمم مدرسہ فاروقیہ حضرت جیؒ کے مزاج شناس تھے۔ اس وقت تو خاموش رہے مگر بعد نماز مغرب حضرت جیؒ کے ساتھ دوبارہ گھر آنے لگے تو چند قدم گزرنے پر حضرت جیؒ پوچھتے ہیں شاہ صاحب! کوئی کام ہے؟ شاہ صاحبؒ نے کہا حضرتؒ وہیں گھر جا کر عرض کرتا ہوں بقیہ سنت ونوافل کی ادائیگی کے بعد مجلس دوبارہ منعقد ہوئی شاہ صاحبؒ عرض کرتے ہیں حضرت جیؒ! ایک ماہ قبل اشتہار چھپ کر دور دراز علاقوں تک آویزاں کئے گئے ہوں گے۔ کوئی آپؒ کے شاگرد اور متعلقین اسی طرح نئے لوگ انتظار میں ہوں گے اب اگر ہم نہ جائیں تو انہیں افسوس ہوگا۔ غلطی اس مولوی صاحب کی ہے ان کا کیا قصور ہے کہ آپؒ انہیں اپنی زیارت سے محروم رکھیں۔ تو حضرت جیؒ نے فرمایا کہ آپؒ کیا چاہتے ہیں؟ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ آپؒ تشریف لے چلیں باقی اس مولوی صاحب سے ہم خود نمٹ لیں گے۔ تو حضرت جیؒ نے شاہ صاحبؒ کی بات پسند فرمائی اور تشریف لے گئے۔

اصل بات۔ اصل بات جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ماہ جون میں حضرتؒ پشاور تشریف لے جاتے اور ۱۴ ستمبر کو واپس تشریف لے آتے۔ اسی دوران میں حضرت جیؒ کو چند عریضے ارسال کیا کرتا تھا۔ باوجود حضرت جیؒ کے منع کرنے کے میں جوابی لفافہ بھی بھیجتا تھا۔ جوابی لفافہ پر میرا پتہ :۔ عبدالغنی۔ محلہ گنج شریف۔ بہاول پور شہر لکھا ہوتا تھا۔ حضرت جیؒ اپنی طرف سے مولوی عبدالغنی مخلصم فی اللہ وغیرہ لکھا کرتے تھے۔ عجب بات ہے کہ اس مذکورہ بالا واقعہ کے چند ماہ بعد آپؒ حسب دستور سابقہ پشاور تشریف لے گئے۔ میں نے عریضہ ارسال کیا تو جوابی لفافے پر میرے نام سے پہلے لفظ (علامہ) لکھتے ہیں۔ آگے چل کر اس لفافے کا عکس بھی پیش کروں گا۔ مجھے بہت تعجب ہوا کہ میری علمی قابلیت تو ماتہ عامل کے پہلے شعر حروف جارہ تک ہے تا حال بھی صرف وہی شعر یاد ہے باقی معاملہ صفر ہے۔ تو حضرت جیؒ نے (علامہ) کیوں تحریر فرمایا؟

اب جا کر معلوم ہوا کہ چونکہ آپؒ صاحب کشف بزرگ تھے یہ اشارہ تھا کہ تو نے میرے علوم کا کچھ حصہ لوگوں تک پہنچانا ہے۔ تو بحمد اللہ اس جاہل کے ہاتھ سے بیس کتب کے مسودے تیار ہیں۔ انشاء اللہ العزیز ادارہ اسلامیات لاہور انہیں طبع کرنے کا وعدہ کر چکا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس جاہل اور گناہ گار کو حضرت جیؒ نے ایک والا نامہ بھیجا جس کا عکس بھی آگے چل کر پیش کروں گا۔ (فرماتے ہیں کہ تمہارے ساتھ تو تعلق قیامت تک رہے گا) تو یہ بات آج ظاہر کر رہا ہوں کہ حضرت جیؒ کا کوئی مضمون لکھنے

بیٹھتا ہوں یا کسی مجلس میں حضرت جیؒ کا ذکر کرتا ہوں تو دماغ حاضر ہو جاتا ہے اور ایسے معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ فرماتے جا رہے ہیں اور میں لکھتا جاتا ہوں یہ ہے (کہ تمہارے ساتھ تو قیامت تعلق رہے گا) ورنہ میں تو انتہائی درجے کا غبی، کم عقل اور کھیل کا دلدادہ تھا۔ یہ ہے حضرت جیؒ کے جوتوں کا فیض۔ جس پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہتا ہوں کہ مجھے اس ہستی کے جوتوں میں بیٹھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ میرے حضرات والدینؒ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

تو اس کتاب میں یہ صورۃ اختیار کی گئی ہے کہ حضرت جیؒ کے الفاظ میں ایک لفظ کی بھی اپنی طرف سے کمی بیشی نہیں کی گئی۔ کیونکہ حضرت جیؒ فرمایا کرتے تھے کہ بزرگوں کے کلام میں اگر الفاظ کی تبدیلی یا کمی بیشی کی گئی تو روحانیت ختم ہو جاتی ہے۔ تو جو جو حصہ مجھے کچھ سمجھ آتا رہا وہ میں نمبروار لکھتا رہا ابھی اس کتاب پر بہت کام پڑا ہے جب یہ دو سو صفحے سے بڑھی تو دل میں یہ خیال آیا کہ اسے تو شائع کر دیا جائے بقیہ کام انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں شامل کر دیا جائے گا۔ اس وقت نکاتِ افغانیؒ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ مطالعہ فرماویں اور اللہ رب العزت سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہمارے اکابرؒ، میرے اساتذہ کرام، میرے والدینؒ اور میرے بھائی علامہ عبدالجلیلؒ اور میرے معاونین صاحبان کے لیے صدقہ جاریہ فرماوے آمین۔

بندہ: عبدالغنی عفا اللہ عنہ

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

نکات افغانی رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ حقیقت نظر انداز ہو رہی ہے!

مالدار جو کچھ کہدے وہ حرفِ آخر ہے اور وہی مقصد بنا رکھا ہے چاہے دین کے خلاف ہی کیوں نہ ہو یورپ اور امریکہ چونکہ امیر ہیں مالدار ہیں اسلئے ان کے پاس جو کچھ ہے وہ حقیقت ہے اور علماء حق کے پاس جو کچھ ہے وہ غلط ہے؟ یہ سب دین کی دوری کی وجہ ہے۔

ہیرے کو اگر گدڑی اور خاکستر میں رکھ دیا جائے تو وہ ہیرا ہے اور بکری کی مینگنی کو اگر بادشاہ کے تاج میں رکھ دیا جائے تو وہ مینگنی رہے گی ہیرا نہیں ہے۔ مینگنی مینگنی ہے۔

تو حقیقت اگر غریب طبقے میں ہو تو وہ تب بھی حقیقت ہے۔ یہ حقائق حقائق ہوتے ہیں وہ کسی صورت میں نہیں بدلتے۔ کیا دولتمند کے ۲X۲=۵ درست اور غریب کے ۲X۲=۴ غلط؟ یہ نہیں ہو سکتا۔

۲۔ تخلیقی مطابقت!

جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان ان سب کی تخلیق میں خدا تعالیٰ نے مطابق رکھی ہے۔ تخلیقی لحاظ سے اگر ایک چیز جمادات میں ہے تو نباتات میں وہ چیز بھی رکھی اور ساتھ اپنی حکمت کے تحت اسے دوسری چیز بھی عطا کی اسی طرح حیوانات اور انسان بھی جس طرح دو میں اگر ایک نہ ملایا جائے تو وہ تین نہیں بنتا اور جب تک تین میں ایک نہ ملایا جائے تو چار نہیں بنتا وغیرہ۔ تخلیق میں چار چیزیں ہیں۔ (۱) وجود (۲) نشوونما (۳) حرکت ارادی (۴) شعور۔

جمادات!

جمادات کو خدا تعالیٰ نے وجود دیا ہے ان میں نشوونما، حرکت ارادی وغیرہ نہیں وہ پہلے دن سے جس وجود میں آئے اسی طرح اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ مثلاً زمین و آسمان اور پہاڑ۔

۱۵ ذوالقعدہ ۹۷ھ

محترم مولوی عبید اللہ مدظلہ سلام مسنون کے بعد عرض ہے قرائن کی وجہ کسی خط کا جواب نہ دے سکا اب کچھ ارادہ ہے ناغہ کا سو دل ہی نہیں ہوتا ایسے تعلق احقر تک رہیگا آپ کا دینی و دنیوی خلوص کیلئے دعاء کرتا ہوں ناقابل رقم

ربط قلبی زمین طاف وصح زبانی ظاہر

احقر ربط روحانی رشتہ ہا دولہ والسلام

عبید اللہ عفی عنہ

محمد عبید اللہ افغانی

ترنگزئی چارسدہ

نباتات!

نباتات کو خدا تعالیٰ نے جمادات کی طرح وجود بھی دیا اور ساتھ دوسری چیز نشوونما بھی عطا کی۔ مثلاً درخت میں بڑھنے اور پھیلنے کی صلاحیت موجود ہے وہ اپنی قسم کے مطابق قد آور بھی بنتا ہے اور ارد گرد پھیلتا بھی ہے۔

حیوانات!

حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے جمادات کی طرح وجود اور نباتات کی طرح نشوونما کے علاوہ حرکت ارادی عطا کی کہ جانور اپنے ارادے سے حرکت کرتے ہیں۔

انسان!

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جمادات کی طرح وجود اور نباتات کی طرح نشوونما اور حیوانات کی طرح حرکت بھی دی اب اگر انسان یہاں تک ہے تو وہ حیوان ہے انسان نہیں۔ یعنی نفسانی خواہشات پر عمل کرنے والا حیوان ہے انسان نہیں۔ اسی لئے ایسے انسان کو بل هم اضل کہا گیا کہ شعور کے باوجود حیوانوں جیسی حرکات کرتا ہے تو وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہے۔ انسان کو شعور عطاء کیا کہ وہ اپنے شعور سے منفعت حاصل کرے اور مضرت سے بچے۔ تو انسان وہ ہے جو اپنے مقصد حیات کو سمجھے وہ ہے اللہ کی عبادت کرنا۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ ہم نے جن اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا۔

۳۔ لڑائی بیکاروں کی چیز ہے!

رب العزت انسان کو مصروف رکھنا چاہتا ہے بیکار نہیں رکھنا چاہتا۔ اگر بیکار رہے گا تو آپس میں لڑیں گے۔ ہم مولوی اگر لڑتے ہیں تو بے کاری وجہ ہے۔

اسلام میں اختلاف رہا ہے۔ اختلاف کو اسلام بُرا نہیں جانتا مگر مخالفت کو برا جانتا ہے۔

حضرات صحابہ کرام میں اختلاف تھا مگر فروعی چیزوں میں جو حضرات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھے انہوں نے اختلاف کو لڑائی کا مقصد نہیں بنایا۔ پوری تاریخ میں

مذہبی فروعات میں ایک لڑائی بھی نہیں ہوئی۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں جو غصے کی طاقت ہے وہ قوم وملت اور شیطان کے دفع کرنے میں صرف ہونی چاہیے۔ یہ صفت حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تھی۔ اشداء علی الکفار۔ الخ۔

غصہ اگر قلب میں ہو اور اس کا مصرف نہ ہو تو غصہ نے تو سر نکالنا ہے۔ چھت پر پرنالہ رکھا ہے اگر پرنالہ نہ ہو تو پانی چھت پھاڑ کر نکلے گا۔

۴۔ جمہوریت اسلام میں جائز نہیں!

جمہوریت ایک حماقت ہے کیا کبھی کالج کے پرنسپل، ہسپتال کے ایم ایس اور کمشنر وغیرہ کے تقرر کے لئے بھی تانگے وغیرہ والوں سے ووٹ ڈلوائے گئے ہیں؟ کیا صرف ملک وملت کو تباہ و برباد کرنے کے لئے جُہلاء سے ووٹ ڈلوائے جاتے ہیں۔

جمہوریت اکثریت پر مبنی ہے اور اکثریت کو قرآن جہلاء سے تعبیر کرتا ہے۔ ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔

۵۔ اسلام ترقی پسند ہے!

اسلام مانع ترقی ہے۔ کائنات میں اتنا بڑا جھوٹ کہیں نہیں بولا گیا۔

اسلام جب طاقتور تھا تو ۳۱۳ (رضی اللہ عنہم) نے دنیا پر حکمرانی کی اور جب کمزور ہوا تو کثرتِ تعداد کے باوجود بھی کفر کے غلام ہیں۔ چینی جتنی زیادہ ہو گی تو شیرینی بھی اتنی زیادہ ہو گی تو اسلام جتنا طاقتور ہو گا ترقی بھی اتنی زیادہ ہو گی۔ جب علل قوی ہو تو معلول بھی قوی ہوتا ہے۔

۶۔ مسلمان بالعموم اور علماء بالخصوص مجرم ہیں!

مسلمان کا مقصد حق کو پھیلانا اور باطل کو مٹانا ہے۔ اگر اپنے مقصد میں ناکام رہا تو پھر مجرم ہے۔ پوری کائنات معرکہ اضداد ہے۔ یعنی دنیا میں ہر ایک دوسرے کی ضد ہے۔ مثلاً حق و باطل جھوٹ اور سچ ظلمت و نور، عدل و ظلم، نیکی و بدی، خشکی و تری، گرمی و سردی وغیرہ

تو دنیا عالم اضداد ہے اور اضداد کی آپس میں جنگ، جہاد اور لڑائی جاری ہے۔ ململ اور ویل کے کپڑے کیوں پہنتے اور پنکھے کیوں چلاتے ہیں تا کہ گرمی کو شکست دیں۔ اسی طرح موسم سرما میں گرم کپڑے کیوں پہنتے اور انگیٹھی کیوں سلگاتے ہیں تا کہ سردی کو شکست دیں۔ رات کو بجلی وغیرہ کیوں جلاتے ہیں؟ تا کہ تاریکی کو شکست دیں۔ وغیرہ

ظلمت کا معنی تاریکی۔ صنفی تاریکی کے علاوہ ایک معنوی تاریکی بھی موجود ہے۔ وہ ہیں ہر باطل عقیدہ، ہر بد عمل، ہر کفر، ہر شرک یہ کل تاریکیاں ہیں۔ ان کے مقابل صرف ایک روشنی ہے وہ اسلام ہے۔ اس مسئلے کو قرآن نے بیان کیا۔

الله ولی الذین امنوا یخرجهم من الظلمت الی النور۔

ترجمہ: اللہ دوست ہے ان لوگوں کا جو لوگوں کو تاریکیوں سے نور کی طرف لا رہے ہیں۔

قرآن نے ظلمات جمع اور نور واحد کا صیغہ کیوں لایا؟ اس سے صاف معلوم ہوا کہ حق واحد ہے اور باطل بہت ہیں۔ اعتدال ایک اور بے اعتدالی بہت۔

دو نقطوں کے درمیان خط مستقیم کھینچو تو وہ ایک ہوگا اور باقی خطوط پچاس ساٹھ بھی ہو جاتے ہیں۔ یہ ریاضی کا مسئلہ ہے۔ قرآن اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اهدنا الصراط المستقیم۔

کہ اسلام صحت ہے تندرستی ہے۔ اعتدال ہے تو تندرستی ایک ہوئی اور اس کی ضد مرض۔ وہ ہزاروں ہیں۔ اس لئے اللہ نے اسلام کے خلاف راہ عمل چاہے کفر کی ہو یا چاہے معصیت و گناہگاری کی ہو اسے معنوی ظلمت اور تاریکی قرار دیا اور اسلام کو نور قرار دیا۔

واتبعوا النور الذی انزل معه۔ اس نور کی پیروی کرو جو اس پیغمبر (علیہ الصلوۃ اوالسلام) کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان اس دنیا میں کھانے پینے کے لئے نہیں آیا۔ وہ ایک خاص مقصد کے لئے آیا ہے۔ اسلام اور حق اس لئے آیا ہے کہ اس کے ذریعے باطل کو شکست دی جائے۔

اگر باطل معمولی ہو تو اس کے ساتھ جہاد بھی معمولی ہوگا اور اگر باطل طاقتور ہو تو اس کے ساتھ جہاد بھی طاقتور ہوگا۔

کفر کا متحدہ محاذ!

والذین کفروا بعضهم اولیاء بعض۔ کہ زمین کے کرہ پر جتنے لوگ اسلام کے منکر ہیں وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

یعنی متحدہ محاذ ہیں۔ گویا چین سے لے کر برازیل اور کینیڈا تک یہ تمام اسلام کے مقابلہ میں ایک محاذ ہے۔ تو مسلمانوں کو بھی ان کے مقابلے میں اس قدر ہی قوی انتظام کرنا پڑے گا۔

مسلمانو! تمہیں حق کو ان کے (باطل کے) غلبے سے دستبرد سے حاکمیت سے اور زور قوت سے بچانا پڑے گا۔ اور اگر تم نے حق کی حفاظت نہ کی اور کفر غالب آگیا کسی بھی زمانے میں الا تفعلوه تم اگر جہاد نہ کرو گے تو ترک جہاد کا نتیجہ وہی ہوگا جو گویا معرکہ اضداد کا نتیجہ ہے کہ جب ایک ضد کمزور ہو جاتی ہے تو دوسری ضد کا غالب آجانا یقینی ہوتا ہے۔ تو دوسری ضد اپنے پورے زور کے ساتھ دنیا پر مسلط ہو گی۔

تکن فتنة فی الارض۔ تو ملک میں اللہ کے حقوق کی تباہی آجائے گی جو فتنہ ہے۔

وفساد کبیر۔ اور انسانی حقوق کی بھی تباہی آجائے گی۔ جو بڑا فساد ہے۔

اگر تم حق کے لئے جہاد نہ کرو گے تو باطل حق کو دبائے گا اور باطل اپنے کل لوازمات کے ساتھ جو فتنہ و فساد ہے وہ پھیل جائے گا۔ تو مسلمان بالعموم اور علماء بالخصوص مجرم ہوئے کہ انہوں نے حق کو پھیلانے میں کوتاہی کی۔ جب اللہ تعالیٰ کے حقوق کی تباہی ہو تو اسے فتنہ اور جب انسانی حقوق کی تباہی ہو تو اسے فساد کہتے ہیں۔

(۷) دنیا مسافر خانہ ہے!

کن فی الدنیا کانک مسافر او عابر السبیل۔ آپ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تم ایسی زندگی گذارو کہ تم مسافر ہو۔

تو یہ حدیث پاک اشارہ کر رہی ہے کہ اصل وطن جنت ہے۔ جس کا ثبوت ذیل درج آیت پاک میں ملتا ہے۔

یادم اسکن انت وزوجک الجنۃ۔ کہ اے آدم تم دونوں میاں بیوی جنت میں رہو۔
ابا جان حضرت آدم علیہ السلام کا اصل وطن جنت ہے۔ اصلی وطن کی محبت، دین و ایمان ہے۔
وطن وہ ہے جہاں ہمیشہ رہنا ہو اور مسافر خانہ وہ ہے جہاں کچھ مدت رہنا ہو۔ اس لئے دنیا
مسافر خانہ ہے۔

(۸) انسان خسارے میں ہے!

والعصر ان الانسان لفی خسر۔ زمانے کی قسم کہ انسان خسارے میں جارہا ہے۔
(عصر) بمعنی نچوڑنے کے ہے تو یقینی بات ہے کہ کپڑے کو نچوڑو تو نچوڑا ہوا پانی پھر
واپس نہیں آتا۔ تو اللہ فرماتا ہے کہ والعصر (انسان نچوڑ) کی طرح زمانہ سمٹ رہا ہے۔ تو
بدبختو مفت میں گذر جانے والے وقت (دنیاوی زندگی) کو ہمیشہ رہنے والی (اُخروی زندگی)
کے حصول میں کیوں نہ صرف کرو۔

(۹) نئی روشنی یا نئی تاریکی!

لقد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین۔
نور بمعنی روشنی۔ روشنی کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) خارجی روشنی۔ (۲) باطنی روشنی۔
خارجی روشنی کے لئے اللہ تعالیٰ نے سورج کا انتظام کیا اور رات کے لئے بھی لالٹین وغیرہ کا
انتظام کیا۔
باطنی روشنی۔ یعنی دل کی روشنی کے لیے قرآن کی روشنی کا انتظام کیا۔ اس لئے قرآن مبین
کہا کہ اخروی زندگی وغیرہ کی حقیقت کھولنے والی ہے۔
ظاہری روشنی سے گڑھے، سانپ، بچھو اور دیگر چیزیں دیکھتے ہیں
اور باطنی روشنی سے ایمان و کفر، اطاعت و معصیت، حق و باطل کا پتہ چلے گا۔
خارجی روشنی دائمی نہیں۔ رات، بادل اور گرہن کے وقت سورج نہیں ہوتا۔
باطنی روشنی قرآن کی روشنی ان مذکورہ بالا نقائص سے پاک ہے۔
جن کے قلوب میں قرآن کی روشنی ہے وہ روشن ہیں۔ ورنہ اندھیرا ہے۔

آج جسے نئی روشنی کہا جاتا ہے وہ نئی روشنی نہیں۔ نئی تاریکی ہے۔

(۱۰) وحی لازم ہے تنہا عقل کافی نہیں!

قرآن کا آنا لازمی ہے۔ افلا تعقلون تو کہا گیا ہے مگر تنہا عقل کافی نہیں۔
قرآن کو جگہ جگہ نور کے لفظ سے پکارا گیا ہے۔ قدرت نے دو روشنیوں کا انتظام کیا ہے خارجی
روشنی اور داخلی روشنی (۱) خارجی روشنی۔ سورج اور چراغ وغیرہ (۲) آنکھ کی بینائی داخلی
روشنی۔
ان دونوں روشنیوں میں سے ایک نہ ہو تو دنیاوی (مادی) چیزیں نظر نہیں آئیں۔
(۲) داخلی روشنی۔ (۱) عقل کی روشنی۔ (۲) قرآن کے نور کی روشنی۔
ان دونوں روشنیوں میں سے ایک نہ ہو تو (ایمانیات) غیبی امور نظر نہیں آئے۔
تو زمینی نور (عقل) اور آسمانی نور (قرآن) دونوں کے جوڑ سے معاملہ سلجھ جاتا ہے۔ تنہا عقل
کام نہیں کر سکتی۔

(۱۱) کلام الہیٰ سبب بقاء ہے!

فطری طور پر ہر انسان کی خواہش ہے کہ اسے ہمیشہ کی زندگی حاصل ہو کیونکہ انسان کی تمام
نعمتیں زندگی سے وابستہ ہیں۔ مگر اس دنیاوی زندگی میں (فناء) کی وجہ سے یہ فطری خواہش
پوری نہیں ہو سکتی۔ اب اگر انسان کو زندگی کے کسی دور میں بھی ہمیشہ کی زندگی میسر نہ ہو تو
پھر اس نے ایک ناممکن چیز کی فطری خواہش کی جو علم النفسیات کے لحاظ سے غلط ہے۔
تو ہمیشہ کی زندگی جو تمام انسانوں کی فطری خواہش ہے وہ ممکن چیز ہوئی ناممکن نہ ہوئی۔
دنیا میں انسان نے ایسے مصالحے ایجاد کئے ہیں کہ ان کے استعمال سے ہزاروں سال سے
چیزیں محفوظ پڑی ہیں۔ مثلاً مصر میں ہزاروں سال سے ممی اور سیب وغیرہ محفوظ پڑے
ہیں۔
تو اس فانی دنیا میں تو انسان نے بقا کے مصالحہ جات تیار کر لئے مگر ہمیشہ کی زندگی کے لئے
خدا تعالیٰ کے ہاں ایسا کوئی مصالحہ نہیں۔ جس کا تعلق انسان کے لئے ہمیشہ کی زندگی کا سبب

بنے۔

وہ مصالحہ کلام الٰہی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف حضرات انبیاء علیہم السلام پر اپنا کلام اتارا تا کہ اس کے تعلق سے انسان کو ہمیشہ کی زندگی حاصل ہو۔

تو کلام الٰہی کا اثر ہمیشہ کی زندگی تک ہے کیونکہ وہ ابدی ہے۔

باقی جنت و دوزخ کی ہمیشہ کی زندگی۔ یہ انسانی عمل کا نتیجہ ہے۔

جنہوں نے اس (قرآن) سے ایمان اور عمل صالح سے تعلق پیدا کیا۔ انہوں نے جنت کی ہمیشہ کی زندگی حاصل کی۔ اور جنہوں نے اس (قرآن) سے انکار کی صورت اختیار کی انہیں جہنم کی ہمیشہ کی زندگی ملی۔ تو قرآن کا اس طرف اشارہ ہے۔

وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين۔ ولا يزيد الظالمين الاخسارا۔

جس طرح سورج اپنے اندر دو اثر رکھتا ہے کہ دھوبی کے جسم کو کالا اور کپڑے کو سفید کرتا ہے۔ اسی طرح قرآن بھی اپنے اندر دو اثر رکھتا ہے۔ ایک کا نتیجہ جنت اور دوسرے کا جہنم کی صورت میں ہے۔ مثلاً اپنے ماننے والے کو جنت کی ابدی زندگی عطا کرتا ہے اور اپنے نہ ماننے والوں کو جہنم کی زندگی عطا کرتا ہے۔

(۱۲) حصولِ علم کے لئے تزکیۂ قلب ضروری ہے!!

سب سے پہلے اساتذہ کرام اور طلبہ میں تعلق مع اللہ پیدا کیا جائے۔ جو تزکیۂ قلب سے پیدا ہوتا ہے۔

علم دین علمیٔ حق ہے۔ اس کا فیضان پاک ظرف میں ہوتا ہے۔ اس لئے تزکیہ کا لفظ قرآن پاک نے تعلیم سے پہلے لیا ہے۔

يتلوا عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة اس کے علاوہ دوسری جگہ فرمایا۔

لا يمسه الا المطهرون۔

یہ بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ قرآن کو ظاہری طور پر چھونے کے لئے بدنی طہارت کا ہونا ضروری ہے۔ جسے طہارت ظاہری کہتے ہیں

تو باطن قرآن یعنی مطالب و معانی حاصل کرنے کے لئے بھی طہارت باطنی اور تزکیۂ قلب ضروری ہے تو علم دین کے حصول کے لئے تقوی، ممنت، دیانت اور سادگی کا اختیار کرنا بہت ضروری ہے۔

(۱۳) حفاظت قانون اور جہاد!

آج کل کی دنیا کے مختلف ممالک میں جس قدر لڑائیاں ہیں یہ سب قانون کی حفاظت کے لئے ہیں۔ دنیا میں تمام عداوتیں اور تمام جنگی سامان کی تیاریاں یہ صرف قانون کی حفاظت کے لئے ہیں۔ اور کچھ بھی نہیں۔ آج اگر امریکہ اس بات پر تیار ہو جائے کہ اس کے ملک امریکہ میں روس کا قانون چلایا جائے تو پھر سب لڑائیاں ختم کوئی اختلاف نہ ہوگا اسی طرح پاک بھارت وغیرہ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی قانون کی اہمیت ہے وہ بھی اقوام عالم کی طرح اپنے قانون کی حفاظت اور سربلندی چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ میری بنائی ہوئی دنیا میں جو کوئی میرے قانون کے نفاذ کے راستے میں رکاوٹ بنے اسے جہاد کے ذریعے کچل دو!۔ خدا تعالیٰ بھی اپنی عسکری قوت چاہتا ہے۔ تو اس بارے میں قرآن بیان فرماتا ہے۔

ولقدارسلنا رسلنا بالبينات وانزلنا عليهم الكتاب والميزان ليقوم الناس بالقسط وانزلنا الحديد فيه بأس شديد ومنافع للناس وليعلم الله من ينصره ورسله بالغيب ان الله قوى عزيز۔

واضح دلائل کے ساتھ رسولوں کو بھیجا اور ان کے ساتھ آسمانی کتاب اتاری اور انصاف کا ترازو (شریعت) بھی نازل کیا۔ تا کہ تمام اقوام انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں ہولناک جنگ کا پورا سامان موجود ہے اور تمام اقوام کے لئے دیگر فائدہ مند سامان بھی موجود ہے اور یہ سب سامان اس لئے کیا کہ اللہ دیکھ لیں کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے

عادلانہ قانون کی امداد بن دیکھے کون کرتا ہے۔ بیشک تمہارا خداوند تعالیٰ قوی اور غالب ہے۔

اس آیت مذکورہ بالا میں قرآن نے ایک تو قانون شریعت کا ذکر کیا۔ دوسرا نفاذِ قانون کے لئے قوت کی ضرورت ہے تو اس کے لئے قوت کے اصل سرچشمے (لوہے) کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلائی اور اسبابِ قوت (آلات حرب) کی فرضیت کے متعلق بھی آگاہ کیا۔

(۱) آیت کا پہلا حصہ قانون کے متعلق ہے کہ میری دنیا میں میرا قانون چلے گا نہ کہ کسی انسان کا۔ ہمارا قانون عالمی انصاف کا سبب ہے۔

(۲) وانزلنا الحدید: تو نفاذِ قانون کے لئے قوت کی ضرورت ہے (لوہا) قوت کے اصل سرچشمے کی طرف توجہ دلائی۔

(۳) فیہ بأس شدید: کہ اس سے فوجی جنگی سامان بنا کر قوت حاصل کرو۔

(۴) ومنافع للناس: اس میں عوام الناس کی دیگر ضروریاتِ زندگی کی سود مند اشیاء کا سامان بھی ہے۔ فوجی اور سول دونوں کے فوائد جمع ہیں۔

(۵) ولیعلم اللہ من ینصرہ الخ: یہاں اسلحہ کے استعمال کا صحیح محل بھی بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حقوق انسانی اور حقوق خدائی کے تحفظ کے لئے استعمال ہوگا۔ نہ کہ ظلم اور دہشت گردی وغیرہ میں۔

تو جنگ عمومی (ظلم اور دہشت گردی) اور جنگ مقدس (جہاد) کا فرق بھی بتا دیا۔

جنگ عمومی: فساد اور تخریب کا نام ہے۔

جہاد: میں عالمی اصلاح اور تعمیر ہے۔

(۶) ان اللہ قوی عزیز: یہاں اللہ تعالیٰ اقوام عالم کو تنبیہ فرما رہے ہیں کہ اگر تم نے لوہے اور دیگر ذخائر الٰہی سے جو آلاتِ حرب تیار کر کے منشاء خالق کائنات کے خلاف ظلم اور دہشت گردی پر استعمال کئے تو خالق عالم تمہیں اس کی سزا دے گا۔ وہ غالب اور قوی ذات ہے۔

(۱۴) والنالہ الحدید ای اعمل سابغات وقدر فی السرد۔ ہم نے داؤد کے

لئے لوہا نرم کیا اور کہہ دیا کہ بناؤ اس سے زرہیں سارے بدن پر پورے اور اس کی کڑیوں کو خاص اندازے پر رکھو۔

نہ اتنے باریک کہ جنگ کی ضرب سے ٹوٹ جائیں نہ اتنے موٹے کہ بدن اس کے بوجھ سے دبا رہے۔ اس طرح نہ اس قدر کشادہ کہ نیزہ و شمشیر کو اندر گھسنے سے روک ہی نہ سکے اور نہ اس قدر تنگ ہو کہ ہوا کی آمد و رفت بند کر دے۔

ولقد آتینا داؤد منا فضلا: ہم نے داؤد کو فضل سے نوازا۔ یعنی قرآن کریم نے لوہے کی صنعت کو فضل الٰہی سے تعبیر کیا۔

اس آیت کے بعد والنا لہ الحدید ان اعمل الخ کی آیت کا تذکرہ کر کے قرآن نے لوہے کی صنعت کو فضل الٰہی کی تشریح کے طور پر بیان کیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ قرآن کو ماننے والی قوم (مسلمان) لوہے کی صنعت سے محروم رہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا زوال ترکِ قرآن کا نتیجہ ہے۔ لیکن بعض کج دماغ حضرات کو یورپ نے یہ باور کرایا ہے کہ تمہاری ذلت قرآن ہی کی وجہ سے ہے۔

(۱۵) واعدوالھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدوا للہ وعدوکم وآخرین من دونھم لا تعلمونھم اللہ یعلمھم وما تنفقوا من شیئ فی سبیل اللہ یوف الیکم وانتم لا تظلمون وان جنحوا للسلم فا اجنح لھا وتوکل علی اللہ ای اللہ ھو السمیع العلیم۔

ارشاد ہے کہ دشمن کے مقابلہ کے لئے تمام اسبابِ قوت جس قدر تمہارے بس میں ہیں مہیا کرو اور خاص کر پلے ہوئے گھوڑے (جو اس وقت ٹینک کا کام دیتے تھے) تمہاری قوت اس قدر ہو کہ تمہارے موجودہ دشمن اور دیگر دشمن جو تمہیں اس وقت معلوم نہیں اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں اور جو کچھ تم اسلام کی سربلندی کے لئے مال خرچ کرو گے تمہیں اس کا پورا بدلہ ملے گا اور اس میں کوئی کمی نہ کی جائے گی اور اگر دشمن دب کر صلح کی طرف جھک جائے تو تم بھی صلح کی طرف جھک جاؤ اور کامیابی میں اعتماد اللہ پر رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری اور تمہارے دشمنوں کی تمام باتیں سنتا ہے اور تمام اعمال سے باخبر ہے۔

اس مندرجہ بالا آیت میں پانچ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۱) واعدوالھم ما استطعتم: مسلمانوں کے لئے اسبابِ قوت و غلبہ کی فراہمی کی فرضیت کا اعلان ہے۔

(۲) من قوۃ من رباط الخیل: اسباب قوت کی فراہمی کی عمومیت کا اعلان۔ لفظ قوۃ کا استعمال کیا۔ کسی خاص ہتھیار کا نام نہیں لیا گیا۔ مطلب یہ کہ دشمن جس قسم کے ہتھیار سے لیس ہو تمہیں بھی وہی ہتھیار بنانے چاہیں۔ یعنی زمانے کے لحاظ سے جنگی فنون کی مہارت تامہ ہو۔ تو لکڑی، پتھر اور تلوار سے لے کر ایٹم وغیرہ تک یہ سب لفظ قوۃ کی تشریح میں داخل ہیں۔

(۳) ترھبون بہ عدواللہ وعدوکم وآخرین۔ الخ۔ اسلامی قوت اس قدر مضبوط ہو کہ اس وقت جو دشمن ہوں اور آئندہ جو دشمن بننے والے ہوں وہ سب اسلامی قوت سے مرعوب و مرہوب ہوں اور مقابلے کی تاب نہ لاسکیں۔

(۴) وما تنفقوا من شئی فی سبیل اللہ۔ الخ۔ چونکہ ملت اسلامیہ کی سربلندی کے لئے پیسہ، مال وغیرہ صرف ہوتا ہے تو جو مال اس راہ میں تم صرف کروگے اس کا بدلہ دونوں جہانوں میں ملے گا اور اسمیں کمی نہ ہوگی۔

(۵) وان جنحوا للسلم فا اجنح۔ الخ۔ اسلام چونکہ صلح پسند اور امن کا مذہب ہے۔ تو فرمایا جو دشمن صلح اور امن پر آمادہ ہو تو اس سے صلح کرلی جائے کیونکہ اسلام کا مقصد جنگ نہیں بلکہ عالمی عدل کا غلبہ مقصود ہے۔ جو صلح سے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ بشرطیکہ مغلوبانہ صلح نہ ہو اور اس میں انصاف و عدل اجتماعی ملحوظ ہو۔ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ اگر تم نے غفلت کی تو پھر انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

(۱۶) والی عاد اخاھم ھوداً قال یقوم اعبد واللہ مالکم من الہ غیرہ ان انتم الا مفترون ویقوم استغفروا ربکم ثم توبوا یرسل السماء علیکم مدرار ویزد کم قوۃ الی قوتکم ولا تتولوا مجرمین۔

ہم نے قوم عاد کو ان کا بھائی ھود پیغمبر بنا کر بھیجا۔ آپ نے یہ پیغام دیا کہ اے میری قوم

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو۔ تم غیر اللہ کی پرستش میں اس کے سوا کچھ نہیں کرتے۔ مگر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ اے میری قوم اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ اور اللہ کی طرف توجہ کرکے رجوع کرو۔ جس کے نتیجے میں اللہ تم کو دو نعمتیں عطا کرے گا ایک یہ کہ خوب مینہ برسا کر تمہاری روزی فراخ کردے گا اور دوم یہ کہ تمہاری موجودہ قوت میں اضافہ کرکے تمہیں زیادہ قوی اور طاقتور بنادے گا اور تم حق سے مجرمانہ روگردانی نہ کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان کا نتیجہ:

(۱) فراخیٔ رزق اور خوشحالی ہے (۲) طاقتور اور غالب ہونا ہے۔

آج مسلمان ان دونوں نعمتوں سے محروم ہے۔ مسلمانوں کو نہ معاشی خوشحالی اور نہ قوت و غلبہ دونوں نصیب نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی ایمانی قوت کمزور ہوگئی ہے۔

(۱۷) اسلام نے دنیا میں قوت اور غلبہ کے لئے تین اصول بیان فرمائے ہیں۔ جو قوم ان اصولوں پر عمل کرے گی وہ قوم خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم وہ غلبہ اور قوت کی مالک بنے گی۔

(۱) کہ دین کا علم اور عمل ہو۔

قرآن فرماتا ہے۔

ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔ کیا علم سے بہرہ ور قوم اور جاہل قوم برابر ہوسکتی ہے؟ قطعاً نہیں ہوسکتی۔

(۲) کہ تم اتحاد میں رہو۔ فرقہ واریت پیدا نہ کرو۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا۔ کہ تم ایک اور متحد ہو جاؤ۔ نسل، جغرافیائی حد بندی، لسانی اور سیاسی نظریات کی وجہ سے فرقہ واریت مت اختیار کرو۔

(۳) واعدوالھم ما استطعتم من قوۃ۔

تم اپنی کوشش اور جدوجہد کی آخری حد تک ہر قسم کا سامان قوت تیار کرو۔

اسلام کے بیان کردہ ان تین اصولوں پر دنیا کی غیر مسلم قوموں نے عمل کیا اور ترقی اور غلبہ کی نعمت حاصل کرلی۔ مثلاً یورپ، امریکہ، روس اور چین وغیرہ۔ مگر بدقسمتی سے مسلمان قوم جن سے یورپ وغیرہ نے سائنس اور ایجادات کا فن سیکھا وہ غفلت کی وجہ سے

محروم رہی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ دنیاوی ترقی بھی قرآن کے اصولوں پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

جب مسلمانوں نے اندلس فتح کیا تو اس وقت یورپ قینچی بنانا نہیں جانتا تھا۔ اس نے یہ علم مسلمانوں سے سیکھا۔

یورپ کا علم سائنس!

یورپ نے عرب اور اندلس کے مسلمانوں سے علم سائنس حاصل کیا ورنہ اگر مسلمانوں کے ذریعے یورپ کو سائنس کی روشنی نہ پہنچتی تو اب تک یورپ کی حالت وہی ہوتی جو افریقہ کی وحشی اقوام کی ہے۔ (یورپ احسان فراموش ہے)

کاغذ سازی!

یورپ پر عربوں کا بڑا احسان کاغذ کا رواج ہے۔ کاغذ کے اصل موجد تو چینی ہیں مگر باقاعدہ کاغذ سازی مسلمانوں نے شروع کی۔

کاغذ سازی کا پہلا کارخانہ مسلمانوں نے ہارون الرشید کے زمانے ۷۹۴ء میں بغداد میں قائم کیا۔ بعد میں دمشق، مصر، نیشاپور، شیراز، خراسان، مراکش، قرطبہ، غرناطہ اور سسلی وغیرہ میں قائم ہوئے۔ یہ سب مسلم ممالک ہیں۔ (لوبان تمدن عرب ص ۴۳۸) میں لکھتے ہیں کہ کاغذ پر پہلی لکھی ہوئی تحریر جو ۱۰۰۹ء میں لکھی گئی تھی۔ جو اس وقت (اسکوریل) کے کتب خانے میں محفوظ ہے یہ کاغذ عربوں سے خریدا گیا تھا۔

قطب نما!

قطب نما بھی عرب مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ یہ آلہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے تمام تجارتی اور جنگی جہازوں میں لگا ہوا تھا۔ اسی کا کرشمہ تھا کہ ہمارے جہاز جدہ سے چین تک جاتے تھے۔ جب یہ چیز ہم نے یورپ کو دی تو اس کو لے کر کولمبس بحر الظلمات کی لہروں کو چیرتا ہوا امریکہ جا پہنچا اور واسکوڈے گاما نے ہندوستان دریافت کیا۔

بارود!

مسلمان صدیوں سے بارود استعمال کرتے تھے۔ سسلی اور سپین کے کارخانوں میں دیگر اسلحہ

جنگ کے علاوہ ایک مسالہ بوتلوں میں بھرا جاتا تھا جنہیں مشینوں کے ذریعے دشمنوں پر پھینکا جاتا تھا۔

توپ!

توپ کو سب سے پہلے افریقہ کے سردار یعقوب نے ۱۲۰۵ء میں استعمال کیا۔ یورپ کے مؤرخ بارود کا موجد راجر بیکن ڈاکٹر کو قرار دیتے ہیں جو غلط ہے۔ راجر بیکن نے بارود سازی ایک عربی کتاب النیران المحرقہ یعنی (جلانے والی گیس) سے سیکھی تھی۔

(تمدن عرب ص ۴۳۸ لوبان)

کلاک اور گھڑیال!

ہارون الرشید نے شارلیمان کو ۷۶۸ء میں جو تحائف دیئے اس میں ایک گھڑی بھی تھی۔ جس پر شمس و قمر حرکت کرتے تھے اور طلوع و غروب کا منظر دکھائی دیتا تھا۔ ہر گھنٹہ پر ٹن ٹن کی آواز آتی تھی۔

ہوائی جہاز۔ عینک کا شیشہ۔ سٹاپ واچ!

ول ڈیوران اپج آف فیتھ ۲۹۸۰ پر لکھتا ہے کہ سپین کے مسلم سائنسدان نے تین چیزیں ایجاد کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ (۱) عینک کا شیشہ (۲) وقت ناپنے والی گھڑی۔ جو کھیلوں میں استعمال ہوتی ہے۔ (۳) اور ایک مشین جو ہوا میں اڑ سکتی تھی۔ اس حکیم کا نام عباس تھا۔

چیچک کا ٹیکہ!

چیچک کا ٹیکہ بھی مسلمانوں کی ایجاد ہے ۱۷۲۰ء میں لیڈی ورائل مارٹیننگ نے قسطنطنیہ جا کر چیچک کا ٹیکہ سیکھا۔ (ڈریپر کی میراث عرب ص ۳۴۰)

مرصع صندوقچہ!

بعض کاریگر ایسی قیمتی چیزیں بناتے تھے کہ امراء بھی نہیں خرید سکتے تھے۔

ہارون الرشید کا وزیر اعظم یحی بن مالک برمکی بازار سے گذرا۔ اسکی نظر ایک مرصع صندوقچے پر پڑی۔ اس نے پسند کیا اور خریدنے کا ارادہ کیا لیکن قیمت پر اتفاق نہ ہو سکا۔ یحی ستر لاکھ درہم دینا تھا اور دکاندار زیادہ مانگتا تھا۔

مہہ نخشب!

نخشب۔ ترکستان میں ایک گاؤں کا نام تھا۔ جہاں حکم بن ہاشم نے ایک چاند بنایا تھا۔ جو غروب آفتاب کے وقت کنوئیں سے نکلتا۔ سو مربع میل کے علاقے کو منور کرتا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ واپس جاتا ادھر سورج جب طلوع ہوتا تو اس کا آخری حصہ کنوئیں میں غائب ہو جاتا۔ سورج سے اس کا کبھی سامنا نہ ہوا تھا۔ (اس حکم بن ہاشم نے نبوت کا دعویٰ کیا)۔ مرتد ہوا۔

ابن الہشیم!

ابن الہشیم حسن بن الہشیم بصرہ کا رہنے والا تھا۔ یہ سائنس کی دو سو کتابوں کے مصنف ہیں۔ انہوں نے بطلیموس اور اقلیدس کے نظرے (نظر رویت) کی تردید کی۔

نظر رویت!

بطلیموس اور اقلیدس کا یہ نظریہ ہے کہ (رویت اس شعاع سے ہوتی ہے جو آنکھ سے نکل کر مرئی تک جاتی ہے اور پھر مرئی کا عکس آنکھ تک آتا ہے) ابن الہشیم نے پختہ دلائل سے اس نظریے کی تردید کی۔

راجر بیکن!

راجر بیکن دور بین کا موجد ہے۔ یہ شخص طبعیات میں بلند مقام رکھتا ہے مگر (ول ڈیورال لیج آف فیلسفہ ص ۲۸۹) پر لکھتے ہیں کہ اگر ابن الہشیم نہ ہوتا تو راجر بیکن کا نام و نشان تک نہ ہوتا۔

علم کیمیا!

جابر بن حیان علم کیمیا کا بابا آدم سمجھا جاتا ہے۔ علم کیمیا پر اس نے ایک سو کتب لکھی ہیں۔ اس کی کتاب (الکیمیا) کے لاطینی اور فرانسیسی میں ترجمے ہو چکے ہیں۔

مسٹر اوہو والس نے جابر کی نو کتابوں کا ترجمہ کیا۔

علم اور قوۃ میں تلازم!

علم اور قوت لازم ملزوم ہیں۔ جہاں علم ہو گا وہاں قوت ہو گی۔ جس قوم میں علم ہو وہ طاقتور ہوتی ہے اور جس نے علم میں غفلت اور سستی سے کام لیا وہ ذلیل ہو جاتی ہے۔

علم و سائنس کی روشنی!

علم اور سائنس کی روشنی دنیا میں مسلمانوں سے پھیلی جب کہ دنیا کی دیگر قومیں غیر مہذب اور جاہل تھیں۔ بالخصوص یورپی اقوام جو جہالت میں نمبرون تھی۔ یعنی دنیا میں سب سے بڑی جاہل تھیں۔

جب مسلمانوں کا سائنسی کمال عروج پر تھا تو اس وقت یورپی اقوام کھالیں پہنتے تھے اور جنگلی اور وحشیوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن آج وہ قوم کمال عروج پر پہنچ چکی ہیں اور مسلمان قوم اپنی غفلت کی وجہ سے علم اور قوت سے محروم ہیں۔

یہ تنزلی قرآن پر عمل ترک کرنے کا نتیجہ ہے۔

(۱۸) الہیٰ اخلاق و اوصاف اپنانا!

تخلقوا باخلاق اللہ۔ کے تحت حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ الہی اخلاق و اوصاف کا نمونہ اپنے اندر کسی نہ کسی درجہ میں پیدا کر کے اللہ تعالیٰ سے مناسبت اور قرب پیدا کیا جائے۔ جو قوم کمالات الہیہ کا نمونہ اپنے اندر رکھتی ہے وہ کامیاب ہے۔ اگر ساتھ ایمان کی دولت بھی ہو جائے تو مکمل کامیابی ہے۔ دنیا و آخرت دونوں میں۔ اور اگر ایمان نہ ہو تو صرف دنیا میں کامیابی ہو گی کیونکہ السلام المؤمن۔ مومن اللہ کا وصف ہے۔

تو اس قاعدے کے تحت ہم تین آیات مندرجہ ذیل کو لیتے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کے چار اوصاف و کمالات پائے جاتے ہیں۔

(۱) ان ربک ھو القوی العزیز۔ کہ یقیناً تیرا رب قوی اور غالب ہے۔

تو اس مذکورہ میں دو کمالات و اوصاف الہیہ ذکر ہیں۔ (۱) قوی: کہ اللہ تعالیٰ قوت والا ہے۔

(۲) کہ اللہ غالب ہے کمزور نہیں۔

(۳) وھو بکل شئی علیم۔ کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم حاصل ہے۔

اس مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کا ذکر ہے۔

(۴) صنع اللہ الذی اتقن کل شئی۔ کہ کائنات اللہ کی تخلیق و صنعت جس سے پوری حکمت کے ساتھ ہر چیز کو درست کیا ہے۔

اس مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت صانع کا ذکر ہے۔

تو یہاں کمالات کے چار نمونے ذکر ہوئے۔ (۱) قوت (۲) غلبہ (۳) علم (۴) صنعت

کہ یہ مذکورہ بالا چار نمونے دنیا و آخرت کی کامیابی کا راز ہیں۔ آج مسلمان قوم ان چاروں کمالات کے نمونے سے خالی ہے لیکن دیگر اقوام میں کسی نہ کسی درجہ میں یہ امور موجود ہیں۔ اسی لئے وہ دنیا میں کامیاب ہیں۔

حدیث پاک: ان اللہ یحب المؤمن القوی۔ کہ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے قوی ایماندار فرد یا جماعت کو۔

تو جو فرد یا جماعت ایمان سے موصوف ہو اور قوی ہو وہ اللہ تعالیٰ کی محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہونا کتنی بڑی بات ہے۔

(۱۹) حق و باطل کی ٹکر!

اگر دیکھا جائے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک حق و باطل کی آپس میں تین ٹکر ہوئی ہیں۔

(۱) بدر کے مقام پر حق و باطل کی پہلی ٹکر ہوئی۔ اس وقت ایمان اور عمل پورے اخلاص سے عروج پر تھا کہ پھر دنیا نے دیکھا کہ ہزاروں سال پرانی باطل کی عظیم سلطنتوں کو حق نے تباہ و برباد کر ڈالا حالانکہ اس وقت مسلمانوں کے پاس دنیاوی اسباب نہ ہونے کے برابر تھے صرف قوتِ ایمانی تھی۔

(۲) دوسری ٹکر ۶ھ میں تاتاریوں سے ہوئی اس وقت کچھ اسلامی اخلاق باقی تھے مکمل طور پر اسلام کا وجود نہ تھا۔ مگر ان اسلامی اخلاق کی وجہ سے ان تاتاریوں میں سے مغل اور ترک عثمانی

ہوئے۔

(۳) تیسری ٹکر برصغیر ہندوستان میں ۱۸۵۷ء میں ہوئی اس وقت نہ اسلام تھا اور نہ اسلامی اخلاق باقی تھے پھر دیکھ لیا کہ آج تک مسلمان سنبھل نہ سکے۔ مسلمانوں کی ترقی کا راز صرف اور صرف اسلام پر عمل کرنے سے ہے۔

(۲۰) مقامِ قرآن و مقامِ مصطفےٰ ﷺ!

حضرت جیؒ کی خدمت میں سوال کیا گیا کہ قرآن شریف کا مقام بلند ہے یا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ نے فرمایا ایک ہے معجزہ اور دوسرا ہے صاحبِ معجزہ۔ معجزہ سے صاحبِ معجزہ کا مقام بلند ہوتا ہے قرآن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

(۲۱) اللہ کی رسی!

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو۔

مفسرین نے حبل کو استعارہ لیا ہے۔ حبل سے اللہ کا دین۔ قرآن و حدیث یا شریعت محمدی کوئی مراد لے لو۔ حبل میں دو صفات ہیں۔ ۱۔ ارتقاء۔ ۲۔ تحفظ عن الاسقاط۔ ڈول کو رسی سے باندھ کر کھینچو تو وہ ڈول کو اوپر بھی لے آتی ہے اور گرنے سے بھی بچاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے دین کو خلوص اور پختگی سے اپناؤ گے تو دینی اور دنیوی دونوں کامیابیاں حاصل ہوں گی۔

(۲۲) سادہ اور تعلیمی جاہلیت:

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاہلیۃ الاولیٰ۔ فرمایا کہ گھروں میں برقرار رہو اور اب تم پرانی جاہلیت والی عورتوں کی طرح آزادانہ نہیں پھر سکتیں۔

قرآن نے یہاں جاہلیت اولیٰ کا ذکر کیا تو اولیٰ اخریٰ کی طرف اشارہ ہے۔ مثلاً جب ہم کہیں کہ پہلی گاڑی آگئی یا پہلی جماعت آگئی تو ذہن فوراً اس بات کی طرف جاتا ہے کہ دوسری بھی آئے گی۔ تو ہم حیران تھے کہ قرآن نے پہلے والی جاہلیت کی تخصیص کیوں کی؟ تو یہ جاہلیت اولیٰ اُخریٰ کی طرف اشارہ ہے۔ تو خدا کو تو معلوم تھا کہ یورپ اور امریکہ کی تعلیم

کے نام سے دوسری یعنی بعد میں تعلیمی جاہلیت آئے گی اور تعلیمی جاہلیت بنسبت سادہ جاہلیت کے زیادہ نقصان کرتی ہے۔ سادہ جاہلیت کی اصلاح ممکن ہے اور تعلیمی جاہلیت کی اصلاح ممکن نہیں۔ جیسے آج کل آپ دیکھ رہے ہیں۔

(۲۳) اسلامی ثقافت یا تہذیب!

آج کل ہمارے پاکستانی لیڈروں کی زبان پر ایک لفظ عام بولا جاتا ہے (ثقافت) ہر ملک کے وفد ایک دوسرے ممالک بھیجے جاتے ہیں۔ جو آپس میں ثقافتی وفود کا تبادلہ کرتے ہیں اور ثقافتی معاہدات بھی ہوتے ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ دور حاضر کی حکومتوں کے لئے یہ (ثقافت) ایک بہت بڑا اہم مسئلہ ہے اور لیڈروں اور حکمرانوں کی زبان پر یہ ورد ہے کہ مسلمانوں کی ثقافت کی حفاظت ہونی چاہیے۔

مگر یہ صاحبان ثقافت اور تہذیب کے معنی و مفہوم تک نہیں جانتے۔

میں مختصر طور پر بتلادوں کہ ثقافت وہاں سے چلی ہے جہاں سے اسلام چلا ہے یعنی جب سے اسلام آیا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت کا دعویٰ کیا ثقافت بھی اسی دن سے چلی۔ میرا خیال ہے کہ اس جملے پر ذرا غور کریں تو آسانی سے سمجھ آجائے گا کہ اسلامی ثقافت کیا ہے؟ تو دو لفظ ہوئے۔ (۱) اسلامی۔ (۲) ثقافت

فاما تثقفنهم فی الحرب فشرد بهم من خلفهم لعلهم یذکرون۔

ترجمہ: اگر تم انہیں (بد عہد لوگوں کو) جنگ میں دیکھ لو تو انہیں ایسی سزا دو کہ پیچھے والے بھاگ جائیں تاکہ آئندہ کے لئے نہیں سبق آجائے۔

ثقافت کیا چیز ہے؟!

حضرت امام راغبؒ فرماتے ہیں۔ الحذق فی الامور وفعله کہ کسی معاملے کو درست سمجھنا اور اسی کے مطابق عمل کرنا۔ یہ ہے ثقافت کا معنی۔

تو ثقافت تو ہر چیز کی ہو سکتی ہے مگر یہاں نسبت ہے اسلامی۔ یعنی اسلامی ثقافت۔ جب اسلامی لفظ ساتھ لگ جاتا ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ (اسلامی امور کو درست سمجھنا اور ان کے

مطابق عمل کرنا)

قرآن کیا کہتا ہے؟!

قرآن کہتا ہے کہ اسلام کے سوا کسی انسان، کسی قوم یا کسی ملک سے کوئی نظریہ آجائے تو قرآن کی اصطلاح میں اسے جاہلیت کہتے ہیں۔

افحکم الجاهلیة یبغون ومن احسن من الله حکماً لقوم یوقنون۔

اب کیا حکم چاہتے ہیں کفر کے وقت کا اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم کرنے والا یقین کرنے والوں کے لئے۔

جاہلیت کی ثقافت؟!

یعنی کفار کی ثقافت؟ ۱۔ عورت کا ناچ گانا۔ ۲۔ شراب خوری۔ ۳۔ مال کو بے جا صرف کرنا۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ اور آخرت کو بھولنا۔ ۵۔ فوٹو کھینچوانے کا عاشق بننا وغیرہ۔ کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانے میں یہ مذکورہ بالا بے حیائی اور فحاشی تھی؟

اسلامی ثقافت؟!

اسلام نے ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں ثقافت دی ہے اس پر چل کر ہماری بقا ہے۔ زندگی، موت و حیات، خوشی و غمی، تندرستی و بیماری، مجلس و تنہائی، اخلاق و تعلیم، ذکر و عبادت وغیرہ ان سب میں اسلام ہمیں ایک ثقافت دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ ہم اس ثقافت پر چل کر اپنی بقاء کو محفوظ رکھیں۔

یہ قاعدہ ہے کہ جو قوم اپنی ثقافت اور سابقہ روایات کو برقرار رکھے وہ قوم زندہ رہتی ہے۔ دنیا میں ایسی قوم ہندو دیکھی گئی ہے۔ بزدل اور بخیل ہونے کے باوجود بھی قائم ہے۔ حالانکہ وہ باطل روایات رکھتی ہے اور مسلمان جس کے پاس حق کی روایات ہیں صرف ان پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ریت کا ٹیلہ بنا ہوا ہے کہ جس طرف سے ہوا کا طوفان آیا وہ اپنے ساتھ اڑا کر لے گیا۔ آج ہم مسلمانوں پر جو مصائب ہیں یہ اپنی ثقافت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے

ہیں۔

آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ چلنا　　منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

(۲۴) اسلامی معاشرت!

معاشرت عربی زبان کا لفظ ہے۔ آج ہر طرف سے یہ آوازیں آتی ہیں کہ معاشرہ درست کرو مگر پتہ یہ بھی نہیں کہ یہ کس زبان کا لفظ ہے۔

یہ لفظ عشرۃ سے نکلا ہے اور عشرۃ کا معنی دس اور عشرۃ عربی زبان میں کبھی بہت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یعنی عشرۃ کا لفظ کثرت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ ایک سے دس تک عدد ختم ہو گئے پھر احد عشر کہتے ہیں۔

مفردات القرآن میں لکھتے ہیں کہ معاشرہ کو معاشرہ اس لئے کہتے ہیں کہ جب کسی قوم کا معاشرہ درست ہو تو ایک آدمی دس یا اس سے بھی زائد آدمی بن جاتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی کے محلے میں ایک سو آدمی رہتے ہیں اور وہاں اسلامی معاشرہ ہو تو وہ سب ایک دوسرے کے ہمدرد ہیں تو ایسی صورت میں وہ ایک آدمی نہیں بلکہ سو ہیں تو وہاں کا ہر ایک آدمی سو ہے اور اگر معاشرہ درست نہ ہو تو وہ تنہا ہے ایک ہے اور باقی اس کے ارد گرد سب دشمن ہیں۔

اسلامی معاشرے کا سرچشمہ!

ہمارے معاشرے کا سرچشمہ قرآن و سنت ہیں۔ دیگر قوموں سے صنعت و حرفت تو درآمد کریں گے مگر معاشرہ درآمد نہیں کریں گے۔ آج چین سے تعلق ہوا تو کچھ لینا ہے لیں گے مگر اس کا معاشرہ نہیں اپنائیں گے۔ اس کا نظریہ اور افکار نہیں اپنائیں گے۔

اگر معاشرہ بدلا تو قوم کی خصوصیت بدل جائے گی۔ اگر معاشرہ بدل گیا تو ہم کاغذی پھول بن کر رہ جائیں گے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودِ مدینہ اور نجران کے عیسائیوں سے معاہدے کئے تھے۔

کیا آپ نے ان کا معاشرہ اپنایا تھا؟ نہیں۔

کیا ان کے افکار اپنائے تھے؟ نہیں۔

کیا ان کی ثقافت اور تہذیب و تمدن اپنائی تھی؟ نہیں۔

(۲۵) فیضانِ خدا!

حضرت افغانیؒ کی عادت تھی کہ آپ چاہے طلباء کو درس دیں یا عوام الناس میں تقریر فرما دیں تو آپ کو پہلے سے موضوع یا عنوان کا کوئی علم نہیں ہوتا تھا بس بیان سے قبل پوچھتے کیا بیان کرنا ہے؟ بس ابھی طالب علم پہلا لفظ منہ سے نکالتا ہی تھا کہ آپ معاً بیان شروع فرما دیتے۔

تو ایک مجلس میں چند بزرگوں نے حضرت جیؒ سے تعجب کے انداز میں سوال کر دیا۔

تو حضرت جیؒ نے فرمایا (ہمارا کیا بس ہم نے خطبہ مسنونہ پڑھا اور پرنالہ عرش سے جُڑ گیا) جو کچھ اوپر سے آتا گیا ہم اسے بیان کرتے گئے۔ یہ فیضانِ خداوندی ہے۔

(۲۶) حیوانِ ناطق!

حضرت جیؒ چونکہ صاحبِ کشف بزرگ تھے یہ تو ہم نے اکثر دیکھا تھا کہ آپ درس کے دوران طلباء اور لوگوں کے سوالات کا جواب بغیر سوال کئے بیان فرماتے اور دورانِ درس جواب دیتے وقت حضرت جیؒ اسی شخص کی طرف دیکھتے جس کے دل میں وہ سوال ہوتا تھا۔ ان حضرات میں میرے ایک استاد محترم بھی ہیں اور جو ابھی تک کالج میں پروفیسر ہیں۔ یہ استاد محترم کئی ایم اے ہیں خوب علمی مطالعہ رکھتے ہیں مودودی صاحب کے دلدادہ تھے۔ اعتراض سوچ کر درس میں شریک ہوتے یعنی معترض کی صورت میں شریک ہوتے مگر جب انہیں بغیر سوالات کئے جوابات ملے تو استاد محترم نہ صرف مودودیت سے تائب ہوئے بلکہ حضرت جیؒ سے بیعت بھی ہوئے۔ جب استاد محترم نے حضرت جیؒ کو یہ باتیں سنائیں تو آپؒ تھوڑے سے مسکرا دیئے۔ اس وقت وہ پروفیسر صاحب محترم فاروق صاحب صاحب صورت و سیرت شخص ہیں۔ یہ حضرت افغانیؒ کی صحبت کا اثر ہے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ مولانا محمد اکرم صاحب نامی عالم کا ہے یہ ایک سرکاری درسگاہ میں عربی مدرس ہیں۔ درویش صفت عالم ہیں۔ یہ ایک سوال ذہن میں لے کر جامعہ اسلامیہ حضرت

جیؒ کے درسِ بیضاوی میں پہنچے حضرت جیؒ کے جلال کو دیکھ کر سوال کی جرأت نہ ہوتی تھی جب حضرت جیؒ نے اپنے مخصوص شفقت بھرے انداز میں ان مولوی صاحب کی طرف دیکھا بھی سہی اور سوال کئے بغیر جواب بھی فرمایا تو مولوی محمد اکرم صاحب کہتے ہیں کہ میرے آنسو نکل آئے۔ اب بھی یہ بات سناتے مولوی صاحب خوب روتے ہیں۔

سوال یہ تھا کہ فلسفہ و منطق نے انسان کی تعریف کی ہے۔ الانسان حیوان ناطق۔ کہ انسان بولنے والا حیوان ہے۔ حالانکہ بولنا ملائکہ اللہ، جن اور بعض پرندوں سے بھی ثابت ہے؟

حضرت جیؒ نے فرمایا انسان کی یہ تعریف غلط کی گئی ہے۔ انسان کی تعریف حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح فرمائی ہے کہ الانسان عاشق۔ انسان عاشق ہے۔

(۲۷) علم کا مقام عبادت سے بلند ہے!

(اگر عبادت کا مقام بلند ہوتا تو خلافت الٰہیہ ملائکہ کو ملتی)

ملائکہ کو خلافت نہیں ملی حضرت آدم علیہ السلام کو ملی حالانکہ ملائکہ انتہائی عبادت گزار ہیں ذرا بھی نافرمانی نہیں کرتے۔

لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون۔

ترجمہ: جو حکم کیا جائے اسے بجا لاتے ہیں اور ملائکہ کی عمر بھی لمبی ہے کہ پیدائش سے قیامت تک زندہ رہیں گے۔ ان کے مقابلے میں انسان اتنی عبادت نہیں کر سکتا انسان کی عمر کم ہے، نیند میں عبادت نہیں ہو سکتی، بیداری میں بھی دنیاوی کاموں میں مشغولیت کی وجہ سے عبادت نہیں ہو سکتی۔ صرف علمی برتری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت عطاء فرمائی۔ تو علم کو عبادت پر فوقیت ہوئی۔

ایک موقع پر مجھ سے سوال ہوا کہ علم کو عبادت پر فوقیت کیوں ہوئی؟

ج: میں نے کہا کہ عالم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور عبدیت یہ بندہ کی صفت ہے۔

(حضرات اولیاء کرام بھی بہت بڑے عالم ہوا کرتے تھے)

حضرت داتا گنج بخشؒ بہت بڑے عالم تھے صرف عبادت گزار بزرگ نہ تھے۔ حضرت محمد ابن فضلیؒ آپ کے استاد تھے۔ جب داتا صاحب لاہور میں آئے تو سب سے پہلے مسجد بنوائی جو مزار کے قریب ہے۔ تو لاہور سے دمشق اپنے استادؒ کے پاس چلے گئے۔ ان کی وفات کے بعد دوبارہ لاہور تشریف لائے۔ (لاہور کو پہلے لہاور کہتے تھے۔)

حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرے استاد محترم کی وفات میری گود میں واقع ہوئی ہے۔

حضرت داتا صاحب چین، روس اور ترکستان کے علاقوں میں علم حاصل کرنے کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ یہ علاقے علم والے تھے آج ہماری بدبختی کی وجہ سے یہ علاقے ہم سے چھن گئے۔

یہ علم سے تعلق اور عشق کی بات تھی کہ حضرت داتا صاحبؒ اپنے استادؒ کی زیارت کے لئے دمشق تشریف لے گئے اور گئے بھی پیدل۔

حضرات ائمہ کرامؒ اور حضرات محدثین کرام کو بھی علم کی وجہ سے مقام نصیب ہوا۔

حدیث: فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر علیٰ سائر الکواکب۔

ترجمہ: عالم کو عابد پر ایسے فضیلت ہے جیسے چودھویں کے چاند کو باقی ستاروں پر۔

عبادت میں ملائکہ بڑھ کر تھے اور علم میں حضرت آدم علیہ السلام تو خلافت علم کی طرف گئی۔

(۲۸) قرآن کے حقوق!

حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت میں سب سے بڑھ کر شفاعت قرآن کی ہوگی۔

(۱) زبان پر کیا حق ہے؟ زبان پر قرآن شریف کا یہ حق ہے کہ انسان صحیح تلاوت کرے۔ اگر ناظرہ پڑھتا ہو تو قرآن شریف کا حق ہے کہ نظر لفظوں پر پڑی رہے۔ ایسی صورت میں ڈبل، دُہرا ثواب ہے۔ دیکھنے کا علیحدہ اور پڑھنے کا علیحدہ۔

(۲) دماغ پر کیا حق (۱) ہے؟ دماغ پر قرآن شریف کا یہ حق ہے کہ آدمی اس تصور سے

پڑھے کہ رب العالمین سامنے ہیں اور میں انہیں سنا رہا ہوں (اگر تو خدا کو نہیں دیکھ رہا تو پھر یہ تصور ہو کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے)۔

(۳) دماغ پر کیا حق (۲) ہے؟ دماغ پر قرآن کا دوسرا حق یہ ہے کہ مطالب و معانی پر بھی غور کرے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے۔

ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیرا۔

ترجمہ: جسے اللہ تعالیٰ حکمت عطا کر دے اسے اللہ تعالیٰ نے خیر کثیر عطا کر دی۔

فرماتے ہیں حکمت سے مراد مطالب و تفاسیر ہیں۔

(اگر آدمی کو ایک آیت کا بھی مطلب آتا ہے تو وہ خیر کثیر لے گیا تو ایسا آدمی جہنم میں کیسے جائے گا؟)

(۴) بدن کے اعضاء پر کیا حق ہے؟ بدن کے تمام اعضاء پر یہ حق ہے کہ اعضاء قرآن پر عمل کریں۔ اگر قرآن معلوم ہونے کے بعد اس پر عمل نہ کیا تو پھر گناہگار ہو گا۔

(۵) سننے والے پر کیا حق ہے؟ سننے والوں پر قرآن کا حق ہے کہ وہ خاموشی سے سنیں۔

مثلاً قاری صاحب تلاوت کر رہے ہوں یا کوئی مدرس قرآن کا درس دے رہا ہو تو اس وقت سننے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ خاموشی سے سنے۔ باتیں کرنا تو درکنار دیگر کوئی وظیفہ پڑھنے کی بھی اجازت نہیں۔

مثلاً اگر قرآن کی تلاوت ہو رہی ہو یا قرآن کا درس ہو رہا ہو تو اس دوران کوئی شخص لا الہ الا اللہ کا ورد کرے یا درود شریف پڑھے تو گناہ ہے۔ بس اس وقت صرف قرآن شریف سنے جو خدا کا آرڈر اور حکم ہے۔

قرآن شریف سنتے وقت سلام کا جواب دینا اور نفلی نماز پڑھنا بھی گناہ ہے۔ اسلئے کہ قرآن کا سننا واجب ہے اور نفل نماز مستحب ہے تو قرآن کو سن کر واجب کو ادا کیا جائے یہ قرآن شریف کے آداب ہیں۔

واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون۔

ترجمہ: اور جب قرآن کی تلاوت ہو رہی ہو تو تم اسے سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحمت ہو۔

اگر رحمت کی طلب ہے تو میرے قرآن کی تلاوت کے وقت زبان روک لو کوئی وظیفہ نہ پڑھو اس سے معلوم ہوا کہ نیکی اپنی طرف سے مت بناؤ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو کہ نیکی کون سی ہے۔

(۲۹) حیات النبی ﷺ!

حضرات انبیاء علیہم السلام قبور میں زندہ ہیں۔

حضرت امام مالکؒ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں تشریف لائے دیکھا کہ ایک آدمی اونچی آواز میں بول رہا تھا تو اشارے سے فرمایا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں۔ بے ادب اونچا نہ بولو!

یاایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھر والہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔

اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو پیغمبر کی آواز سے اونچا نہ کرو۔ اور اس سے سخت لہجے میں بات نہ کرو جس طرح آپس میں کرتے ہو۔ ورنہ تمہارے اعمال ضبط کر لئے جائیں گے اور تمہیں پتہ بھی نہ ہو گا۔

تو حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ روضۂ اطہر پر آکر دبی آواز میں بات کیا کرو کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں صرف قبر کا پردہ ہے۔

یا محمد ﷺ پکار کر خطاب نہ کرو اس کی اجازت نہیں یہ گستاخی ہے۔

یا رسول اللہ ﷺ، یا نبی اللہ ﷺ، یا سیدی ﷺ، یا مولائی ﷺ وغیرہ ﷺ سے پکارنے کی اجازت ہے۔

(۳۰) درود پاک کا ادب!

نماز جیسی عبادت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تلاوت اور رکوع وغیرہ کی تسبیحات قیام کی صورت میں رکھی ہیں مگر درود شریف کو التحیات میں بیٹھنے کی صورت میں رکھا ہے۔ کیا خدا کو پتہ نہ تھا کہ درود و سلام کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیے وہ کھڑے ہو کر پڑھنے کا حکم دیتا؟

کیا ہم زیادہ عاشق رسول ﷺ ہیں یا کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین؟

کسی صحابی، تابعیؒ، تبع تابعیؒ، یا بزرگانِ دینؒ سے کسی ایک نے درود و سلام کھڑے ہو کر کیا ہو تو بتاؤ ہم آج کر دیتے ہیں۔ کھڑے ہو کر اور مخصوص لہجوں اور طرزوں میں درود و سلام پڑھنا یہ بھی بے ادبی ہے۔

بس نیکی وہ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہو۔ من گھڑت نیکیوں کی خدا کے ہاں اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کوئی حیثیت نہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے تھے کہ کتا ہوتا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتا تا کہ آپ کا دیدار ہو جاتا۔ یہ تھا عشق اور یہ تھی محبت۔

حضرت مولانا رشید احمدؒ گنگوہی کے ہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام ایک شخص لایا آپ نے پوچھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے نام کے ساتھ مولوی بھی فرمایا تھا؟ اس نے کہا ہاں۔ تو آپ خوشی سے رونے لگے۔ یہ تھا مقام ہمارے اکابرین کا۔ باقی روٹی کے لئے مسئلے گھڑنا یہ بری بات ہے۔

علماء دیوبند اگر انگریز کے خلاف جنگ نہ کرتے تو وھابی نہ پکارے جاتے۔

غلام رسول مہر اپنی تاریخ کی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں سب سے پہلے (سرولیم) نے پھوٹ ڈالنے کے لئے یہ لفظ نکالا تھا۔

عقیدۂ علماء دیوبند!

آج میں تمہیں مسئلہ بتلاتا ہوں تا کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اصل محبت علماء دیوبند کو ہے۔ ورغلانے والے ورغلاتے ہیں مگر ہم اس مسئلہ کے دلائل کے ذمہ دار ہیں۔

وہ مسئلہ یہ ہے کہ تمام علماء دیوبند اور اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ جس مٹی سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلمؐ کا قدم مبارک یا ہاتھ مبارک لگ گیا وہ مٹی خانہ کعبہ اور خود عرشِ خدا سے افضل ہے۔ وفاء الوفاء میں یہ سب موجود ہے۔

اب تم علماء دیوبند کو جو کچھ سمجھو، سمجھو۔ اسی عقیدہ پر زندہ ہیں اور اسی پر موت آئے گی

ان شاء اللہ العزیز۔

حیاتِ انبیاء علیہم السلام پر (ابناء الاذکیاء فی حیوٰۃ الانبیاء) یہ مستقل کتاب لکھی گئی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مسلمانوں کی مائیں ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم باپ ہیں۔ اب اگر کوئی مرزا قادیانی کو باپ بنائے تو یہ انسانی شرف اور غیرت کے خلاف ہے۔

(۳۱) تمام صحابہ کرام صدیق ہیں!

حضرت علیؓ بھی صدیق ہیں، حضرت فاروق اعظمؓ بھی صدیق ہیں، حضرت عثمان غنی بھی صدیق ہیں، حضرت بلالؓ بھی صدیق ہیں، حضرت ابوہریرہؓ بھی صدیق ہیں سب صحابہ کرامؓ چھوٹے سے لے کر بڑے تک صدیق ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ ان میں صدیقِ اکبر ہیں۔

صدیق اس کو کہا جاتا ہے کہ جس کو پیغمبر علیہ السلام سے یقین کے درجہ میں مشابہت ہو کہ جس طرح پیغمبر علیہ السلام کو جس درجہ میں اللہ پر یقین ہے اسی درجہ کا یقین جس کو پیغمبر علیہ السلام پر ہو جائے وہ صدیق ہے۔ یہ مقام صرف صحابہ کرام کو حاصل ہے۔ تو تمام صحابہ کرام صدیقین ہیں۔ صرف ایک مثال دیتا ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ولو رفع الحجاب ما ازددت یقیناً۔

ترجمہ: کہ اب اگر اللہ تعالیٰ آخرت کے تمام پردے ہٹا دے اور میں اس جہان کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لوں تو میرا یقین اسی درجے تک ہو گا جتنا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے پیدا ہوا تھا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام بھی صدیقین کا ہے۔

(۳۲) امن قائم کرنا حاکم وقت کا فریضہ ہے!

حاکم وقت پر فرض ہے کہ وہ ملک میں امن قائم کرے۔ اگر امن قائم نہ کر سکے بلکہ ملک میں بدامنی پھیل جائے تو حاکم سلطنت چھوڑ دے کیونکہ وہ اپنے فرض نبھانے میں ناکام ہو چکا ہے۔ اسے قرآن یوں بیان کرتا ہے۔

وعداللہ الذین امنوا منکم--- ولیبد لنھم من بعد خوفھم امناً۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ میں نیک بندوں کو حکومت دوں گا وہ دین حق کی بنیادیں پختہ کریں گے۔ ہر طرف امن وامان کا دور دورہ ہوگا۔

اس کا معنی یہ کہ اگر ایک بیوہ عورت گھر میں رہتی ہو اور دس لاکھ روپے یا کوئی اور ملکیت اس کے پاس ہو تو کسی چوکیدار یا محافظ کی اسے ضرورت نہ ہو۔ (یہ ہے امن)

حضرت فاروق اعظم کے زمانے میں بحرین کے گورنر دس لاکھ چاندی کے روپے لائے جو ساری رات مسجد نبوی کے صحن میں بغیر محافظ کے پڑے رہے۔

تو بتلانا یہ ہے کہ امن تھا خوف نہ تھا کوئی چوری وغیرہ نہ تھی۔ آج مسجد میں ایک آنہ کی چیز بھی آدمی نہیں رکھ سکتا۔ سعودی عرب میں آج بھی وہی قانون ہے۔ تو کوئی چوری ہے وہاں؟ کوئی چوری وغیرہ نہیں۔

قلات، لسبیلہ، مکران، خاران ان چار ریاستوں میں اسلامی سلطنت تھی جو میرے سپرد تھی۔ (یعنی حضرت الفائی نے ان علاقوں میں گیارہ سال اسلامی سلطنت چلائی) اسلامی قانون کی برکت دیکھو کہ وہاں نہ فوج تھی اور نہ ہی اتنی پولیس تھی اور نہ ہی اسلحہ پر لائسنس کی پابندی تھی جو جتنا اسلحہ رکھنا چاہے رکھ سکتا تھا۔ گویا کہ پوری قوم مسلح تھی۔ یعنی بدامنی کے پورے اسباب موجود تھے مگر ایک قتل نہیں، ایک چوری نہیں وغیرہ۔ وہاں گیارہ سال اسلامی سلطنت قائم رہی ہر طرف امن ہی امن تھا۔ جو قانون امن قائم نہ کر سکے اس پر تھوکو۔

مساجد میں دیگر اشیاء ضرورت کے علاوہ قیمتی قالین بچھے ہوئے تھے۔ کوئی شخص قیمتی سے قیمتی جوتا بھی مسجد کے اندر نہیں لے جاتا تھا۔ جوتے باہر چھوڑ کر مسجد میں داخل ہو جاتے تھے۔

کیا آج یہ امن آپ کے پاس ہے؟ نہیں ہے تو پھر اس قانون کو چھوڑو۔

ہم جب اپنی ریاست سے کوئٹہ شہر میں آتے تو کہا جاتا کہ آپ اسلامی حکومت سے نکل آئے ہیں یہاں انگریز کی حکومت ہے جوتا مسجد میں ساتھ لے جانا ورنہ چوری ہو جائے گا۔

آج ہمارے ملک پاکستان میں جو بدامنی، قتل وغارت، عریانی اور فحاشی عروج پر ہے یہ سب

یورپی قانون کا نتیجہ ہے۔ ہمارے پاکستانی حکمران خود اسلامی نظام نہیں چاہتے کیونکہ یہ لوگ خائن ہیں انہیں پھر عیاشی میسر نہیں آتی۔ اسلام تو پھر دیانت، شرافت، سادگی اور عدل و انصاف چاہتا ہے اس پر ہمارے حکمران راضی نہیں۔ یہ خود خائن اور لٹیرے ہیں ملک اور قوم کو کھائے جا رہے ہیں۔

(۳۴) سلطنت داؤدی اور سلطنت سلیمانی!

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے بہت نعمتوں سے نوازا۔ سب سے زیادہ نعمتیں اسی قوم کو عطاء ہوئیں اور سب سے زیادہ ناشکری بھی اسی قوم میں تھی۔ ناشکری کے ساتھ نافرمانی بھی عروج پر تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے برابر دنیا میں کسی کی سلطنت تھی نہ ہوگی کیونکہ یہ سلطنت آپ کی دعاء سے عطا ہوئی انسانوں، جنوں اور ہوا وغیرہ پر مکمل آپ کی حکمرانی تھی۔

جنوں سے محل وغیرہ بنواتے، انہیں جیل خانوں میں قید کرتے۔ وہ جیل خانے اور ہیکل سلیمانی والی عمارتیں اب تک موجود ہیں۔

ہوا آپ کے لئے جاسوسی کا کام کرتی۔ جہاں کوئی بات ہوئی وہ آپ تک ہوا پہنچا دیتی۔ وغیرہ۔

حضرت داؤد علیہ السلام یہ بھی اس قوم بنی اسرائیل کے پیغمبر ہیں ان کے لئے لوہا موم کر دیا گیا، نرم کر دیا گیا کہ پٹرول کی طرح بہتا تھا جس سانچے میں ڈالا بس وہی چیز بن گئی۔ بتلانا یہ تھا کہ اس قوم بنی اسرائیل کو بہت سی نعمتوں سے نوازا گیا مگر اس قوم یہود کی نافرمانی اور بدعنوانیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں ان سے چھین لیں۔

(۱) تو قوم یہود کے پاس سلطنت بھی تھی جو روئے زمین پر عظیم الشان سلطنت تھی۔

(۲) ان کے اپنے پیغمبر علیہم السلام بھی تھے۔

(۳) ان کے پاس کتاب (تورات) بھی تھی۔

یہود کی بربادی!

تو اس قوم نے بجائے اس کے کہ فرمانبردار بنتی انتہائی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر

جالوت کو مسلط کیا جس نے انہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جالوت کو حضرت داؤدؑ کے ہاتھ سے ہلاک کیا۔ قوم یہود راہ راست پر آ گئی تو پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کی سلطنت میں خوب قوت عطاء کی۔ مگر یہ قوم پھر خدا تعالیٰ کی نافرمانی پر اتر آئی تو دوسری مرتبہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو مسلط کیا جس نے انہیں گھروں اور مسجد یعنی بیت المقدس سے پکڑ پکڑ کے قتل کیا اس دن سے آج تک پھر اس قوم یہود کی سلطنت مضبوط نہ ہوئی۔

خلاصہ یہ کہ قوم یہود کے پاس پیغمبرؑ، کتاب اور عظیم الشان سلطنت تھی مگر نافرمانی کی وجہ سے دو مرتبہ تباہ و برباد بھی ہوئے اور ہمیشہ کے لیے حکمرانی سے بھی محروم ہوئے۔

مسلمان قوم کی نافرمانی! (۱) آج کرۂ ارضی پر پچاس سے زائد ممالک پر مسلمانوں کی حکومت ہے۔ (۲) مسلمانوں کے پاس کتاب بھی قرآن جیسی ہے۔ (۳) اور پیغمبر بھی اس قوم کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم خاتم النبیین نصیب ہوئے۔

کیا ہم یہود کی طرح نافرمان نہیں؟ ہم میں کوئی کام ایسا ہے جو قرآن کے مطابق ہو؟ تو پھر یہود کی طرح عذاب کے منتظر بھی رہو۔

سنو! قرآن سے بڑھکر اصول نہ عرش پر ہے نہ فرش پر ہے مگر ہم نے اپنے ملک میں انگریزوں کا قانون چلا رکھا ہے۔ کیا یہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہیں؟ کیا اسکی سزا ہمیں خانہ جنگی کی صورت میں نہیں مل رہی؟

حضرت موسیٰ جب توراۃ لائے تھے تو یہود نے اس پر عمل کرنے سے منہ موڑا۔ نافرمانی کی کہنے لگے کہ ہم اس پر عمل نہیں کر سکتے۔ آج ہم بھی کہتے ہیں کہ ہم قرآن پر عمل نہیں کر سکتے حیلے بہانے بناتے ہیں۔ یہ حیلے بہانے صرف یورپ اور امریکہ کو خوش کرنے کے لیے ہیں خدا خوب جانتا ہے۔

(۳۳) فضیلتِ یوم جمعہ!

جمعہ کے دن کو خدا تعالیٰ نے فضیلت بخشی ہے اور ہے بھی ہمارا فائدہ خدا کو تو ضرورت نہیں مگر آج ہم بھی کہتے ہیں کہ ہم جمعہ کی چھٹی نہیں کرتے۔ عرب میں جمعہ کی چھٹی ہے تو ان پر کونسا پہاڑ

ٹوٹ پڑا ہے۔ تو کیا ہم میں یہود کی خصلت نہیں کہ قرآن کو مانتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کر سکتے۔

یورپ کی ہر گندگی پر عمل کر سکتے ہیں مگر قرآن پر نہیں ہو سکتا۔ آج اگر اسمبلی میں قرآن کے قانون قائم کرنے کا وقت آئے یا کوئی بات چیت ہو تو یہ ہمارے لیڈر حیلے بناتے ہیں۔ تو یہود بھی حیلے بناتے تھے۔ تو جسطرح اپنے وقت کی ایک عظیم امت (یہود) ان حیلوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے برباد ہوئی تو تم پر بھی وقت آنے والا ہے۔ تیار رہو۔ تو جمعہ کے دن کی فضیلت تھی مگر یہود نے سنیچر کا دن مانگا۔ جو انہیں دے دیا گیا۔ مگر فرمایا گیا کہ اس میں سختی ہوگی دنیا کا ہر کام اس دن حرام ہو گیا۔

یہ قوم مچھلی کی دلدادہ تھی مگر اس دن مچھلی پکڑنا حرام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے امتحان لینا چاہا تو سنیچر کے دن مچھلی بہت زیادہ بھیج دی۔ تو قوم علماء سوء کے پاس گئی کہ کیا کیا جائے؟

انہوں نے ترکیب بتلائی کہ ساتھ تالاب بنا کر اسے سمندر سے ملا دو سنیچر کو تالاب میں آ جائے گی اتوار کو پکڑ لینا۔ تو یہود نے یہ عمل شروع کیا۔ (یہ ہے حیلہ سازی)

تو سزا کیا ملی؟ کہ جن علماء نے مشورہ دیا تھا وہ تو خنازیر بنا دیئے گئے۔ وجعل منهم القردة والخنازير۔ اور باقی لوگ بندر بنا دیئے گئے۔ دور دراز سے انہیں لوگ دیکھنے آتے وہ کیا دیکھتے کہ بندر اور خنازیر غم میں کھڑے ہیں اور رو رہے ہیں کیونکہ ان میں انسانی عقل تو موجود تھی نا۔

اب تم بھی (پاکستانی حکمرانو!) حیلے بہانے کر لو اور قرآن کو نہ اپناؤ اور سزا کے لیے تیار رہو۔ غدارو! دیکھا تمہاری بداعمالی کی وجہ سے بنگال میں لاکھوں مسلمان خانہ جنگی کی وجہ سے مارے گئے یہ سزا نہیں تو اور کیا ہے؟ ادھر مغربی پاکستان میں بھی غدار بیٹھے ہیں۔ بدبختو! حکمرانی مسلمانوں پر کرتے ہو اور کام ہندو انگریز کے لیے کرتے ہو۔ مسلمانوں کے راز دشمنوں کو دیتے ہو کوئی شرم ہے!

عامر بن فہیرہ یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا آزاد کردہ غلام تھا یہ غار ثور میں بکریوں کا دودھ پہنچاتا تھا دوسرا شخص جو رہبری کے طور پر ساتھ تھا اس کا نام عبداللہ بن اریقط تھا یہ تو تھا بھی کافر۔ مگر کافر کا کردار دیکھو کہ کفار مکہ کو راز بتا جائے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور حضرت صدیق اکبرؓ غار ثور میں ہیں۔ بالکل راز رکھا۔ حالانکہ قریش مکہ نے راز ظاہر کرنے والے کے لیے سو (۱۰۰) اونٹ کا انعام رکھا ہوا تھا۔ یہ بہت بڑا انعام ہے۔ مگر کیا مجال کہ عبداللہ بن اریقط کافر ہو کر راز بتلا جائے۔

مگر تم مسلمان حکمرانو مسلمان ہو کر ہندو اور انگریز کے لئے سی آئی ڈی کرتے ہو۔ نہایت افسوس ہے۔ میرے خیال میں اگر آج تم میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تو تم ان کی بھی سی آئی ڈی کرتے۔

(۳۴) لفظِ فرعون کی تحقیق!

(۱) مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون کہا جاتا تھا۔

(۲) ایران کے ہر بادشاہ کو کسریٰ کہا جاتا تھا۔

(۳) روم کے ہر بادشاہ کو قیصر کہا جاتا تھا۔

(۴) چین کے ہر بادشاہ کو خاقان کہا جاتا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا نام (ریان) تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا نام قبطی زبان میں (من فتح) تھا اور عبرانی زبان میں (ار عمیس) تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کا فرعون (ریان) یہ مؤمن تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون (ار عمیس) کافر کا دادا تھا ان دونوں کے درمیان چار سو سال کا زمانہ گزرا ہے۔

معنیٰ فاراع!

فاراع کا معنیٰ سورج قبطی زبان میں تو فرعون کا لفظ اسی فاراع سے نکالا گیا ہے۔ چونکہ یہ لوگ سورج کی پوجا کیا کرتے تھے تو اس لئے مصر کے بادشاہ کا نام (فارعن) رکھا یعنی سورج کی طاقت کا مظہر ہے۔ پھر اس میں تصرف کر کے (فرعن) بنایا تو جب عربی زبان میں تصرف کیا گیا تو فرعون ہو گیا۔

فرعون کا قبیلہ؟!

تو فرعون کس قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے؟

بعضوں نے مصر کے پرانے قبطی باشندے مراد لئے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ایران کے

علاقے سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ عرب کی عمالقہ قوم سے ہیں۔ یہ قول راجح ہے۔

جب سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کی سختی کے بعد مصر کے علاقے میں ہجرت کر کے چلے آئے تو اس کے بعد تمام پیغمبر علیہم السلام مصر میں آئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی عرب کا علاقہ ہے۔

(۳۵) بڑی آیت!

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ تمہیں قرآن کی سب سے بڑی آیت (یعنی بڑے مرتبے والی) آیت نہ بتلا دوں؟ یہ تین مرتبہ فرمایا۔ پھر فرمایا کہ تیرے خیال میں وہ کون سی ہو سکتی ہے؟ میں نے کہا آیۃ الکرسی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا هنیئاً لک العلم۔ کہ تجھے یہ علم مبارک ہو۔

دنیادارو سن لو! یہ مبارک بادی اس قرآن کے علم پر دی جا رہی ہے۔ جس کو تم اپناتے نہیں ہو۔ کوئی لندن کی ڈگریوں پر مبارک بادی نہیں دی جا رہی جن کے پیچھے تم وقت اور دولت برباد کر رہے ہو۔ قرآن قبر سے آگے جائے گا اور لندن کی ڈگریاں قبر سے ادھر رہ جائیں گی۔

(۳۶) قرآن کی معنوی تحریف!

یہود نے اپنی کتاب توراۃ میں تحریف کی آج ہم نے بھی تحریف کر رکھی ہے لفظی تحریف کی تو جرأت نہیں البتہ معنوی تحریف کی ہے۔

(۱) ڈپٹی نذیر احمد نے کسی پروفیسر کے قرآن میں لکھا۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر (منکم) کا لفظ نہیں لکھا۔ معنی یہ بنا کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حاکم وقت کی تابعداری کرو۔ بس منکم لکھتے تو معنی بنتا کہ تمہیں مسلمانوں میں سے حاکم ہو اس کی اطاعت کرو۔ صرف انگریز کو خوش کرنے کے لئے معنوی تحریف کی کیونکہ اس وقت انگریز کی حکومت تھی۔

(۲) اسی طرح سر سید نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ تم پر کوئی سیاہ فام بھی

امیر ہو تو اس کی بات مانو یہ تو سفید فام ہیں۔ یہ بھی انگریز کی طرفداری کی۔

علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ انسانوں میں سب سے زیادہ مظلوم سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مظلوم ہیں اور کتابوں میں سب سے زیادہ مظلوم قرآن پاک ہے کہ جو بھی اٹھتا ہے اس میں معنوی تحریف کرتا ہے۔

اب تو نفاق عام ہو چکا ہے۔ اعتقادی نفاق تو کفر ہے۔ آج ہمارے پاکستان میں ہر مرتد پل رہا ہے اور پھیل رہا ہے مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی شان دیکھو کہ چار ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شہادت پا کر مسیلمہ کذاب کے فتنۂ ارتداد کو ختم کیا اسے پھیلنے نہیں دیا۔

(۳۷) مقامِ شہید!

یرموک کی لڑائی کو تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال ہو چکے ہیں۔ شام کی حکومت نے کسی معاملہ کے لئے کھدائی کی تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی قبریں ملیں دیکھا گیا کہ جسم محفوظ ہیں، کفن محفوظ ہیں اور چہرہ کی رونق بھی موجود ہے یہ ہے حضرات صحابہ کرام کا مقام۔

۲- اسی طرح ترنگ زئی ہمارے علاقے میں انگریزوں نے سڑک کی کھدائی کی تو ایک جگہ آ کر مشین رک جائے اور جو بھی وہاں کھودنے کے لئے آئے تو وہ مر جائے۔ تو دیکھا گیا کہ وہاں دو شہیدوں کی قبریں تھیں۔ تو انگریزوں نے سڑک کا راستہ بدل دیا۔ یہ ہے حق پر چلنے والوں کی شہادت۔

۳- جب انگریزوں نے نئی دہلی کی تعمیر کی تو ایک جگہ کھدائی کے دوران مشین خراب ہو جاتی تھی اور جب کدال کے ذریعے کھدائی کی گئی تو کدال کے لوہے کو خون لگا ہوا تھا۔ دیکھا تو ایک شہید کی قبر نکلی اس میں ایک تانبے کی تختی پر لکھا ہوا تھا۔ در معرکۂ احمد شاہ ابدالیؒ شہید شدند۔ کہ احمد شاہ بدالی کے حملے کے دوران شہید ہوئے۔

(۳۸) مختصرات!

(۱) خودرو مت بنو! دنیا میں جتنے خودرو پودے ہیں پہلے تو انہیں پھل نہیں لگتا اگر لگتا ہے تو کڑوا۔

(۲) پشاور کے ایک اجلاس میں ضیاء الحق صاحبؒ کو مخاطب ہو کر فرمایا:

ضیاء الحق صاحب سنو! یہ یاد رکھو کہ پنجاب کا جج اور لیڈر آپ کو اسلامی نظام قائم نہیں کرنے دے گا۔

(۳) یحییٰ قزلباشی ہے غدار ہے اسے پھانسی دو اس کی لاش کو کراچی سے پشاور تک ہر بڑے اسٹیشن پر دکھاؤ تا کہ عبرت ہو اور پھر کوئی غدار پیدا نہ ہو۔ (حضرتؒ اس وقت جامعہ اسلامیہ میں سرکاری ملازم تھے) اور یہ حق گوئی و بیباکی۔ سبحان اللہ۔

(۴) قرآن کہتا ہے کہ جب ایک طاقت کو دوسری طاقت سے نہ توڑوں تو دنیا ختم ہو جائے۔

جب مادیت انتہا کو پہنچ جائے تو اس کا توڑ پھر روحانیت سے کیا جاتا ہے۔

جب یورپ اور امریکہ کی بدمعاشی یاجوج ماجوج کی صورت میں عروج کو پہنچے گی تو پھر اس کا توڑ روحانی قوت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات اقدس سے کیا جائے گا۔

دنیا میں خدا تعالیٰ نے امریکہ کا توڑ روس کی شکل میں رکھا۔ اگر دنیا میں روس کی قوت نہ ہوتی تو امریکہ زمین پر خدا نہ بن بیٹھتا! پھر وہ کسی کو ایٹم بم بنانے دے گا؟

(حضرت افغانیؒ نے یہ درس ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو بیان فرمایا تھا) یعنی آج کی بات ۳۳ برس پہلے فرمائی۔ یہ تھی سیاسی بصیرت تو آج تقریباً ۳۳ برس بعد دنیا پر صرف امریکہ ہی عظیم قوت ہے تو وہ مسلمان ملکوں پر ایٹمی اسلحہ نہ بنانے کی پابندی لگانا چاہتا ہے۔

(۳۹) عظمتِ رسالت کا مرتبہ چھوٹ جانے سے ارتداد کا دروازہ کھل جاتا ہے!

علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں۔ کہ ان میں اقامتِ دین کا سلسلہ انبیاء علیہم السلام سے ہوتا تھا اور میری امت میں علماء کے ذریعے ہوتا رہے گا۔

والراسخون۔ فی العلم۔ کہ پختہ عالم دین ہو۔

یعنی ہر داڑھی والے کو عالم نہ کہو بلکہ سوچو کہ پختہ عالم کون ہے؟ خدا تعالیٰ کا مقصود بھی پختہ

عالم ہے۔

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء

صرف پکا و پختہ علم کافی نہیں بلکہ ساتھ تقویٰ بھی ہو۔ تو یہ سلسلہ بنی اسرائیل یعنی (یہود) میں نہ رہا۔ تو نتیجہ کیا نکلا؟ کہ پیغمبر علیہ السلام کے ہوتے ہوئے مرتد ہو گئے۔

(۴۰) ایمان کی نعمت!

عرش سے فرش تک کل نعمتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ سب سے بڑی نعمت ایمان ہے اور سب سے بڑا قہر کفر ہے۔

سارے جہان کی نعمتیں جمع ہو جائیں تو ایمان کی نعمت کے برابر ریت گا ایک ذرہ بھی نہیں۔

اسی طرح سارے جہان کی تمام مضرات (تکلیفیں) جمع ہو جائیں تو کفر کے سامنے ایک ذرہ بھی نہیں۔ قل بفضل اللہ وبرحمتہ فلیفرحوا۔ کہدے کہ یہ قرآن رحمت و فضل بھی ہے تو انہیں چاہیے کہ اس پر خوش ہوں۔ تو اگر تم نے خوش ہونا ہے یا کوئی جشن منانا ہے تو اس قرآن کا جشن مناؤ۔

بزرگوں کا قول ہے کہ قرآن دنیاوی زندگی کو نیم جنت بنا دیتا ہے مطلب یہ ہے کہ قرآن کے ساتھ تعلق قائم کرنے سے غم نہیں رہتا۔

بڑے بڑے ارب پتی بیان دیتے ہیں کہ دولت تو بہت ہے مگر قلب میں چین نہیں۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ ذکر اللہ سے دل مطمئن ہوتا ہے۔ یعنی اطمینان قلب تو ذکر خدا سے ہے۔

ایمان کی نعمت سے زندگی کا وہ مقام ملتا ہے کہ بہشت کے اندر ایک چابک کے برابر جگہ کا جو ٹکڑا ہے وہ پوری دنیا سے بہتر ہے۔ یہ ہے ایمان کی دولت۔

اور اگر ایمان کے بعد تھوڑا سا عمل صالح ہو تو یہ بھی معاوضہ کے اعتبار سے پوری دنیا سے زیادہ ہے۔

(۴۱) دیدارِ الٰہی!

سب سے اعلیٰ مقام کی چیز رویتِ خدا تعالیٰ ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) خواب میں (۲) بیداری میں

۱۔ یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ خدا تعالیٰ خواب میں جس مومن کو دیدار کرا دیں وہ برحق ہے۔

ایک بزرگ قاری عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں انہوں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ قرآن کا رکوع تو سناؤ! تو قاری صاحبؒ نے رکوع سنایا۔ جب اس آیت کو پڑھا۔ وھو القاھر فوق عبادہ۔

تو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب تو میں تیرے سامنے ہوں تو اب تم اس طرح پڑھو۔

وانت القاھر فوق عبادک۔

تو قاری صاحب نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ کس نیکی سے تیرا قرب اور تیری خوشنودی حاصل کی جا سکتی ہے؟ تو خدا تعالیٰ نے فرمایا قرآن کی تلاوت سے میرا قرب اور خوشنودی حاصل کر سکتے ہو۔ قرآن چاہے نماز میں چاہے غیر نماز میں تلاوت کرے۔ اگر معنیٰ جانتا ہو تو بہتر ہے۔ یہ تین سوال و جواب ہوئے۔

حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی پوری زندگی میں خدا تعالیٰ کی زیارت خوابوں میں سو سو دفع کی ہے۔

۲۔ بیداری میں:

اب رہا مسئلہ بیداری میں خدا تعالیٰ کے دیدار کا تو اس میں بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ زمین پر دیدار ہو جائے دوم یہ کہ عرش پر ہو۔

اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اگرچہ دیدار الٰہی کا زمین پر ہونا ممکن ہے مگر زمین پر کسی کو ہوا نہیں۔ خواہ نبی کی ذات اقدس ہو یا غیر نبی ہو۔

ناممکن اس لئے نہیں کہ ناممکن چیز کا پیغمبر سوال نہیں کرتا۔ اگر ناممکن ہوتا تو حضرت موسیٰ

علیہ السلام سوال نہ کرتے۔

وکلمہ ربہ قال رب ارنی انظر الیک۔

تو بیداری میں کسی کو زمین پر دیدار الٰہی نہیں ہوا اور عرش پر صرف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدار بھی ہوا اور ہم کلامی بھی ہوئی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی پاک نے سوال کیا کہ دیدار کیسے کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نور کی شکل میں دیکھا۔

محل دیدار!

محل دیدار چونکہ جنت ہے تو جنت کی زندگی قوی ہے کیونکہ جنت میں نہ مرض نہ کمزوری اور نہ موت ہو گی۔ تو جنت میں جانے کے لئے ایمان ضروری ہے۔ ایمان جس درجے کا ہو گا حسب مراتب دیدار الٰہی ہوا کرے گا۔ کسی کو روزانہ، کسی کو دن میں صبح و شام، کسی کو سال وغیرہ بعد۔

آخرت میں دیدار الٰہی کے صرف شیعہ قائل نہیں باقی تمام مسلمان قائل ہیں۔ شیعہ کا استدلال قرآنی غلط ہے۔ اس کا جواب علماء کرام نے دیا ہے۔

(۴۲) علم گھول کر پیا ہے!

حضرت مولانا محمد شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہ یہ حضرت علامہ افغانیؒ کے نامور شاگرد گزرے ہیں ان کے شاگرد مولانا کفایت اللہ قاسمی صاحب جو اس وقت فوج میں خطیب ہیں انہوں نے مجھے حضرت مولانا محمد شریف کشمیریؒ کے حوالے سے بات سنائی کہ حضرت کشمیریؒ نے فرمایا جب میں دیوبند میں پڑھتا تھا تو مہتمم صاحب کو کسی نے شکایت کر دی کہ افغانی صاحبؒ جو اسباق پڑھاتے ہیں ان کتب کا مطالعہ نہیں کرتے۔

مہتممؒ صاحب نے افغانی صاحبؒ سے اس شکایت کا ذکر کیا تو افغانی صاحبؒ نے کہا کہ آپ کو مجھ سے صحیح کام لینے کی غرض ہے یا کہ مطالعہ کی؟ اس جواب سے معترض صاحبان کی تسلی نہ ہوئی وہ معترض ہی رہے۔ تو مہتمم صاحبؒ نے فرمایا ہم آپ کا سبق پڑھانا سنیں گے

حضرت افغانیؒ صاحب نے کہا بہت خوشی سے سنیں۔ تو ایک دن سبق کے وقت دیوبند کے تمام اساتذہ کرامؒ کمرے میں تشریف لے آئے۔ ابھی سبق شروع نہیں ہوا تھا کہ چند اساتذہ کرام نے پوچھا کہ دورانِ سبق سوال کرنے کی اجازت ہو گی؟ افغانی صاحبؒ نے فرمایا نہیں۔ میں بیان کرتا ہوں اگر آپ کی تشفی نہ ہو تو بیان کے بعد سوالات کر لینا۔

حضرت افغانی صاحبؒ نے وہی اپنے انداز میں ایک طالبعلم سے پوچھا کیا بیان چل رہا تھا؟ بس طالب علم ابھی بات شروع ہی کر رہا تھا کہ آپ نے سبق پر بیان شروع کر دیا۔

سبق فلسفہ کی کتاب کا تھا مضمون خاصا مشکل تھا افغانی صاحبؒ نے علماء کرام کو دیکھکر اس دن اپنے بیان کا انداز بالکل بدل لیا۔ کلام طلبہ کے معیار سے بلند کر کے بیان کرنے لگے۔ جب حضرت افغانیؒ کا علم و فن خوب جوش پر تھا تو تمام اساتذہ کرامؒ حیران بیٹھے نظر آرہے تھے۔ جب افغانیؒ صاحب نے سبق ختم کیا تو اپنے مخصوص انداز میں اساتذہ کرام سے پوچھا (مضمون آیا) سب نے کہا ماشاء اللہ۔

بعد ازاں حضرت افغانیؒ نے فرمایا اساتذہ کرام! ہم نے حضرت (انور شاہ) نور اللہ مرقدہ کا علم صرف پڑھا ہی نہیں بلکہ گھول گھول کر پیا ہے۔ آپ جس فن کی کتاب اٹھائیں کسی مقام کی عبارت پڑھنے کی ضرورت نہیں صرف اس مقام کے باب کا نام لیں ہم اس پر بیان شروع کر دیں گے۔ ہم نے علم استادوں کے پاؤں دبا دبا کر حاصل کیا ہے یہ ان کا فیض ہے۔

(۴۳) سیاسی بصیرت!

المیہ مشرقی پاکستان کے موقعہ پر حضرت افغانیؒ درسِ قرآن بیان کر رہے تھے آپ کے چہرے پر رنج و الم کے آثار نمایاں تھے۔ فرمایا کہ یہ (لیڈر) کہتے ہیں کہ علماء سیاست نہیں جانتے میں کہتا ہوں کہ یہ (لیڈر) ابھی بچوں سے بھی گئے گزرے ہیں۔

سانحہ مشرقی پاکستان دراصل چین کے گرد دائرہ تنگ کرنے کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

دیکھو دنیا میں اس وقت تین قوتیں ہیں، امریکہ، روس اور چین۔ تینوں کو آپس میں بعض امور

(۱) کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سب سے بڑی ہے۔ اللہ اکبر۔
(۲) کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی چیز ہے۔ رضوان اللہ اکبر۔
(۳) کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔ ولذکر اللہ اکبر۔

(۴۵) تعدد ازواج پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام!

اس موضوع پر (مقالات افغانی) جلد اول میں مفصل بحث درج ہے۔ یہاں صرف ایک دو نکات پیش کئے جاتے ہیں۔

مستشرقین کا اعتراض!

کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے حق میں چار سے زائد نکاح اور امت کے حق میں چار نکاح؟

ج ۱: قانون استثنائی یا قانون سپیشل یہ ہر مذہب میں موجود ہے۔
(۱) مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کا نسب کہ وہ بلا باپ حضرت مریم علیہا السلام سے پیدا ہوئے۔ یہ آپ کے حق میں درست اور ثابت ہے۔ مگر عام ضابطہ میں دیگر انسانوں کے لئے یہ قانون نہیں۔
(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مکہ مار کر ایک قبطی کو ہلاک کیا۔ (کتاب استثناء، باب ۲۱)
کیا قتل روا تھا یا ناروا؟ اگر جائز ہے تو بائبل سے ثابت کرو۔ اگر ناروا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اس سے داغدار نہیں ہوئی؟ اگر نہیں ہوئی تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قتل کرنا۔ استثنائی اور سپیشل قانون تھا۔
تو اسی طرح چار سے زائد بیویوں کا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے حق میں کیونکر استثنائی قانون نہیں ہو سکتا اور اس پر اعتراض کیوں؟

ج ۲:- دوسرا جواب یہ ہے کہ چار بیویوں میں بشرط عدل انحصار کا قانون مثنیٰ، ثلث، وربع، یہ سن ۸ھ میں آیا ہے۔ جیسے محمد حسین ہیکل نے (حیات محمد) میں اس کی تصریح کی ہے۔ اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بیویوں کا نکاح ۸ھ سے قبل اس قانون سے پہلے وجود میں آیا ہے۔ اس قانون سے پہلے امتی اور نبی کے لئے چار سے زائد کی بندش نہ تھی۔

اشکال!

اگر یہ اشکال کیا جائے کہ نزول قانون اربعہ کے بعد پہلی چار کے علاوہ باقی کو الگ کر دیا جاتا۔

ہیں اتفاق ہے اور بعض امور میں اختلاف ہے۔ روس اور چین نے مل کر ویٹ کانگ میں امریکہ کو بہت نقصان پہنچایا اور روس اور امریکہ چین کی بڑھتی ہوئی قوت سے خائف ہیں۔

افرادی قوت!

افرادی قوت میں چین تنہا دونوں سے بڑھ کر ہے۔
آلاتِ حرب: آلاتِ حرب میں روس اور امریکہ اگر بیس درجے کو پہنچے ہوئے ہیں تو چین اٹھارہ درجے ہے۔ تو یہ دونوں بڑے ملک چین کی بڑھتی ہوئی قوت سے خائف ہیں۔
تو سالمہ مشرقی پاکستان کی سازش واشنگٹن اور کریملن میں تیار ہوئی۔ بھارت کی طرف سے چین پر حملہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ درمیان میں ہمالہ پڑا ہے۔ صرف ایک سمندری راستہ ہے جو مشرقی پاکستان کے قریب سے گزرتا ہے تو یہ سوچا گیا کہ پہلے مشرقی پاکستان کو لیا جائے۔ معلوم ہوا کہ امریکہ مشرقی پاکستان میں آنا چاہتا ہے۔ (آخر بل کلنٹن) بنگلہ دیش آیا نا!۔

جنگی معاہدہ!

ہمارے پاکستانی لیڈر سیاست کی تو ابجد بھی نہیں جانتے۔ امریکہ سے جب جنگی معاہدہ کیا گیا تھا تو اس نے اسی وقت دھوکہ کیا کہ اگر پاکستان پر (کسی کمیونسٹ ملک) نے حملہ کیا تو امریکہ پاکستان کی مدد کرے گا۔ ان لیڈروں کو اتنا بھی علم نہیں کہ کمیونسٹ ملک چین ہے اور وہ ہم پر حملہ نہیں کرے گا کیونکہ وہ ہمارا دوست ملک ہے رہا روس تو اس ملک سے ہماری سرحد صرف گلگت کے مقام پر معمولی سی جگہ روس سے ملتی ہے وہاں سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ انہیں تو جنگی معاہدہ میں کھل کر ہندوستان کا نام لینا چاہیے تھا کیونکہ ہندوستان ہی ہمارا دشمن ہے اور ہمیں اسی سے ہی خطرہ ہے اور وہی کچھ ہوا۔ مگر یہ بھی غداری ہوئی کچھ لیڈر اور کچھ فوجی خریدے گئے وگرنہ ہماری پاک فوج سے دنیا کی کسی فوج کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ خدا تعالیٰ نے ہماری پاک فوج کو جو اوصاف بخشی ہیں وہ دنیا کے کسی ملک کی فوج میں نہیں۔

(۴۴) علم دین کا لب لباب!

پوری زندگی جو کچھ پڑھا اور پڑھایا اس کا تمام تر لب لباب صرف تین چیزیں ملی ہیں۔

جواب: تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ یہاں نبی اور امتی میں فرق کیا گیا کیونکہ امہات المومنین شرف زوجیت کی وجہ سے اگر الگ کر دی جائیں تو ولا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا۔ کے تحت ان کے ساتھ کسی اور کا نکاح حرام ہوتا۔

(۴۶) جہاد پر مستشرقین کے اعتراضات!

اس موضوع پر مفصل بحث (مقالاتِ افغانیؒ جلد ۱) میں درج ہے۔ یہاں مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

غیر مسلم قوموں خاص کر یورپ اور امریکہ کے لئے سب سے بڑا کھٹکا مسلمانوں کا جذبۂ جہاد ہے۔ لہذا مستشرقین نے قلم کا سارا زور جہاد کے خلاف صرف کیا اور جہاد کو اسلام کا جبری فساد اور وحشیانہ عمل قرار دیا حالانکہ یہ اعتراضات قرآن کے بیان کے خلاف ہیں۔ قرآن نے بھی یہ مسئلہ بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔

(۱) لا اکراہ فی الدین۔ دین اسلام کے لئے جبر و اکراہ منع ہے۔

اس صریح اور واضح حکم کی موجودگی میں قرآن اور صاحبِ قرآن پر دینی جبر کا الزام قطعاً غلط ہے۔

یہ الزام جدید استعماری مستشرقین نے لگایا ہے۔ گذشتہ دور میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین میں سے کسی نے بھی قرآن اور صاحب قرآن پر یہ الزام نہیں لگایا۔

شانِ نزول!

اس مذکورہ بالا آیت کا شانِ نزول جو ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔ اس سے مستشرقین کی اسلام دشمنی کا پتہ چلتا ہے کہ حصین نامی انصاری شخص کے دو بیٹے نصرانی تھے اور باپ خود مسلمان تھا۔ باپ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں بیٹوں کو اسلام پر مجبور کر سکتا ہوں؟ جس پر یہ آیت اتری۔ جس میں اسلام پر مجبور کرنے کی ممانعت کی گئی۔

ایمان معتبر!

ایمان وہ معتبر ہے جو دل کے اختیار سے ہو اور اخلاص پر مبنی ہو نہ کہ جبر و اکراہ سے۔

(۱) لیبلوکم ایکم احسن عملاً۔ (اس آیت میں امتحان مقصود ہے)

کہ اللہ لوگوں پر یہ ظاہر کر دے کہ دل اور بدن کے عمل میں اپنے اختیار سے کون اچھا ہے۔

(۲) وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین۔

عبادت وہ مطلوب ہے جو خلوص قلب سے ہو۔

(۳) حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صغرون۔

جنگ اس وقت ختم ہو گی جب جزیہ دیکر اسلامی مملکت کی تابعداری اختیار کریں۔

یعنی کافر اسلامی جہاد میں فوجی خدمات کے عوض معمولی جزیہ ادا کرتے ہوئے اپنے دین پر رہ کر اسلامی مملکت کے تمام حقوقِ شہریت حاصل کر سکتا ہے۔ ان مذکورہ بالا آیات سے یہ ظاہر ہے کہ دین اسلام میں جبر و اکراہ نہیں۔

منسوخی آیت!

بعض کا خیال ہے کہ لا اکراہ فی الدین والی آیت۔ اقتلوا المشرکین کافۃ والی آیت سے منسوخ ہو گئی۔ یہ خیال صحیح نہیں۔ صاحبِ مظہری لکھتے ہیں کہ نسخ کے لئے تعارض ضروری ہے اور یہاں تعارض نہیں کیونکہ دینِ پر قتال جبر کے لئے نہیں بلکہ رفعِ فساد کے لئے ہے۔

مقصدِ جہاد دین پر جبر نہیں بلکہ رفعِ فساد ہے!

الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر۔

اگر تم جہاد نہ کرو گے تو خدا کی زمین پر بڑے فتنے اور فساد برپا ہوں گے۔

یعنی جہاد کا مقصد فتنہ و فساد کو مٹانا ہے۔

جنگ میں قتل سے منع!

اس وجہ ہے کہ کفار کے جن افراد سے فتنے اور فساد کا قوی اندیشہ نہ ہو تو عین جنگ میں بھی اسلام نے ان کے قتل سے منع کیا ہے۔ مثلاً نابالغ بچے، عورتیں، مشائخ یعنی بوڑھے اور رُہبان یعنی عبادت گزار۔ نابینا اور معذور۔

جہاد فساد کش عمل ہے!

ملک میں باغیوں کا قتل اور خونریزی کرنا۔ یہ فساد اور وحشیانہ عمل ہے
اور قانونِ عدل کی فوج کا ان باغیوں کو قتل کرنا۔ اصلاح اور مقدس عمل ہے۔ یہ دونوں قتل مگر فرق واضح ہے۔

قرآن کا بار بار اعلان ہے کہ اسلام میں جبر نہیں!

اللہ تعالیٰ کو علم تھا نا! کہ مستشرقین غلط الزام تراشی کریں گے۔ تو اس لئے قرآن میں بار بار یہ اعلان کیا گیا ہے کہ دین میں جبر نہیں۔

(۱) قل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔ (کہف)
کہدے کہ یہ حق ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے تو جو چاہے قبول کرے اور جو چاہے انکار کرے۔

(۲) ولوشاء ربک لامن من فی الارض کلھم جمیعاً افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین۔ (یونس)
اگر تیرا پروردگار چاہتا کہ لوگوں کو زبردستی مومن بنا دے تو زمین پر بسنے والے سب لوگ ایمان لے آتے۔ اے پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کیا لوگوں پر اس لئے زبردستی کرے گا کہ وہ ایمان لے آئیں۔

(۳) واں احد من المشرکین استجارک حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ ما منہ ذالک بانھم قوم لا یعلمون۔ (توبہ)
اگر لڑائی میں کوئی مشرک تجھ سے پناہ کا طالب ہو تو اس کو پناہ دے یہاں تک کہ کلام اللہ سن لے پھر اس کو وہاں اس جگہ پہنچا دے جہاں بے خوف ہو۔ یہ اس لئے کہ یہ بے علم لوگ ہیں۔

یہاں یہ تو نہیں فرمایا کہ (اسلام یا تلوار) بلکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ جو کلام سنا ہے اس پر غور کر کے صحیح رائے قائم کرے اس سے معلوم ہوا کہ خدائے قرآن کا منشاء یہ ہے کہ ایمان کا محرک

تلوار نہ ہو بلکہ پر امن حالت میں غور و خوض ہو۔

مسٹر آرنلڈ!

مسٹر آرنلڈ اپنی کتاب (دی پریچنگ آف اسلام) میں لکھتا ہے کہ اسلام جہاں جہاں پھیلا تبلیغ کے اثر سے پھیلا۔ لیکن مستشرقین کا ایک گروہ غلط فہمی کا شکار ہوا۔ اور اس نے غلط فہمی کے چند اسباب نقل کئے ہیں۔ (لیکن میرے نزدیک مستشرقین نے قصداً و دیدہ دانستہ سیاسی مقصد براری کے لئے جہاد پر غلط قلم اٹھایا)

مسٹر آرنلڈ کے نزدیک غلط فہمی کے اسباب!

دور اول میں عرب میں تبلیغی جماعتیں مسلح ہو کر جاتی تھیں۔ یہاں سے مستشرقین سمجھ بیٹھے کہ اسلام تلوار اور اسلحے کی نوک سے پھیلا (کہ یہ مسلح مبلغین تلوار کے زور سے اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں) حالانکہ ایسا قطعاً نہیں تھا۔

(الف) چونکہ عرب کے ملک میں کوئی منظم حکومت نہیں تھی۔ بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس لئے عرب جہاں جائے مسلح صورت میں جاتے۔

(ب) مبلغین میں مختلف قبیلوں کے افراد شامل ہوئے تھے۔ تو یہ احتمال ہوتا تھا کہ راستے میں کوئی قبیلہ اپنی دشمنی کی وجہ سے انتقام کا قصد نہ کرے۔

(ج) اہل عرب کی یہ عام عادت تھی کہ حفاظت خود اختیاری کے لئے مسلح سفر کرتے تھے۔

(د) مبلغین کی تعداد بہت کم ہوتی تھی اور جہاں جاتے تھے اس قبیلے کی تعداد بہت زیادہ ہوتی تھی۔ (تو اگر اسلام لانے پر جبر کرنا مقصود ہوتا تو پھر یہ کم تعداد میں کیوں جاتے؟)

غلط فہمی کی دوسری وجہ!

دوسری بڑی وجہ میدانِ جنگ کا وہ پیغام امن ہے جس سے خونریزی ٹل جائے اور امن و مصلحت قائم ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سرداران فوج کو یہ حکم دیتے تھے کہ جب تم مشرکوں اور دشمنوں کے مقابل ہو تو ان کو تین باتوں میں سے کسی ایک بات کے قبول کرنے کی دعوت دو۔ ان میں جو بات بھی وہ مان لیں تو ان کے ساتھ لڑائی کرنے سے

رک جاؤ۔

اول اسلام کی دعوت دو اگر وہ قبول کریں تو پھر رک جاؤ اور ان سے خواہش کرو کہ مسلمانوں کے ملک میں آجائیں تو ان کا وہی حق ہوتا ہے جو مسلمانوں کا ہے۔ اگر وہ نہ مانیں تو ان کی حالت بدو مسلمانوں کی سی ہو گی۔ قانون ان پر مسلمانوں کا جاری ہو گا لیکن غنیمت اور فے میں ان کا حصہ نہ ہو گا جب تک وہ جہاد میں شرکت نہ کریں۔

اگر اسلام قبول نہ کریں تو ان کو جزیہ دے کر ذمی بننے کو کہہ دیا جائے۔ اگر اس کو وہ مان لیں تو ان سے بھی رک جاؤ اگر وہ اس کو نہ مانیں تو پھر خدا کی مدد مانگ کر لڑائی شروع کرو (مسلم کتاب الجہاد والسیر) اس سے اہل یورپ نے یہ سمجھا کہ میدانِ جنگ کے بغیر بھی مسلمان ہر غیر مسلم کو جبراً مسلمان کرتا تھا خواہ ذمی ہو یا معاہد ہو یا تارک جنگ۔

غلط فہمی کی تیسری وجہ!

مستشرقین مندرجہ ذیل حدیث میں عدم فہم کا شکار ہوئے۔

امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فاذا قالوا عصموا منی دمائھم واموالھم۔

میں مامور ہوں کہ لوگوں سے لڑوں اس وقت تک کہ توحید کا اعتراف کر لیں۔ جب یہ اعتراف کریں تو میری طرف سے ان کی جان و مال محفوظ ہووے۔

مستشرقین کا غلط نظریہ!

اس حدیث سے مستشرقین نے یہ غلط نظریہ قائم کیا کہ کافر سے یہ کہتا ہے کہ اسلام لاؤ ورنہ تمہارے لئے تلوار ہے۔

حدیث کا اصل مفہوم!

حدیث شریف کا تعلق میدانِ جنگ سے ہے کہ جب عین دورانِ جنگ کوئی کافر لا الہ الا اللہ کہہ دے تو اسے قتل نہ کیا جائے۔ اگرچہ جان بچانے کے لئے کہے دل سے نہ کہے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا عذر!

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص

کے متعلق یہی عذر پیش کیا تھا کہ اس نے کلمہ دل سے نہیں پڑھا تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا کیا تو نے اس کا دل چیرا تھا؟ یعنی اندر سے دیکھا تھا کہ وہ دل سے نہیں پڑھ رہا۔

متعصب اور مجنون مستشرقین سے چند سوالات!

(۱) بدر کے قیدی جب گرفتار ہو کر آئے تو ان سے یہ کیوں نہ کہا گیا کہ اسلام یا تلوار؟ بلکہ قرآن نے فرمایا۔ فاما منا بعد واما فداء۔ کہ قیدیوں پر احسان رکھ کر مفت چھوڑ دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو۔

(۲) فتح مکہ کے موقعہ پر دس ہزار قیدی پیش ہوئے تو ان سے یہ کیوں نہ کہا گیا کہ اسلام یا تلوار؟ بلکہ انہیں فرمایا گیا لا تثریب علیکم الیوم۔ کہ میں تمہیں تمہارے اعمال پر ملامت نہیں کرتا بلکہ تم آزاد ہو۔

رئیس یمامہ کا قبول اسلام!

رئیس یمامہ جب قید ہو کر آیا تو اس کو کچھ نہ کہا گیا۔ اس نے خود غسل کیا اور آپ کی خدمت میں اسلام قبول کیا۔ یہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کیوں نہ فرمایا۔ اسلام یا تلوار؟

(۳) وان جنحو للسلم فاجنح: (انفال) اگر کفار کا محارب فریق صلح کے لئے جھک جائے تو تم بھی جھک جاؤ!۔

یہاں آپ نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ اسلام یا تلوار؟

(۴) لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلو کم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروا الیھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین۔

تم کو اللہ ان کفار کے متعلق جو تم سے دین کی وجہ سے نہیں لڑے اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا۔ اس سے نہیں روکتا کہ تم ان سے احسان کرو اور ان کافروں سے منصفانہ سلوک کرو۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

تو یہاں ان کافروں سے یہ کیوں نہ کہا گیا کہ تم اسلام لاؤ ورنہ تلوار ہے؟

(۵) فان اعتزلو کم ولم یقاتلوا الیکم فما جعل اللہ لکم علیھم سبیلا۔ (نساء)

اگر وہ کفار تم سے کنارہ کریں پھر نہ لڑیں اور وہ تمہارے سامنے صلح کا پیغام ڈالیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے تم کو ان پر حملہ کرنے کی راہ نہیں دی ہے۔

تو یہاں ان کافروں سے کیوں نہ کہا گیا کہ تم اسلام لاؤ ورنہ تلوار ہے؟

چوتھی غلط فہمی!

چوتھی غلط فہمی جہاد کا مقصد نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی۔

مقصد جہاد!

کہ جہاد صرف اللہ کا قانون اور انصاف کی سربلندی کے لئے ہو۔ نفس، قوم اور وطن کی آمیزش سے پاک ہو ورنہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں۔ اس لئے قرآن و حدیث میں اکثر جگہ جہاد کو ذاتِ خداوندی کی طرف نسبت کر کے ذکر کیا گیا ہے۔

(قرآن) وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلی وکلمۃ اللہ ھی العلیٰ۔ جہاد کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے کافرانہ قانون کو پست کر دیا اور اللہ کا قانون عادلانہ بلندی کے لائق ہے۔

(حدیث) من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیٰ۔ جو اس لئے لڑے کہ اللہ کا قانون بلند و بالا رہے۔

(قرآن) وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ۔ پوری کوشش کرو اللہ کی راہ میں جیسے اس کا تقاضا ہے۔

(حدیث) وجاھدوا بانفسکم واموالکم والسنتکم۔ خدا کی راہ میں اپنے نفسوں، مال اور زبان سے کوشش کرو۔

مقصد جہاد یا سبیل اللہ!

مقصد جہاد یا سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟

اللہ تعالیٰ کے اس بین الاقوامی اور انسانی قانون عادلانہ کا نام ہے جو خالص انصاف پر مبنی

ہے۔ جو سب عالم کے لئے یکساں مفید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ (رب العالمین) ہے۔ جس میں کل عالم شریک ہے۔

(۱) وما ارسلنٰک الا رحمۃ اللعلمین۔ ہم نے آپ کو وہ قانون دے کر بھیجا جو کل عالم کے لئے رحمت ہے۔

(۲) الحمدللہ الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیراً۔

ساری تعریف ایک خدا کو ہے جس نے قرآن اتارا اپنے خاص بندے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر تاکہ تمام عالم کو ظلم کے نتائج سے ڈرائے۔

(یہی انسانی عمومی مفاد مقصد جہاد ہے)

اب اس انسانی عمومی مفاد میں تمام غیر مسلم قومیں شریک ہیں تو یورپ اور امریکہ کی اقوام کو چاہیے تو یہ تھا کہ جہاد اسلامی کے مرہونِ منت بن کر رہتے کیونکہ اس سے ان کی جان و مال اور عزتیں وغیرہ سب ظلم سے محفوظ ہو گئیں۔ مگر متعصبانہ یہود و نصارا ذہن نے الٹا اس کی مخالفت میں قلم اٹھایا اور دنیا کو ظلم کدہ بنا دیا۔

معرکہ اضداد!

کہ دنیا میں اضداد کی ٹکر ناگزیر ہے۔ اب اس عالمگیر عادلانہ قانون کے رائج کرنے میں ظالمانہ قوتیں رکاوٹ بنتی ہیں۔ تو اس صورت میں حق و باطل، عدل و ظلم کی آپس میں ٹکر ہوتی ہے تو اس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) کبھی اہل باطل حق کو کچلنے کے لئے حملہ کریں۔ مثلاً بدر۔ احد۔ خندق اور حنین کی لڑائیاں اس کی روشن مثالیں ہیں۔

(۲) کبھی اہل باطل حق کی تباہی کے لئے تیاری کرتے ہیں۔ تو اہل حق کو قبل از وقت مدافعت کرنا پڑتی ہے۔ مثلاً غزوہ موتہ اور غزوہ تبوک میں ایسے ہوا۔

(۳) کبھی اہل حق باطل کو راستے سے ہٹا دیتے ہیں تاکہ حق کو آزادی نصیب ہو۔ ایسی صورت میں ابتدائی سر کوبی زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ عہد نبوت کی جنگوں میں اکثر ایسا ہوا ہے۔ اسے

ابتدائی اقدام کہتے ہیں لیکن مقصد وہی کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ (قانونِ عادلانہ و انصاف) بلند ہو۔

والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر۔

سب کافر قومیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اگر تم جہاد نہ کرو گے تو ساری زمین فساد سے پُر ہو جائے گی۔

یعنی کفار نے اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف متحدہ محاذ بنا رکھا ہے۔ اب اگر تم نے جہاد نہ کیا تو زمین فتنہ و فساد سے پر ہو جائے گی۔

فتنہ و فساد میں فرق؟!

تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر۔

اگر تم نے (مسلمانو!) حق کی حفاظت نہ کی اور کفر غالب آگیا کسی بھی زمانے میں تو ملک میں فتنہ و فساد پھیلے گا۔ جس کے تم ذمہ دار ہو گے۔ یعنی علماء کرام بالخصوص اور دیگر مسلمان بالعموم کیونکہ انہوں نے حق لوگوں تک نہیں پہنچایا۔

(فتنہ) اللہ تعالیٰ کے حقوق کی تباہی ہو تو اسے فتنہ کہتے ہیں۔ حق و عدل یہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں۔

(فساد) اور جب انسانی حقوق کی تباہی ہو تو اسے فساد کہتے ہیں۔ عقیدہ و عمل کی شخصی آزادی یہ انسانی حقوق ہیں۔

جہاد اور دنیوی جنگ میں فرق؟!

دنیاوی جنگ تخریبی عمل ہے۔ جیسے ڈاکو کسی کا ہاتھ کاٹ دے۔

(۲) جہاد اصلاحی عمل ہے۔ جیسے سرجن ڈاکٹر زہریلے پھوڑے کی وجہ سے کسی مریض کا ہاتھ کاٹ دیتا ہے تاکہ بدن کا باقی حصہ محفوظ رہے۔

مستشرقین کی ہٹ دھرمی یا ڈھیٹ پنا!

گذشتہ دو عظیم جنگوں اور ویٹ کانگ کی جنگ میں یورپ اور امریکہ نے دنیا کی جو تباہی و

بربادی کی وہ انہیں نظر نہیں آتی؟ اگر اعتراض ہے تو اسلام کے معمولی اصلاحی عمل پر جس میں پوری انسانیت کا عظیم تر مفاد و مقصود پنہاں ہے۔

اسلام میں دینی جبریت نہیں!

عراق، مصر، شام اور ہندوستان میں اسلام نے ہزار سال سے زائد حکمرانی کی لیکن ان ممالک میں عیسائی، یہودی اور ہندو موجود اور محفوظ رہے اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ اسلام یا تلوار؟ کا ایک واقعہ بھی نہیں ملتا۔

مسیحی اقتدار کی تباہ کاریاں!

سپین اور سسلی میں مسلمانوں کی آٹھ سو سال حکومت رہی۔ سب کی جان و مال، عزت اور مذہب محفوظ رہے۔ مگر جب مسیحی اقتدار آیا تو انہوں نے مسلمانوں کا نام و نشان کیا بلکہ قبروں تک کو مٹا دیا گیا۔

ہندوؤں کے اقتدار کی تباہ کاریاں!

ہندوؤں نے چند برسوں میں بیس لاکھ سے زائد مسلمان قتل کئے۔ کروڑوں جلاوطن کئے اور یہ سلسلہ کشمیر اور ہندوستان میں اب بھی جاری ہے۔

مگر پاکستان، افغانستان اور ایران میں آج تک کسی ہندو کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔

(تو دین و اسلام کی اشاعت میں کسی پر جبر و اکراہ نہیں۔)

(۴۷) مادی قوت کا توڑ!

حضرت علامہ افغانیؒ نے بہاولپور کی شاہی مسجد میں درس قرآن بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

کہ جب مادی قوت انتہا کو پہنچ جائے اور دنیا میں اس کا توڑ موجود نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ اس کا توڑ روحانی قوت سے کرتا ہے۔

دنیا میں اگر روس کی قوت نہ ہوتی تو پھر امریکہ زمین پر خدا نہ بن بیٹھتا تو پھر وہ کسی کو ایٹم بم بنانے دیتا؟ جب یورپ اور امریکہ یاجوج ماجوج کی صورت میں پوری زمین پر فساد کریں گے

تو پھر اللہ تعالیٰ انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے تباہ و برباد کرے گا۔

(۴۸) سانحہ مشرقی پاکستان!

یہ لوگ (دنیاوی سیاستدان) تو سمجھتے ہیں کہ علماء سیاست نہیں جانتے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ ابھی بچوں سے بھی گئے گذرے ہیں۔

سانحہ مشرقی پاکستان چین کے گرد دائرہ تنگ کرنے کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہ سازش روس اور امریکہ میں تیار کی گئی۔

دنیا میں اس وقت تین بڑی طاقتیں ہیں تینوں کو آپس میں بعض امور میں اتفاق ہے اور بعض میں اختلاف ہے۔

چین اور روس نے ویت کانگ میں امریکہ کو بہت نقصان پہنچایا۔

روس اور امریکہ چین کی بڑھتی ہوئی قوت سے بہت خائف ہیں۔

افرادی قوت میں چین تنہا ان دونوں سے زیادہ ہے۔

آلاتِ حرب میں اگر وہ دونوں بیس درجہ کو پہنچ چکے ہیں تو اٹھارہ درجے کو چین بھی پہنچ چکا ہے۔

تو مشرقی پاکستان کی سازش روس اور امریکہ میں تیار کی گئی کہ چین کے گرد دائرہ کس طرح تنگ کیا جائے۔

چین پر بھارت کی طرف سے حملہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ درمیان میں ہمالہ پڑا ہے۔ صرف نیفا کا راستہ ہے یا پھر سمندری راستہ جو مشرقی پاکستان کے قریب سے گذرتا ہے تو یہ سازش تیار کی گئی کہ پہلے مشرقی پاکستان کو لیا جائے۔

(بیان بموقعہ جنگ ۱۹۷۱ء)

(۴۹) کارگل:

یحییٰ غدار ہے اس نے کارگل کا علاقہ بھارت کو دے دیا ہے۔ بھارت وہاں بیٹھ کر کشمیر پر نگرانی کرتا ہے۔ (بیان بموقعہ جنگ ۱۹۷۱ء)

(۵۰) دنیا ایک دروازے سے داخل ہوگی دین دوسرے دروازے سے نکل جائے گا۔

(۵۱) مومن کے لئے دولت ایسی ہے جیسے کشتی کے لئے پانی۔ پانی ہوگا تو کشتی چلے گی مگر پانی کو کشتی میں داخل نہ ہونے دیا جائے یعنی مومن دنیا و دولت کو قلب میں داخل نہ ہونے دے۔ یعنی حُب الدنیا پیدا نہ ہونے دے۔

(۵۲) خدا تعالیٰ کو اپنے ذہن سے نہ تولا کرو! جہاں انسان کا ذہن فیل ہوتا ہے وہاں سے خدا تعالیٰ کی کارروائی شروع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کام لینے پر آتا ہے تو علم کا کام جاہل اور نیکی کا کام بُرے سے لیتا ہے۔

(۵۳) واقعہ!

حضرت افغانیؒ کے اس واقعہ سے ساری حقیقت واضح ہو جائے گی۔

حضرت افغانی کا ایک جملہ ہے کہ بگڑی ہوئی پتلون والے علماؤں کی کمائی کھا رہے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت جیؒ کے مکان پر عصر اور مغرب کی درمیانی مجلس کی نشست میں ایک بہت بڑے ڈاکٹور تشریف لائے جو حکومت میں ایک اہم عہدہ پر فائز بھی تھے۔ ان کی گفتگو میں دین و مذہب اور علماء کرام کے خلاف سی صورت پائی جاتی تھی۔ حضرت جیؒ خاموشی سے سنتے اور مسکراتے رہے۔ آخر کار ان صاحب کے منہ سے نکلا کہ (حکمرانی علماء کے بس کا کام نہیں) تو اس پر حضرت جیؒ نے اپنا وہی جملہ دہرایا کہ (بگڑی ہوئی پتلون والے علماؤں کی کمائی کھا رہے ہیں) اور ساتھ ہی فرمایا کہ (ملاؤں کی فتوحات میں بتلا دیتا ہوں اور پتلون والوں کی فتوحات آپ بتلا دیں) بس یہ جملہ سننا تھا کہ وہ صاحب چکرا گئے دماغ درست ہو گیا اوپر نیچے دیکھنے لگے اور سکتہ سا طاری ہو گیا فتوحات کوئی ہوں تو بتائیں۔

حضرت جیؒ نے فرمایا کہ آپ کو تو بس انگریز سرکار نے ایک چیز سکھلا دی ہے کہ (مولوی کا مذاق) اڑانا ہے اپنی فکری صلاحیت تو آپ (جدید تعلیم یافتہ طبقہ) میں سرے سے ہے ہی نہیں۔

(۱) سب سے پہلے علماء کرام حکمران خلفاء راشدین تھے اور بعد میں دیگر حضرات صحابہ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ انہوں نے درسگاہِ نبوت سے علم و حکمت وغیرہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ صرف امیر المومنین سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ہستی نے ۲۲ لاکھ پچپن ہزار مربع میل کا علاقہ فتح کر کے اسلامی جھنڈے تلے لائے۔ کیا یہ کسی آکسفورڈ یونیورسٹی سے سند یافتہ تھے؟

(۲) حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تو چھوڑو۔ عبدالملک بن مروان اس کی حکمرانی پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ روس کی سلطنت بھی اسے جزیہ دیتی تھی۔ یہ بھی عالم تھا۔ یہ بھی مولانا اور ملا تھے۔ ان کے بارے میں مسجد نبوی کے مدرس حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر عبدالملکؒ بن مروان بغداد میں درس حدیث شروع کر دیتا تو ہمارے درس حدیث مدنیہ میں کوئی شریک ہونا پسند نہ کرتا۔

(۳) برصغیر ہندوستان کے فاتح اور پھر اس پر صدیوں تک حکمرانی کرنے والے سلاطین ملا تھے۔ متقی و پرہیزگار ولی بھی گذرے ہیں۔ سلطان محمود غزنویؒ، احمد شاہ ابدالیؒ، شمس الدین التمشؒ، اورنگزیب عالمگیرؒ، شہاب الدین غوریؒ وغیرہ یہ سب علماء کرام تھے اور یہ سب حضرات قرآن و حدیث کا درس بیان کیا کرتے تھے۔ شہاب الدین غوریؒ کی فوج کو تو حضرت امام رازیؒ درس قرآن دیا کرتے تھے۔ شہاب الدین غوریؒ حضرت امام رازیؒ کے شاگرد تھے۔

(۴) یہ جواب موجودہ پاکستانی علاقہ ہے اس کا فاتح محمد بن قاسمؒ بھی عالم (ملا تھا) اس کو بھیجنے والا حجاج بھی بہت بڑا عالم تھا۔

(۵) پاکستان جس اصول پر قائم ہوا وہ یہ تھا کہ جو مسلمانوں کی کثرت والا علاقہ ہو وہ پاکستان کے نام سے موسوم کیا جائے۔ تو شروع میں یہ علاقے دین سے خالی تھے۔ یہاں دین شیوخ، اور علماء کرامؒ نے پھیلایا یا کہ کسی پتلون والے نے؟ صرف ایک حضرت معین الدین اجمیریؒ کے دست مبارک پر ۹۰ لاکھ ہندو نے اسلام قبول کیا۔ یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا یہ ایک انگریز مؤرخ لکھ رہا ہے۔

(۶) برصغیر ہندوستان سے انگریز کو نکالنے والے بھی یہی علماء کرام تھے۔ قیام پاکستان کے لئے کام کرنے والے بھی یہی علماء کرام تھے۔ جناب محمد علی جناح صاحب سلجھے ہوئے اور فہم و تدبر سے بھرے ہوئے انسان تھے۔ انہوں نے علماء کرام کی محنت و کاوش کو دیکھ کر ان (علماء) کی قدر کی۔ آخر یہ کیا وجہ تھی کہ محمد علی جناح صاحبؒ نے مغربی پاکستان میں پہلی پرچم کشائی میرے استاد محترم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے دست مبارک سے کرائی اور اسی طرح مشرقی پاکستان میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے پرچم کشائی کرائی۔ اگر محمد علی جناح صاحب کو اللہ تعالیٰ لمبی زندگی عطا کرتا تو ملک کی یہ صورت نہ ہوتی۔

ملت میں بنی بنائی سلطنت (پاکستان) مل گئی تم (مسلم لیگیوں) نے اس کی قدر نہ کی۔ بس ملک ملتے ہی لوٹ مار شروع کر دی۔ انگریز کے دور میں اگر ایک چھٹانک گناہ تھا تو اب محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر لئے گئے ملک میں ایک من گناہگاری ہے۔

آپ (پتلون والوں) کا کارنامہ تو یہ ہے کہ فتوحات تو درکنار صرف ربع صدی گذرنے پر دس آنہ روپے میں سے ملک (مشرقی پاکستان) ہندو عورت (اندرا) کو دے بیٹھے۔ عزت سے دیتے لڑ کر تو اور بات تھی مگر ذلت سے (ہتھیار ڈالکر) دیا گیا۔ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں ایسا بدترین واقعہ (سانحہ) نہیں ملتا۔ مسلمان میدان میں کٹ کر شہید ہو گیا ہے۔ مگر اس نے کبھی ہتھیار نہیں ڈالے اور نہ ہی خدا تعالیٰ کی طرف سے اسے ہتھیار ڈالنے کی اجازت ہے۔ ہتھیار ڈالے بھی تو ایک (بنیا) قوم کی عورت کے سامنے۔ کتنے افسوس کی بات ہے۔ پھر اعتراض بھی علماء کرام پر کرتے ہو کہ علماء کو سیاست نہیں آتی وہ حکمرانی نہیں کر سکتے۔ یہ بات تمہیں تمہارے آقاء انگریز نے رٹائی ہوئی ہے۔

اگر علماء کی حکمرانی ہوتی تو وہ مشرقی پاکستان میں کبھی ہتھیار نہ ڈالتے۔ شہادت کو ترجیح دیتے۔ اللہ کے بندو! نہ دین پڑھتے ہو اور نہ ہی دیندار لوگوں کے پاس بیٹھ کر اپنی اصلاح کرتے ہو۔

جب انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کر لیا تو ایک دن وائسرائے دہلی اجازت لے کر دہلی کی جامع

مسجد میں حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا درس قرآن سننے آیا۔ جب اس نے درس سنا تو وہ حیران ہو گیا کہ اس پائے کا آدمی تو پورے یورپ میں ہمارے ہاں نہیں۔

سفیر نے اس نے سوال کر دیا کہ آپ جیسے دانا آدمی کے ہوتے ہوئے ہم نے اس ملک پر کیسے فتح حاصل کر لی ہے؟

آپ نے فرمایا اگر بکرانؔ ہمارے قریب رہتے تو آپ فتح کی بات کر رہے ہیں۔ آپ اس ملک کی بُو بھی نہ سونگھ سکتے۔

(۵۴) جہاد اسلام اور جہاد بائیبل کا تقابل!

اب ہم بائیبل سے جبر و اکراہ اور مذہبی جنگوں کے متعلق مختصر حوالہ جات پیش کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو کہ جہاد صرف اسلام سے مختص نہیں۔ بائیبل میں بھی جہاد ہے بلکہ بائیبل کا جہاد اسلام کے جہاد سے سخت ہے۔

(۱) تورات کتاب استثناء باب ۲۰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب ہے کہ جب تم کسی شہر میں داخل ہو یا اس کے قریب ہو تو ان کو صلح کی طرف بلاؤ۔ اگر وہ قبول کر لیں تو اس کے سب رہنے والے تمہارے غلام ہوں گے تم کو جزیہ دیں گے اور اگر صلح قبول نہ کریں تو تمام مردوں کو قتل کرو اور عورتوں، بچوں، مویشیوں اور جو کچھ شہر میں ہے وہ خاص اپنے لئے مالِ غنیمت بناؤ۔

(۲) تورات کی کتاب عدد باب ۳۳ بنی اسرائیل کو خطاب ہے کہ جب تم اردن سے گذرو اور تم کنعان میں داخل ہو تو وہاں کے تمام باشندوں کو ہلاک کرو اور تباہ کر دو ان کی مسجدوں کو۔

(۳) تورات کتاب استثناء باب ۷ میں ہے۔ جس شہر پر جہاد کرو تو مار دو ان کو یہاں تک کہ ان میں سے کوئی نہ بچے اور ان کے ساتھ کوئی معاہدہ کرو اور نہ ان پر رحم کرو۔

اسی طرح جہاد یوشع باب ۱۱ و صمر سموئیل۔ باب ۱۲ و جہاد داؤد باب مذکور میں ہے کہ ان کو قینچی اور چھریوں سے کاٹو۔

(۴) ۱۳ رسال کا مجموعہ ۱۸۳۹ء میں جو بیروت میں چھپا ہے اس میں لکھا ہے کہ رومانیہ

کے کلیسیا نے تیس ہزار دو سو پوروٹسٹنٹ عیسائیوں کو پوپ کو اپنا پیشوا نہ ماننے پر زندہ آگ میں جلایا۔ (ماخوذ از الجواب الفصیح عبدالمسیح لنعمان الدسی)

(۵۵) قانونِ طلاق پر اعتراض!

مستشرقین پہلے اسلام کے قانونِ طلاق پر بھی اعتراض کرتے تھے۔ مگر زمانہ کے حالی ضرورتوں اور پریشانیوں نے جب انہیں سبق سکھایا تو پھر انہوں نے اسلام کے قانونِ شرعی کی طرف رجوع کیا۔

(۵۶) شراب نوشی!

مستشرقین پہلے تحریم شراب پر اعتراض کرتے تھے لیکن اب تحریم کے قائل ہیں۔

شراب اور فحشہ برابر ہیں!

شراب اسلامی قانون کی نظر میں "رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ (مائدہ)

ترجمہ: شراب ناپاک اور شیطانی کاموں کا سرچشمہ ہے اس سے دور رہو۔

(۱) شراب کی ناپاکی کو بیان کیا کہ شراب اور پاخانہ نجاست میں برابر ہیں۔ لہذا شراب کا پیٹ میں جانا ایسا ہے جیسا پاخانہ پیٹ میں داخل کیا جائے۔

(۲) دوم یہ کہ شراب پینے سے شیطانی اعمال و کردار کا دروازہ کھل جاتا ہے اور انسانی صورت میں شیطانی اعمال کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔

(۳) شراب سے الگ ہونے میں دین و دنیا کی کامیابی ہے۔ ورنہ دونوں جہانوں کی ناکامی یقینی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ اگر کسی کنوئیں میں ایک قطرہ شراب ڈالا جائے اور اس کنوئیں پر مینارہ تیار یا تعمیر کیا جائے تو اس مینارے پر اذان نہ دی جائے۔

(تفسیر روح المعانی سورۃ بقرہ)

گویا شراب کی نحوست سے اذان جیسی مقدس چیز بھی آلودہ ہو جائے گی۔

(۵۷) شراب اور صحت بدنی!

ڈاکٹروں کا تحقیقی ادارہ سوسٹرز لینڈ میں قائم کیا گیا۔ اس نے پوری تحقیق کے بعد شراب کی مضرات پر اس نے رپورٹ میں دلائل اور تجربات سے ثابت کیا۔

شراب سے عمر میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ حافظہ کمزور ہو جاتا ہے۔ ہاضمہ کا فعل ضعیف ہو جاتا ہے اور قلب سخت اور کمزور ہو جاتا ہے۔

(۵۸) شراب کی بندش میں ناکامی!

۱۹۳۷ء میں امریکہ نے شراب کی بندش پر بہت ڈالر خرچ کرنے کے باوجود کامیابی حاصل نہ کی۔ برائی جب پھیل جاتی ہے تو پھر اس کا ازالہ ایمانی قوت سے ہوتا ہے اس لئے امریکہ کو کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

(۵۹) شراب نوش محنت کی اہلیت سے محروم ہوتا ہے!

شراب نوشی شروع میں کچھ بدن میں چستی پیدا کرتی ہے مگر بعد ازاں رفتہ رفتہ بدن میں سستی پیدا کرتی ہے۔ جو مزدور و عمال شراب نوش ہیں وہ مسلسل کام نہیں کر سکتے۔ بخلاف غیر شرابیوں کے کہ وہ مسلسل محنت برداشت کرنے کی اہلیت و قوت رکھتے ہیں۔ (اعلام الباحث بقبح ام الخبائث) مصنفہ ڈاکٹر احمد بک۔

(۶۰) روحانی اخلاق کا زوال اور شراب نوشی!

(۱) شراب نوش زوالِ نشہ کے بعد بزدل ہوتے ہیں۔ ان کے دل پر ایک خلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے دورانِ خون میں رکاوٹ ہوتی ہے۔

(۲) شراب نوش میں ضد زیادہ اور رحمت و شفقت کم ہوتی ہے۔

(۳) شراب نوش مستقل مزاج نہیں ہوتا۔ اس کے گفتار میں تضاد ہوتا ہے اور وہ ناقابل اعتماد ہو جاتا ہے۔

(۴) شراب نوش مشکل کام سے جی چراتا ہے اور معمولی دباؤ سے متاثر ہوتا ہے۔

(۵) شراب نوش میں زنا اور عیاشی کا میلان بڑھ جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ چین نے ہر نشہ بند کیا۔

(۶) شراب نوش عقل سلیم سے محروم ہو جاتا ہے اور عقل سلیم ہی شرفِ انسانی کا جوہر ہے اور عقلِ سلیم سے ہی خوفِ خدا اور خوفِ آخرت پیدا ہوتا ہے جس سے شراب نوش محروم ہوتا ہے۔

(۷) شراب نوش میں حیاء نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ تمام حیوانات میں سے حیاء صرف انسان کے ساتھ مختص ہے۔ حیاء ہی کی وجہ سے انسان ہر برائی اور منکرات سے بچتا ہے۔

جن افراد یا اقوام میں شراب نوشی عام ہو جائے تو ان میں وصفِ حیاء کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ تب وہ قوم برے سے برے کام میں شرم محسوس نہیں کرتی۔

(۶۱) مغربی قوم کی تاریخ و کردار!

(۱) سانس فرانسسکی میں جاپان کے ہتھیار ڈالنے پر فوجیوں نے شراب پی کر ہزاروں دوشیزاؤں کی عصمت دری کی اور انہیں برسر بازار ننگا کیا۔

(۲) برطانیہ میں برائے اظہار بیحیائی مستقل ننگوں کی تعداد چھ لاکھ ہے۔

(پاسبان۔ ۲۰ اگست ۱۹۵۲ء)

(۳) ۱۹۴۴ء کی جنگ میں امریکی فوجیوں نے جاپانی ماؤں سے بیس لاکھ حرامی بچے پیدا کئے۔ خفیہ اور اسقاط کی صورتوں میں اس کے علاوہ ہیں لیکن اسلامی فوجوں نے دنیا کا اکثر حصہ فتح کیا مگر زنا کا ایک واقعہ بھی پیش نہیں آیا۔

(نوائے وقت لاہور۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۲ء)

(۴) امریکہ میں ٹن نامی جوان کے ساتھ تین دوشیزاؤں نے سات مرتبہ زنا بالجبر کیا اور اس سے پچاس ڈالر بھی چھین لئے۔ (پاسبان کوئٹہ ۴ مئی ۱۹۵۲ء)

(۶۲) شراب نوشی کا مالی نقصان!

امریکہ کی سرکاری رپورٹ کے مطابق وہاں شرابیوں کی تعداد آٹھ کروڑ ہے۔ جس میں سالانہ

ساٹھ لاکھ انسان اپنی زندگیاں اس ام الخبائث کی وجہ سے ختم کر رہے ہیں۔
امریکہ شراب نوشی پر سالانہ تیس ارب بیس کروڑ ڈالر خرچ کرتا ہے۔ بہ تفصیل ذیل
(۱) شرابیوں کی عدم کارکردگی کی وجہ سے سالانہ دو سو کروڑ ڈالر خرچ کرتا ہے۔
(۲) شراب کی وجہ سے بیماریوں پر سالانہ چار سو کروڑ ڈالر خرچ کرتا ہے۔
(۳) شرابیوں کے فساد و جرائم کی وجہ سے پچھتر کروڑ ڈالر سالانہ خرچ کرتا ہے۔
(۴) شرابیوں کے قید خانوں کے انتظام کے لئے سالانہ چار سو کروڑ ڈالر خرچ کرتا ہے۔
میزان ۱۹، ارب بیس کروڑ ڈالر (رپورٹ مندرجہ پاسبان کوئٹہ ۲ ستمبر ۱۹۵۲ء)
نوٹ: یہ مندرجہ بالا تخمینہ تقریباً پچاس سال پہلے کا ہے۔

(۶۳) شرابیوں کی انشورنس، بیمہ وغیرہ!

بیمہ انشورنس کمپنیاں بہت ملکوں میں شرابیوں کو بیمہ نہیں کرتی کیونکہ شراب نوشی سے جلد اور اچانک موت واقع ہوتی ہے
اور بعض ملکوں میں بیمہ کرائی جاتی ہے لیکن شرابی اور غیر شرابیوں کے رجسٹر اور شرحیں الگ الگ ہوتی ہیں تاکہ کمپنیوں کو نقصان نہ ہو۔
(قبح ام الخبائث ص ۵۷ تا آخر ڈاکٹر احمد بک)

(۶۴) جرنل ڈیگال کا اعلان!

جنرل ڈیگال نے صاف اعلان کیا تھا کہ ہماری فوج تعداد میں جرمن فوج سے زیادہ تھی لیکن ہمیں جرمن فوج نے نہیں بلکہ شراب نوشی نے شکست دی۔

(۶۵) ویٹ کانگ میں امریکہ کی ناکامی!

ویٹ کانگ میں امریکی فوج کو شکست شراب نوشی اور عیاشی کی وجہ سے ہوئی حالانکہ امریکہ کی فوج آلاتِ حرب سے مکمل طور پر لیس تھی اور ویٹ کانگ کی فوج بے سروسامانی کی حالت میں تھی۔

(۶۶) قیام پاکستان کے بعد شراب نوشی!

قیام پاکستان کے بعد اس رقبہ میں انگریزی دور سے شراب نوشی میں پانچ گنا اضافہ ہوا۔
(۱) سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۴۷ء میں پاکستان میں ایک لاکھ ۲۴ ہزار ۶ سو گیلن بیئر شراب استعمال کی جاتی تھی۔
(۲) ۱۹۶۰ء میں تین لاکھ ۴۵ ہزار تین سو چورانوے گیلن تک جا پہنچی۔
(۳) پہلے دور میں شراب پاکستان میں کشید نہیں ہوتی تھی۔ مگر اب ایک لاکھ ۱۷ ہزار ۵۰۷ گیلن کشید کی جاتی ہے۔
(۴) درآمد شراب بیرونی ممالک سے بذریعہ زرمبادلہ ۱۹۴۷ء میں پاکستانی رقبہ میں شراب کی کل درآمد ۲ ہزار ۶ سو ۶۰ گیلن تھی۔ مگر اب ۹۲ ہزار ایک سو دس گیلن ہے۔ جو لائسنس پر قانونی طریقہ سے درآمد کی جاتی ہے۔ ناجائز طریقوں سے درآمد کردہ شراب اس مقدار کے علاوہ ہے۔ (ہفت روزہ المنبر لائل پور۔ ۲۴ اگست ۱۹۶۲ء)

(۶۷) سگریٹ کی کثرت!

کثرت کا یہ عالم ہے کہ صرف ملتان شہر میں یومیہ چھ لاکھ سگریٹ استعمال ہوتے ہیں جس کی قیمت یومیہ تیس ہزار روپے بنتی ہے یعنی ماہانہ تقریباً تین لاکھ روپے اور ۳۶ لاکھ روپے صرف ایک ملتان شہر کا خرچ سگریٹ ہے۔ پورے پاکستان میں غیر ملکی کمپنیاں ہر سال پونے دو کروڑ روپے رائلٹی وصول کرتی ہیں۔ (کوہستان ۱۷ فروری ۱۹۶۸ء)

(۶۸) حجیت حدیث!

حدیث بات کو کہتے ہیں۔ فرعون غرق ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات نہ ماننے پر۔ ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نہیں اتری تھی۔

(۶۹) تصوف پر اعتراض!

انہوں نے اعتراض کیا ہے کہ تصوف دور انحطاط کی پیداوار ہے یہ بات درست نہیں۔ البتہ تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تصوف کا عروج اور اسلام کا انحطاط و زوال ایک ہی دور میں ہوا

ہے۔ مسلمانوں کے پیشوا حضرات جو صاحب تصوف ہیں ان پر یہ اعتراض غلط ہے کہ وہ حضرات خانقاہوں میں بیٹھ گئے ہیں۔

یہ حضرات عبادات کی کثرت کے ساتھ ساتھ جہاد جیسے فریضہ میں بھی شامل ہوتے تھے۔ مثلاً حضرت سعید ابن جبیرؒ اور حضرت ابراہیم بن ادھمؒ و دیگر حضرات وغیرہ۔ (رسالہ قشیریہ) میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

تصوف دو قسم ہے: (۱) تصوف عربی۔ (۲) تصوف عجمی۔

(۱) تصوف عربی: اس میں شک نہیں کہ عربی اور عجمی تصوف کے مابین بہت بڑا تفاوت ہے۔

عربی تصوف میں کتاب و سنت اور جہاد کا رنگ غالب ہے۔

عجمی تصوف میں عبادات و اذکار کا رنگ زیادہ ہے اور جہاد کا رنگ کم ہے۔

عجمی تصوف اور جہاد بالاخلاق!

عجمی تصوف کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ ان حضرات صوفیاء کرام نے جہاد بالسیف تو نہیں کیا لیکن جہاد بالاخلاق ضرور کیا ہے۔

(۱) حضرت معین الدین اجمیریؒ کے بارے میں ڈاکٹر سمتھ لکھتا ہے کہ ان کے ہاتھ پر نوے لاکھ ہندو مسلمان ہوئے ہیں۔ یہ حضرت معین الدین اجمیریؒ کے اخلاق کا اثر تھا۔ ایسی یہ باطنی فتوحات ہوئیں۔

(۲) شہاب الدین غوریؒ کو بلانے والے بھی حضرت معین الدین اجمیریؒ ہیں۔ شہاب الدین غوریؒ کے وقت سے ہی ہندوستان میں مستقل طور پر اسلامی حکومت شروع ہوئی۔ شہاب الدین غوریؒ خود بہت بڑا عالم تھا۔ آپ حضرت امام فخر الدین رازیؒ کے خاص تلامذہ میں سے ہیں اور ان کی فوج کو خود حضرت امام رازیؒ درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔

(۳) فتوحاتِ حضرات ملا کرام!

برصغیر ہندوستان کی فتوحات کا سہرا علماء کرام کے سر ہے۔ آج یہ بگڑی ہوئی پتلون والے

علماء کی کمائی کھا رہے ہیں اور پھر ان حضرات علماء کرام کا مذاق اڑاتے ہیں۔ کرۂ ارضی پر جتنی بھی اسلامی مملکتیں ہیں ان سب کے فاتح علماء کرام ہیں۔ یہ تمام فتوحات اللہ والوں کی رہینِ منت ہیں۔

محمد بن قاسم سے لے کر شہاب الدین غوریؒ و دیگر سلاطین کے وقت جتنے حملے ہوئے ہیں یہ سب دینی تعلیم یافتہ افسروں کے ماتحت ہوئے ہیں۔ مگر آج کے یورپی ذہن کے لیڈر ملاکھہ کر مذاق اڑاتے ہیں۔

(۴) عبد الملک کے بارے میں مسجد نبوی کے امام حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر عبد الملک بادشاہت نہ کرتا اور درسِ حدیث شروع کر دیتا تو ہمارے درس حدیث میں کوئی آنا پسند نہ کرتا۔ اب بتاؤ یہ حاکم علماء نہ تھے۔ ان جیسی سلطنت تم کر کے تو دکھاؤ؟ عبد الملک کی سلطنت پر سورج غروب نہ ہوتا تھا۔ روس بھی ان کو جزیہ ادا کرتا تھا۔

(۵) عربی اور عجمی تصوف کی فتوحات!

(۱) عربی تصوف نے جسمانی اور روحانی دونوں فتوحات کی ہیں۔

(۲) عجمی تصوف نے صرف روحانی فتوحات کئے ہیں اور جسمانی میں ان کا براہ راست حصہ ہے۔

سلطان محمود غزنویؒ کی فتوحات میں حضرت داتا گنج بخش لاہوریؒ اور حضرت ابو الحسن خرقانیؒ دونوں کا ہاتھ ہے۔

شہاب الدین غوریؒ کی فتح میں حضرت معین الدین اجمیریؒ کا ہاتھ ہے۔ سلطان قطب الدین ایبکؒ کی فتوحات میں ان کے ہمنام حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کا ہاتھ ہے۔ بہر حال ہمارے تصوف عجمی بزرگان اولیاء کرام کے بہت بڑے کارنامے ہیں۔ سلطان محمود غزنویؒ۔ قطب الدین ایبکؒ۔ احمد شاہ ابدالیؒ۔ سلطان اورنگ زیبؒ، شمس الدین التمشؒ وغیرہ یہ سب علماء کرام تھے اور درسِ قرآن و حدیث دیا کرتے تھے۔

حضرت نظام الدین اولیاء چشتی دہلویؒ کا جنازہ وقت کے بزرگ سلطان شمس الدین التمشؒ نے

پڑھایا تھا۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ عالم اسلام کے جملہ فاتح حضرات ملا کرام تھے۔

(۶) تصوف کا سرچشمہ!

تصوف عجم کا سرچشمہ ایران ہے۔ اس کے بعد یہ ہندوستان میں آیا۔

(۷۰) شان حضرت امام غزالیؒ!

سلطان الپ ارسلان سلجوقیؒ کے وزیر اعظم نظام الملک طوسیؒ ایک بار مدرسہ نظامیہ بغداد میں تشریف لائے۔ آپ مدرسہ میں طلباء سے کچھ علمی گفتگو کرنے کے لئے تشریف لائے۔ آپ خود بھی بہت بڑے عالم تھے۔ اس وقت حضرت امام غزالیؒ بھی پڑھتے تھے۔ اس وقت منطق و فلسفہ میں ان کا اشتغال تھا۔ نظام الملکؒ نے حضرت امام غزالیؒ سے پوچھا کہ یہ منطق اور فلسفہ آپ کس حد تک پڑھیں گے؟ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اس حد تک کہ ارسطو کی غلطیاں نکال سکوں۔

نظام الملکؒ نے آپ کی تحسین کی اور کہا کہ یہ اس کا شاندار مستقبل ہے کیونکہ ہمت بلند ہے۔ ای لهذا الشباب شان۔

(۷۱) حبشہ کی تعریف!

یمن کا ملک حبشہ کے ماتحت تھا۔ آج اس ملک حبشہ کو ایبے سینیا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

نجش عربی زبان میں بادشاہ کو کہتے ہیں اور جو آدمی شاہی خاندان سے ہو اسے نجاشی کہتے ہیں۔ عربی زبان میں حبش کے معنی خلط کے ہیں۔ عربوں سے چونکہ حبشیوں کا تعلق تھا۔ اس لئے حمیری خاندان جو عرب سے تھا وہاں آباد ہوا اور حبش کے اصل باشندے بربری قوم سے ہیں۔

ان دو قبائل حمیری اور بربری کے اختلاط سے جو لوگ پیدا ہوئے وہ حبشی بمعنی مخلوط کہلائے کیونکہ عرب سامی ہیں اور بربری حامی ہیں۔ اس اختلاط کی وجہ سے اس ملک کا نام حبشہ پڑا۔

(۷۲) مصنوعی کعبہ!

ابرہۃ الاشرم۔ اشرم معنی داغدار ناک والا۔ اس نے صنعاء یمن میں مصنوعی کعبہ بنایا۔ اس کعبہ کا نام قلیس رکھا گیا۔ یہ عمارت جواہرات سے مرصع تھی۔ کہتے ہیں اس زمانے میں یہ دنیا کی بے نظیر عمارت تھی۔

(۷۳) فلسفۂ تعذیب!

ہر قوم خاص خاص عذاب سے معذب ہوتی ہے جیسا کہ مطالعۂ قرآن سے واضح ہوتا ہے اور ہر طریق عذاب میں حکمت ہے اور جس سزا سے اللہ تعالیٰ نے جس مجرم کو ہلاک کیا وہی سزا اس مجرم قوم کے جرم کے عین مطابق تھی۔

(۷۴) اہلاک بالطیر کیوں ہوا!

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ مناسبت یہ تھی کہ کید کے لفظ میں جیسے ہم نے بتلا دیا کہ ابرہہ والوں کا مقصد کیا تھا؟ اصل کعبہ کو مٹا کر مصنوعی کعبہ کو اس کا مقام دینا باوجودیکہ یہ تقدس الٰہی ہے اور مصنوعی نہیں۔

(۱) اور تقدس الٰہی مادی ہو یا روحانی ناقابل تبدیل ہے۔ مثلاً بدن انسان میں قلب کو ایک تقدس حاصل ہے کوئی آدمی نقلی قلب سے قلب والا تقدس منقلب نہیں کر سکتا۔ اسی طرح دیگر اعضاء۔

(۲) اسی طرح ازمنہ کا یہی حال ہے۔ یوم الجمعہ۔ یوم العرفہ۔ لیلۃ القدر کا تقدس ناقابل تبدیل ہے۔

(۳) اسی طرح امکنہ کا بھی یہی حال ہے۔ مسجد الحرام۔ مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کا تقدس ناقابل تبدیل ہے۔

(۴) اصحاب فیل ناقابل تبدیل تقدس کو تبدیل کرنا چاہتے تھے۔ یعنی غیر مقدس کو مقدس اور مقدس کو غیر مقدس کا مقام دینا چاہتے تھے۔ اس تبدیلی کا نام قلب موضوع ہے۔ یعنی انہوں نے یہ کارروائی قلب موضوع کے اصول کے تحت کی تو پھر اللہ تعالیٰ نے سزا بھی ایسی

شکل میں دی کہ اس میں بھی قلب موضوع ہے
کہ ہمیشہ انسان پرندوں کا شکار کرتا ہے مگر یہاں پرندوں نے انسان کا شکار کیا۔
اصلیت کے لحاظ سے انسان صائد ہے اور طائر مصید ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے صائد کو مصید اور مصید کو صائد بنا دیا۔ کما لایخفیٰ۔

(۷۵) حضرات صحابہ کرام کی تربیت اور صلح حدیبیہ!

اب یہ بحث اپنی جگہ رہ جاتی ہے کہ صلح حدیبیہ جس کے شرائط مسلمانوں کے حق میں نہایت مغلوبانہ تھے اس پر فتح کا اطلاق کس طرح صحیح ہے اور اس میں راز کیا ہے؟

حکمت: راز یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرات صحابہ کرام کا تزکیہ قلوب فرمایا۔

تزکیہ قلوب کا لب لباب:

تزکیہ قلوب کا لب لباب یہ ہے کہ جذبات رذیلہ مٹ جائیں اور جذبات حمیدہ ابھریں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی انیس سال کی تعلیم نے حضرت صحابہ کرام کو اس مقام پر پہنچایا جو جذبات حمیدہ تھے وہ بلند ہوئے اور جذبات رذیلہ مٹ گئے۔

اسلام دین عدل ہے!

وجعلناکم امۃ وسطاً۔ انصاف میں بھی اعتدال ہے اس لئے اس کو عدل کہتے ہیں۔ یعنی جس جگہ افراط اور تفریط نہ ہو تو وہ اعتدال ہے۔

جذبات حمیدہ!

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین درس تزکیہ کی تکمیل کر چکے تھے۔ صرف ایک تکمیلی درجہ باقی تھا۔ وہ یہ کہ جذبات حمیدہ متجاوز عن الحد ہوتے ہیں یا دائرہ اعتدال میں رہتے ہیں۔

صلح حدیبیہ!

تو قدرت نے ایک واقعہ صلح حدیبیہ پیش کیا تا کہ حضرات صحابہ کرام کے جذبات کی اصلاح ہو۔ جذبات اور طغیان کو روکا جائے اور جذبہ اعتدال میں رہنے کا خوگر بنایا جائے۔

جوش و ہوش!

اب دیکھنا یہ ہے کہ جذبات پر کنٹرول ہے یا نہ؟ اگر جذبات پر کنٹرول ہوا تو اعتدال ہے ورنہ نہیں اور انسان کے لئے جوش کا اجتماع بہت مشکل ہے۔ جوش تقاضائے جذبات ہے اور ہوش تقاضائے عقل ہے۔ آئندہ چونکہ انہیں حضرات صحابہ کرام نے فتوحات کی مہم کرنی تھی اس لئے چاہیے تھا کہ ان میں کوئی کمی نہ رہے اور یہی حضرات صحابہ کرام عدل الٰہی کا نمونہ بنیں۔ اس لئے جذبات کے طغیان کا ازالہ ہونا چاہیے۔ اس لئے ان تصورات پر نظر رکھیں۔

(۱) ایک تصور یہ کہ ۳۱۳ حضرات صحابہ کرام نے قریش مکہ کو شکست دی اور اب ڈیڑھ ہزار کی تعداد ہے۔

(۲) مدینہ شریف سے چل کر مقام حدیبیہ تک کا فاصلہ طے کیا ہے۔ تمام قبائل نے راستے میں دیکھا کہ مسلمان عمرہ کی غرض سے جا رہے ہیں جس کا اس علاقے میں کافی حد تک چرچا ہے تو عین کعبہ کے سامنے پہنچنے کے بعد مسلمانوں کو روک دیا جاتا ہے۔ یہ ایسی اشتعال انگیز حرکت تھی کہ جس سے عام انسان تو ضرور جذبات کی رو میں بہہ جاتا ہے۔

(۳) شرائط حدیبیہ: پھر شرائط حدیبیہ میں اس قدر تنگی کی جاتی ہے کہ جس سے مسلمانوں کی مغلوبی ظاہر ہوتی ہے۔

(۴) واقعہ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ: حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ اس واقعہ سے قبل اسلام لا چکے تھے۔ مگر قریش نے کہا کہ ابو جندل کو واپس کرنا ہوگا۔ ہمارا معاہدہ اس کے ساتھ مشروط ہے۔ ادھر حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ رو رو کر فریاد کر رہے ہیں۔ آپ سوچیں کہ اس وقت مسلمانوں کے قلوب کی کیا حالت ہو گی۔ بہرحال وعدہ تکمیل ہوا اور حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو کفار کے حوالے کر دیا گیا۔

تمام حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ قابو میں نہ آتے تھے۔ مگر صدیق۔ صدیق تھے کہ طمینان اور سکون کے آثار ان کے چہرے مبارک پر

نمایاں تھے۔ آپ نہ صرف خود مطمئن تھے بلکہ اور دیگر حضرات صحابہ کرام کو فرماتے تھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جو کچھ کر رہے ہیں وہ حکم خداوندی سے ہے۔ اس میں ہمیں بولنے کی گنجائش نہیں۔

سچ ہے کہ پانی جس قدر زیادہ ہو تو شور کم ہوتا ہے اور اگر تھوڑا ہو تو شور زیادہ ہوتا ہے۔

ان مذکورہ بالا تصورات کے پیش نظر آپ سوچیں کہ اس وقت مسلمانوں کے قلوب کی کیا حالت ہو گی؟ بہر حال وعدہ تکمیل ہوا۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ منشاء خداوندی تھا اس لئے تمام مطالبات کو بلا چون و چرا تسلیم کر لیا گیا۔

حکمت!

اس میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ اگر مسلمان سبقت کرتے تو حرم شریف میں خونریزی کا اندیشہ تھا اور کعبۃ اللہ کی عظمت میں فرق آتا ہے۔ جس میں بطور نشانی یہ اہم بات ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی مبارک چلنے سے رک گئی وہ کعبۃ اللہ کی طرف بڑھنا نہ چاہتی تھی۔ جس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اونٹنی حکم خداوندی کے تحت بیٹھی ہے۔ جس طرح ابرہہ کے ہاتھی کعبۃ اللہ کی طرف بڑھنے سے باز آگئے تو ایسے یہ اونٹنی بھی نہیں بڑھتی۔

(۱) جہانگیری: جہانگیری کا مطلب ہے ملک کو فتح کرنا۔ جہانگیری میں جذبات کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۲) جہانبانی: جہانبانی کا مطلب ہے ملک کو چلانا۔ جہانبانی میں ضبط جذبات کی ضرورت ہوتی ہے۔

چنانچہ صلح حدیبیہ کے امتحان نے حضرات صحابہ کرام کے تزکیہ قلب کی تکمیل کی اور ثابت کر دیا کہ حضرات صحابہ کرام حاکم علی الجذبات ہیں محکوم الجذبات نہیں۔

تو اسی لئے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر یہ آیت انا فتحنا لک فتحاً مبیناً۔ نازل ہوئی۔ کیونکہ فتح کے لئے جہانبانی کی قوت کی ضرورت ہے اور جہانبانی کے لئے ضبط جذبات کی

ضرورت ہے۔

(۷۶) احرف سبعہ!

ان القرآن نزل علی سبعة احرف کلها شاف کافد (الحدیث)

یہ حدیث پاک حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت علامہ سیوطیؒ نے تفسیر اتقان میں تصریح کی ہے کہ یہ حدیث شریف ۲۱ حضرات صحابہ کرام سے مروی ہے اور حضرت ابو عبید نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث حد تواتر کو پہنچ چکی ہے۔ اس کا معنی کیا ہے؟ بعض نے اس کو متشابہ سے شمار کیا ہے یعنی لا یعلم تأویلہ الا اللہ اور بعض نے اس کا مفہوم بیان کیا ہے۔

علامہ سیوطیؒ: حضرت علامہ سیوطیؒ نے اتقان میں اسکے معنی کے متعلق چالیس اقوال نقل کئے ہیں۔

علامہ آلوسیؒ: حضرت علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں سات قول نقل کئے ہیں۔ علامہ آلوسیؒ کا جو مختار ہے وہ ہمارے نزدیک مختار ہے۔

علامہ آلوسیؒ کا مختار: علامہ آلوسیؒ کے نزدیک سبعہ احرف سے مراد لسبع قبائل ہے۔ قرآنی عبارت میں سات قبائل کی زبان استعمال کی گئی ہے اور وہ سات قبائل مندرجہ ذیل ہیں۔

قریش۔ ھذیل۔ ازد۔ ھوازن۔ تمیم۔ ربیعہ۔ سعد بن بکر۔

یہاں ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ سبعہ احرف کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اجراء لغات سبعہ فی لفظ واحد بل تفریقها و تقسیمها علی جمیع القرآن۔ یعنی ساتوں لغات ایک لفظ میں جاری نہیں ہوتیں بلکہ متفرق طور پر کہیں دو کہیں زیادہ۔ یوں سارے قرآن میں تقسیم ہے۔ نافع مدنی۔ ابن کثیر مکی۔ ابن عامر کوفی۔ حمزہ۔ کسائی۔ ابو عمرو بصری۔ عاصم کوفی۔ یہ حضرات قراء ہیں۔

مطلب یہ ہوا کہ مجموعہ قرأت سبعہ لغت پر ہے اور بعض الفاظ ایسے ہیں کہ ان میں تمام جاری ہو سکتی ہیں۔ جیسے عبدالطاغوت اس پر اشکال یہ ہے کہ جو کمیٹی یا جماعت امیر المومنین

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بنائی تھی ان میں حضرت زید بن ثابتؓ انصاری کے علاوہ تمام حضرات قریش تھے مثلاً حضرت عبدالرحمن بن الحارث۔ حضرت سعید بن العاص۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم۔

تو حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اذا اختلفتم انتم وزید بن ثابت فاکتبوہ بلغۃ قریش فانما نزل بلغتھم۔ تو یہ حدیث سبعہ احرف کے خلاف ہوئی۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید لغت قریش پر نازل ہوا۔

تعارض نہیں: ارباب حدیث اس پر پریشان ہیں۔ حالانکہ اگر ابن جریرؒ کی روایت لی جائے کہ حرف واحد پر لکھا گیا ہے تو بات صاف ہے کہ لغت قریش پر لکھا۔ مگر یہاں نزلت بلغۃ قریش ہے۔ کتبت بلغۃ قریش نہیں۔ تو اس کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ سبع احرف میں اور نزلت بلغۃ قریش میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ مکہ شریف قریش کا مسکن تھا اور تمام عرب کے قبائل کا مرکز بھی تھا۔ ہر قبیلہ کے لوگ سال میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور مکہ شریف آیا کرتے تھے۔ اس طرح قریش کو تمام قبائل سے اختلاط تھا۔ جس کا نتیجہ یہ اخذ ہوا کہ انجذاب لغات ہو اور مختلف لغات کسی دوسری لغت میں جذب ہو جاتی ہیں۔ لغتِ اردو کا بھی یہی حال ہے کہ مختلف السنہ کی ایک کھچڑی ہے۔

خلاصہ!

خلاصہ یہ کہ لغتِ قریش میں دیگر لغات جذب ہو چکی تھیں۔ تو اصل کے اعتبار سے تو وہ لغات ان قبائل کی طرف منسوب ہیں مگر بوجہ انجذاب یہ لغتِ قریش ہے۔

تعصب لسانی!

خلاصہ یہ ہوا کہ لسان کے متعلق عرب قبائل میں تو تعصب موجود تھے۔ (۱) تعصبِ عربی۔ (۲) تعصبِ قبائلی اور یہ حقیقت ہے کہ محبتِ لسانی فطرت انسانی میں داخل ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ دیگر اقوام سے عرب قوم میں محبتِ لسانی کا جذبہ بہت زیادہ تھا۔

اگر قرآن مجید کا نزول ایک لغت میں ہوتا اور دوسری لغات کی بندش ہوتی تو اس سے ایک

عظیم فتنہ پیدا ہو سکتا تھا کہ ایک قبیلہ فخر کرتا اور دیگر قبائل کی تحقیر ہوتی یوں پھر بگاڑ پیدا ہوتا کیونکہ یہ بات باعث اشتعال بنتی اور قبل از اسلام عرب کی یہ حالت تھی کہ چھوٹی سی بات پر مشتعل ہو جاتے تو پھر زبان کے مسئلے کا تو کہنا ہی کیا۔ (تفصیل محاضرات الفاتی میں ملاحظہ ہو۔)

(۷۷) دور حاضر کی مشکلات کا حل قرآن ہے:

(۱) دور حاضر ایک منقش سانپ ہے جس کی کھال خوبصورت۔ منقش اور نرم مگر اندرون خانہ مہلک زہر سے پُر ہے۔ دور حاضر میں جس قدر انسانی راحت کا سامان اور سائنسی مصنوعات کے جس قدر ذخائر ہیں۔ وہ نہایت پُرفریب اور جاذب نظر ہیں مگر ان کے اندر جو مہلک زہر پوشیدہ ہے اس پر کوئی توجہ نہیں دیتا۔

(۲) جذبہ تقلید تحقیق سے بے نیازی بخشتا ہے!

ہر قوم دور حاضر کی تہذیب و تمدن کو اپنانے کے لئے اپنی آخری حد تک کوشش کو پہنچی ہوئی ہے اس میں جو پوشیدہ زہر ہے اس کی تحقیق کے لئے کسی کے پاس کوئی وقت نہیں۔ بس ترقی کے نام سے اندھی تقلید شروع ہے۔ جذبہ تقلید تحقیق سے بے نیازی بخشتا ہے۔

(۳) زہر!

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس زہر کو فک کل نظام سے تعبیر کیا ہے۔ مگر پھر بھی عُشاقِ مغربیت کا پُرفریب نعرہ مستانہ یہ ہوتا ہے کہ ہم تقلید فرنگ نہیں بلکہ تجدید کرنا چاہتے ہیں۔

علامہ اقبال: لیکن ارباب دانش کو اقبال مرحوم نے اس فریب سے یوں آگاہ کیا ہے۔

محسوس یہ ہوتا ہے کہ آوازہ تجدید — مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ

صلیبی جنگوں سے سبق!

جب یورپ اور امریکہ نے صلیبی جنگوں سے یہ سبق سیکھا کہ تلوار سے اسلام کو نہیں مٹایا جا سکتا تو انہوں نے اپنا طرز عمل بدلا اور سوچا کہ قلم کے ذریعہ اسلام کو مٹایا جا سکتا ہے۔

اسلام سے قلبی دشمنی!

چنانچہ اس سلسلے میں انہوں نے ایک ایسا نصابِ تعلیم مرتب کیا کہ جس کے پڑھنے سے اگرچہ ایک مسلمان عیسائی نہ بن سکے لیکن اس کے اثر سے وہ اصلی اسلام پر قائم بھی نہ رہ سکے۔ تو مستشرقین کی جماعت تیار کی گئی۔

انگریزی خواندہ کی کمزوری!

انگریزی خواندہ مسلمان ایک تو عربی زبان اور عربی علوم سے ناواقف ہوتے ہیں دوسرا وہ علماء دین سے ملنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ عار سمجھتے ہیں کیونکہ مستشرقین کے کتب کے مطالعہ سے ان کے ذہن علماء دین سے متنفر ہوتے ہیں تو اس صورت میں انگریزی خواندہ کی جو ذہنیت بنے گی وہ زہر آلود ہو گی اور پائیدار ثابت ہو گی۔

تو یہ سب خرابی اس بناء پر ہوئی کہ ہم (اسلام) کو دشمنان اسلام (مستشرقین) کی تصنیفات کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ زدہ مسلمانوں کی تصنیفات میں مستشرقین کی تحقیق و نکتین کا عکس صاف نظر آتا ہے۔

حقیقی انسانی ترقی کے لئے اسلام پر عمل ضروری ہے!

اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے (رب المسلمین) نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اصولوں پر جو بھی عمل کرے گا وہ کامیاب رہے گا۔

ایک قوم کی دنیاوی ترقی کے لئے جو امور ضروری ہیں مغربی مفکرین کی متفقہ رائے کے مطابق وہ چار مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ماضی سے ربط!

ماضی سے ربط تاکہ ان کا قومی تشخص اور تاریخی وابستگی کی وجہ سے ان کا ملی جذبہ دونوں زندہ رہیں۔

(۲) وحدت فکر و عمل!

وحدت فکر و عمل تاکہ قوم کی شیرازہ بندی قائم رہے اور انتشار پیدا نہ ہو۔

(۳) فراہمیٔ اسباب قوت!

فراہمیٔ اسباب قوت کہ اس عالم اسباب میں قدرت کے اکثر فیصلے انہی اسباب کے تحت صادر ہوتے ہیں۔

(۴) جُہد مسلسل!

جُہد مسلسل یعنی اپنے مقصد کے لئے مسلسل کرنا تاکہ کوئی غفلت، سستی، راحت پسندی اور تعیش اس جدوجہد کی راہ میں رخنہ انداز نہ ہو۔

ہمارا دعویٰ!

ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ ان چار اسباب کے علاوہ اور کوئی بنیادی سبب ایسا نہیں جس کو قوموں کی ترقی میں دخل ہو باقی رہا یورپ کا تہذیب و تمدن اور خدا بیزار و آخرت فراموش افکار ان کو ترقی سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

قانونِ قرآن!

قرآن نے صدیوں پہلے ان چار اسباب کا ذکر کیا ہے۔ ہم مختصراً ہر سبب کے لئے محض قرآنی احکام پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ تفصیل میں نہیں جائے۔

(۱) ماضی سے ربط!

ماضی بعید: ملت اسلام کے ماضی بعید حضرات انبیاء علیہم السلام و مومنین سابقین کے متعلق حکم ہے فبھدی ھم اقتدہ: یعنی ان کی ہدایت پر عمل کر۔

ماضی قریب!

اسلام کے ماضی قریب یعنی حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے منشاء کو پوری کرنے والوں کی جماعت ہے۔ ان کے متعلق قرآن کا ارشاد گرامی ہے۔ اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون۔ تو جو ان حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی چال چلے گا صرف ان کو دنیا و آخرت کی کامیابی نصیب ہو گی۔ پھر

اس سبق کو پنج وقتہ نماز کی ہر رکعت میں دہرانے کے لئے ارشاد ہوا۔ اھدنا الصراط المستقیم - صراط الذین انعمت علیھم غیرالمغضوب علیھم ولا الضالین۔ یعنی خدا تعالیٰ سے سیدھی راہ طلب کرو جو اللہ کے انعام یافتگان کی راہ ہے۔ یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین کی راہ نہ یہود و نصاریٰ یا ان اقوام کی راہ جو اللہ تعالیٰ کے مغضوب اور گمراہ ہیں۔

(۲) وحدت فکر و عمل!

وحدت فکر و عمل کے لئے ارشاد ہے۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا۔ اے مسلمانو! سب مل کر اللہ کے دین فطرت کی رسی کو مضبوط پکڑو اور تفریق نہ ڈالو۔ اگر متحد ہو کر پکڑو گے تو فولادی دیوار بن جاؤ گے اور اگر تفرقہ ڈالا کہ کچھ قرآنی اور اسلامی افکار اپناویں اور کچھ مغربی افکار اپناویں تو ایسی صورت میں تمہاری حقیقی وحدت پارہ پارہ ہو کر خلفشار کی نظر ہو جائے گی۔ خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ جس سے تمہارا ملی وجود ختم ہو جائے گا۔

(۳) فراہمیٔ اسباب قوت!

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ۔ تم پر فرض ہے کہ تم ان اسبابِ قوت کو جمع کر دو۔ جن سے تمہارے دشمن مرعوب ہو سکیں اور اللہ کے دشمن مرعوب ہو سکیں۔

اس آیت کی عالمگیر تعبیر میں جملہ اسبابِ قوت داخل ہیں۔ باطنی قوت کے لئے دینی تعلیم اور ظاہری قوت کے لئے دنیوی تعلیم پھر ضروریات حیات کے لئے صنعتیں اور آلات حرب کے لئے جنگی سامان تیار کرنے والے کارخانے وغیرہ۔ ہر زمانے کے لحاظ سے اسلحہ سازی کرنی ہوگی۔

(۴) جُہد مسلسل!

ترقی کا چوتھا سبب جُہد مسلسل ہے یعنی دنیا کے مقاصد کے لئے مسلسل۔ لگاتار سعی، عمل کرنا کہ یہ دنیا جہانِ عمل ہے۔ [illegible] کی سعی موجب ہے۔

لیس للانسان الا ما سعی وان سعیہ سوف یری۔

انسان کے لئے دونوں جہانوں میں جو کچھ ملتا ہے۔ سعی و عمل سے ملتا ہے اور انسان کوشش اور جدوجہد کا ثمرہ و نتیجہ ضرور پائے گا۔

ان مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں یہ ثابت ہو گیا کہ دور حاضر کی ہر وہ چیز جس کو ترقی میں دخل ہے۔ وہ قرآن پاک کے بتائے ہوئے ان چار اصولوں سے باہر نہیں۔

اقوام متحدہ کا قیام!

جب سے انسان نے آسمانی ہدایات (قرآن) سے خلاف ورزی کا رویہ اختیار کیا ہے اس وقت سے انسان کی مشکلات میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ نہ اللہ تعالیٰ کے حقوق محفوظ رہے نہ انسانوں کے، بلکہ پوری دنیا ظلم، جھوٹ، خونریزی اور فسق و فجور کا جہنم کدہ بن گئی۔

اب خود اقوام عالم نے اس تباہی اور بربادی کا احساس کیا تو (اقوام متحدہ) کا ادارہ وجود میں آیا۔

ویٹو پاور!

ویٹو پاور نے انصاف کے دروازے بند کر دیئے ہیں یہی وجہ ہے کہ پوری دنیا بڑی طاقتوں کی غلامی میں زندگی بسر کر رہی ہے۔ تو یوں اقوامِ متحدہ کا ادارہ بڑی طاقتوں کا کھلونا بن کر رہ گیا ہے۔

اقوام متحدہ کی کارگذاری!

(۱) اگر اقوام متحدہ میں دو چھوٹی قوموں کا تنازع درپیش ہو تو خود تنازع اور مقدمہ ہی غائب ہو جائے گا۔

(۲) اور اگر تنازع ایک چھوٹی اور دوسری بڑی قوم کا ہو تو چھوٹی قوم غائب ہو جائے گی۔

(۳) اور اگر تنازع دو بڑی قوموں میں ہو تو خود اقوام متحدہ غائب ہو جائے گی۔

(تقریر سید احمد شاہ بخاری، مندوب پاکستان، مندرجہ جنگ ۶، دسمبر ۱۹۶۷ء، تقریر ۷ جنوری ۱۹۵۳ء)

(۸۱) ترقی اور اسلام!

(یہ کہنا ترقی کے راستے میں اسلام رکاوٹ ہے۔ آسمان نے اس سے بڑا جھوٹ آج تک نہیں سنا)

(۱) ترقی کا اصلی اور صحیح تصور۔ (۲) ترقی حاصل کرنے کے لئے وہ صحیح اور عملی تدابیر جن پر عمل پیرا ہو کر ترقی حاصل کی جا سکتی ہے۔

ترقی کا اصلی اور صحیح تصور!

انسان صرف جسم مادی اور صرف روح انسانی کا نام نہیں بلکہ انسان جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے۔ جب یہ دونوں چیزیں انسانیت کے اجزاء ٹھہریں تو انسانی ترقی ان دونوں اجزاء کی ترقی کا نام ہے۔

صرف ایک جز کی ترقی کامل ترقی نہیں کہلا سکے گی کیونکہ کل کی تکمیل و ترقی اجزاء کے بغیر ناممکن ہے۔

(۱) کامل بدن وہ کہلائے گا جس کے تمام اعضاء درست ہوں۔ اگر کوئی عضو ناقص ہو تو وہ کامل بدن نہیں کہلائے گا۔

(۲) اگر کسی مشین کے چند ایک پرزے ناقص ہوں تو وہ ناقص اور غیر ترقی یافتہ کہلائے گی۔

(۳) اگر جوارش جالینوس کے سب اجزاء اعلیٰ ہوں زعفران یا کوئی دوسرا جز صحیح نہ ہو تو وہ جوارش ناقص قرار پائے گا۔

مادی ترقی!

یورپ امریکہ اور دیگر اقوام عالم کی تمام جدوجہد اور سعی و عمل صرف مادی ترقی پر مصروف کار ہے اور مادی ترقی میں انہوں نے بہت ترقی حاصل کی ہے مگر ان کا روحانی انحطاط بھی بے نظیر ہے۔ پوری دنیا ان کے تباہ کن نتائج بھگت رہی ہے۔

جنگ عظیم!

مغربی جرمنی کے ڈاکٹر ازمنسٹر اقوام متحدہ کی رپورٹ مرتب کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

(۱) گذشتہ جنگ عظیم میں ساڑھے چھ کروڑ افراد مقتول و مجروح ہوئے۔

(۲) ۱۵، کروڑ افراد کے گھر جل کر خاک ہو گئے۔

(۳) دولت اس قدر صرف ہوئی کہ اگر اس کو اس وقت کی دنیا کی پوری اڑھائی ارب آبادی پر برابر تقسیم کیا جاتا تو فی کس اڑھائی سو روپے ماہوار کے حساب سے پوری دنیا ایک سو سال تک خوشحال زندگی بسر کر سکتی تھی۔ (رپورٹ مندرجہ شہباز جولائی ۱۹۵۶ء)

کوریا کی جنگ!

اس معمولی سی لڑائی ۲۵ جون ۱۹۵۰ء لغایت ۱۴، مئی ۱۹۵۲ء تک میں پچاس لاکھ مرد، عورتیں اور بچے ہلاک ہوئے۔

دور حاضر کی جنگ!

امریکی وزیر دفاع نے بیان دیا ہے کہ اگر امریکہ اور روس میں جنگ چھڑ گئی تو جانبین میں سے چوبیس کروڑ افراد تباہ ہو جائیں گے۔

برطانوی سائنسدان!

برطانوی سائنسدان سر رابرٹ ڈگلس ڈاٹ نے انکشاف کیا ہے کہ بیولاجیکل وار فیئر (کیمیائی جراثیمی) ایک بم جس کی مقدار صرف آٹھ اونس ہے جس کو معمولی ریاست بلکہ معمولی سرمایہ دار بھی بنا سکتا ہے۔ یہ چھوٹا سا بم تمام کرہ ارضی کی تباہی کے لئے کافی ہے۔

(ڈان ۵ ستمبر ۱۹۵۹ء، مقالہ افتتاحیہ)

ماشاء اللہ یہ ہے امن کے علمبرداروں کی خالص مادی ترقی کے نتائج جس نے پوری انسانیت کے لئے زندہ رہنے کو ناممکن بنا دیا ہے۔

ترقی مستقل وہ ہے جو روحانی ہو اے اکبر
اڑا جو ذرہ عنصر وہ پھر سوئے زمیں آیا (اکبر مرحوم)

صرف مادیت پر زندگی کی بنیاد رکھنا شاخ نازک پر آشیانہ بنانے کے مترادف ہے۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا وہ ناپائیدار ہو گا (اقبال مرحوم)

ناخدا ترسوں کے ہاتھ اسلحہ دینا ایک ڈاکو کو مسلح کرنا ہے۔

بدگہر را علم و فن آموختن دادنِ تیغ است بدست رہزن (حضرت مولانا رومؒ)

کامل ترقی!

(۱) جسم مادی۔ (۲) روحِ انسانی۔ یعنی انسان دو چیزوں کا مرکب ہے۔ اگر دونوں جز پاکیزہ اور پختہ ہوں گے تو وہ کامل ترقی کہلائے گی۔

روح کی اہمیت!

جسم مادی چیز ہے اور مادی دنیا کو چلانے والی چیز روح ہے۔ اگر روح پاکیزہ اور بلند ہوئی تو اس کی تمام عالمی حرکات اور اعمال میں بلندی اور پاکیزگی ہو گی اور مادی ترقی صحیح محل پر صرف ہو گی ورنہ کرۂ ارضی پر فساد پھیلائے گی اور انسانیت کی مشین کو درہم برہم کر دے گی۔ مثلاً موٹر صحیح سالم اور اعلیٰ قسم کی ہو مگر اس کا ڈرائیور اناڑی اور نااہل ہو تو ایسی صورت میں موٹر اس کے ہاتھ میں دے دینا انتہائی خطرناک ہو گا۔ موٹر کا منزل مقصود پر پہنچنا تو الگ رہا خود موٹر کا وجود ہی ختم کر دے گا۔ جس طرح یورپی اور امریکی روحوں نے انسانیت کی مشین کو دو عظیم جنگوں میں اس زور سے ٹکرایا کہ انسانیت کے پُرزے اڑ گئے۔

اسلام اور مادی ترقی!

مادی ترقی کی بنیادی چیزیں دو ہیں۔ (۱) مرکز ترقی۔ (۲) عامل ترقی۔

(۱) مرکز ترقی وہ ہے جس میں انسان کی مادی ترقی کے اسباب مہیا ہوں۔

(۲) عامل ترقی سے مراد وہ قوتیں ہیں جن کے ذریعہ انسان اپنے مرکز ترقی سے مادی فوائد کو حاصل کر سکے۔

آیات مرکز ترقی!

صرف تین آیات پر اختصار کے ساتھ اکتفا کیا جائے گا۔

(۱) هو الذی خلق لکما فی الارض جمیعا۔ (بقرہ رکوع ۳)

ترجمہ: خالق کائنات وہ ذات ہے کہ جس نے زمین کے اندر تمہارے فائدے کے لئے سب سامان مہیا کیا۔ وما فی الارض۔ ایسا ہمہ گیر لفظ استعمال کیا جو مادی ترقی کے تمام وسائل پر حاوی ہے مثلاً زرعی ترقی سے لے کر ایٹمی قوت کے مواد تک سب ذخائر زمین سے متعلق ہیں۔ مادی ترقی کا کون سا محکمہ ہے جو زمینی فوائد کے اکتساب سے تعلق نہ رکھتا ہو۔

(۲) وسخرلکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعا منه ان فی ذالک لاٰیات لقوم یتفکرون۔ (جاثیہ رکوع ۲)

ترجمہ: اور کام میں لگا دیا جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں سب کو اپنی طرف سے اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو دھیان کرتے ہیں۔

اس دوسری آیت میں مادی ترقی کے زمینی اسباب کے ساتھ سماوی اسباب کو بھی جمع کیا گیا اور لفظ (سخر) فرما کر ناامیدی اور سستی کو بھی دور کر دیا گیا کہ ان سب سماوی و زمینی کائنات کو خدا نے تمہاری خدمت اور افادیت کے کام میں لگا رکھا ہے۔ یہ تسخیر خالق کائنات کا وہ عظیم احسان ہے جو اس نے انسان کے ساتھ مختص کیا ہے۔

(۳) هوالذی جعل لکم الارض ذلولا فامشوا فی مناکبها وکلوا من رزقه والیه النشور۔ (ملک رکوع ۲)

ترجمہ: خالق کائنات وہ ذات ہے جس نے کیا تمہارے آگے زمین کو پست اب چلو پھرو اس کے کندھوں پر اور کچھ اس کی دی ہوئی روزی اور اس کی طرف جی اٹھنا ہے۔

اس تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ احسان فرمایا ہے کہ ہم نے تمام زمینی قوتوں کو تمہارے لئے ذلول یعنی (مسخر) کر دیا ہے تم غور و فکر کرو اور اس میں سے اپنی روزی حاصل کرو۔

خلاصہ!

ان تمام آیات سے یہ معلوم ہوا کہ خالق کائنات نے شروع سے زمین کو ان تمام منافع اور فوائد کا خزانہ بنا دیا ہے جو اب تک دریافت ہوئے ہیں یا آئندہ دریافت ہوں گے۔

موجود و دریافت میں فرق!

موجود کرنے اور معلوم کرنے میں واضح فرق ہے۔

انسان کسی چیز کو معلوم تو کر سکتا ہے لیکن موجود کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ موجود کرنا یا پیدا کرنا یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ مثلاً ساری دنیا کے انسان مل کر بھی ریت کا ایک ذرہ پیدا نہیں کر سکتے۔

قوۃ متخیلہ میں انسانی ایجادات کا نقشہ ڈال دینا بھی اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش ہے۔ جیسے زمین میں تخم ڈالدینا یا رحم مادر میں نطفہ ڈال دینا انسان کا کام ہے لیکن نباتات اور اولاد کا نقشہ پیدا کرنا شکم زمین یا شکم مادر میں یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

فیضانِ الٰہی!

اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے رب المسلمین نہیں۔ انسان چاہے کافر ہو یا مسلم وہ فیضانِ الٰہی کے تحت اپنی کوششوں کا ثمرہ پاتا ہے۔ کافر نے محنت کی اس نے دنیا میں اپنی محنت کا ثمرہ پایا۔ مسلمان چونکہ غافل رہے انہوں نے محنت و کوشش نہ کی لہذا وہ محروم رہے۔ آج دنیا پر کافر حکمرانی کر رہا ہے۔

طبعی قوانین اور ان کے نتائج و ثمرات میں مسلم و غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں۔ بس جس نے جدوجہد کی اس نے نفع حاصل کیا۔

کلاً نمد ھؤلاء وھؤلاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظوراً۔

(بنی اسرائیل رکوع ۲)

ترجمہ: ہم مسلم اور غیر مسلم دونوں کو اپنے فیضِ دنیوی کی کامیابی کی جدوجہد میں مدد دیتے ہیں اور ہمارا یہ فیض کسی پر بند نہیں۔

زمینی فوائد کے حاصل کرنے میں جدوجہد لازمی ہے۔

محرک و عامل ترقی! زمین مادی ترقی کا خزانہ ہے لیکن جب تک عامل اور محرک ترقی کو بروئے کار نہ لایا جائے تو ہم زمینی فوائد اور مادی ترقی سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتے۔

عوامل ترقی! ترقی کے عوامل صرف دو ہیں۔ (۱) فکر، (۲) عمل۔

(۱) فکر، یعنی زمینی قوتوں سے استفادہ کرنے کے لیے ہمیں ان تدابیر پر غور کرنا ہوگا جو اس استفادہ میں موثر ہوں۔

(۲) عمل، کہ پھر ان موثر تدابیر کو عمل میں لانا پڑے گا۔ الفکر قبل العمل ۔ کہ فکر عمل سے مقدم ہے۔

(فکر) ان فی ذالک لایات لقوم یتفکرون ۔ ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت ۔ ان آیات میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی جو فکر اور ذہن کو استعمال کرتے ہیں۔

(عمل) فامشوا فی مناکبھا۔ پھر وزمین کی اطراف میں، عمل کی طرف اشارہ ہے۔

وان لیس للانسان الا ماسعٰی۔ وان سعیہ سوف یری۔ (النجم رکوع ۲)

انسان کو صرف وہی ملتا ہے جس کے لیے وہ عمل کرے۔ اور قریب ہے کہ وہ اپنے عمل اور سعی وجدوجہد کے نتائج کو پالے گا۔ تو قرآن مجید نے دین و دنیا کی ترقی کا مدار عمل کو ٹھہرایا۔ عمل کے بغیر انسان کو کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی۔

اسلام میں زراعت کا مقام! زرعی ترقی کے لیے جدوجہد کرنا منشاء خداوندی کی تکمیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں جو فوائد رکھے ہیں ان فوائد کا استخراج اللہ تعالیٰ کی حکمت تخلیق کو ظاہر کرنا ہے اور ساتھ ہی اس کی عطاء کردہ نعمتوں سے استفادہ بھی کرنا ہے۔ اور اگر اسکے برعکس کیا یعنی جدوجہد نہ کی تو انعامات الٰہیہ کی بے قدری کی وجہ سے نعمتوں کے سلب ہو جانے کا امکان ہے۔

(۱) وجعلنا لکم فیھا معایش ومن لستم لہ، برازقین۔(الحجر رکوع ۲)

ترجمہ۔ہم نے تمہارے لیے زمین میں سامان رزق رکھا ہے اوران کے لیے بھی جن کے لیے تم روزی مہیا نہیں کرتے۔(یعنی حیوانات وغیرہ)

اس آیت میں انسانی معیشت کی نشاندہی کی گئی ہے کہ وہ (زراعت) ہے۔

(۲) افرأیتم ماتحرثون اء نتم تزرعونہ ام نحن الزارعون ۔(واقعہ رکوع ۲)

ترجمہ۔کیا تم دیکھتے ہو کہ جس تخم کو تم بوتے ہو تم اس کو اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔

اس آیت میں زراعت کی ترغیب دی گئی ہے کہ صرف بیج بونا تمہارا کام ہے اسے اگانا اور کمال پر پہنچانا ہمارا کام ہے۔

وجوب زراعت! حضرت امام ابوبکر حصاصؒ حنفی نے احکام القرآن ص ۲۵ ج ۲ میں تصریح کی ہے کہ آیت (واستعمرکم فیھا) یعنی خدا تم سے زمین کی آبادی طلب کرتا ہے۔فرماتے ہیں کہ یہ آیت زراعت کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔

حدیث! بخاری شریف کی حدیث ہے کہ جو آدمی کاشت کرے یا درخت لگائے تو جو پرندہ یا چرندہ یا انسان اس سے فائدہ اٹھائے یہ تمام چیزیں اسکے فروحسنات میں صدقات شمار ہونگی۔

حدیث! ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر قیامت قائم ہونے کو ہو اور تمہارے ہاتھ میں ایک پودا ہو جسکو تم قیامت قائم ہونے سے پہلے زمین میں لگا سکتے ہو تو اس کو ضرور لگادو۔(کنز العمال)

قول شیخ صوفیؒ! صوفی بزرگ حضرت شیخ ابوالمکارم سمنانیؒ کا قول ہے کہ جو شخص زمین کی زراعت اور آبادی کو چھوڑ دیتا ہے اگر اس گناہ عظیم کا اسے علم ہو جائے تو وہ زمین کو ہرگز خالی نہ چھوڑتا۔

آگے فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص جدوجہد کر کے زمین میں سے ہزار من غلہ نکال سکتا ہے

اگر اس نے غفلت اور سستی کی بناء پر ایک سو من غلہ کم نکالا تو قیامت میں جوابدہ ہو گا۔ (نفحات الانس للجامی مطبوعہ کلکتہ ۵۰۸)

زراعت حضرات صحابہ کرام!

اسلام نے زراعت کی ترقی کا جو تصور مسلمانوں کو دیا ہے اسی کا نتیجہ تھا کہ حضرات صحابہ کرام جہاد، فتوحات اور حفاظتِ دین میں مصروف ہونے کے باوجود ترقیٔ زراعت کے فریضہ کی بجاآوری میں بھی جدوجہد فرماتے تھے۔

حضرت عمرو بن العاص (فاتح مصر) جلیل القدر صحابی ہیں آپ نے اپنی وہط نامی زمین جو طائف میں تھی اس میں اس قدر انگور لگائے کہ ان کی بیلوں کو چڑھانے کے لئے دس لاکھ ڈنڈے نصب کئے۔(خشبۃ الاترسامات ص ۱۱۵) الامیر شکیب ارسلان۔

حدیث: خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے حضرت سلمان فارسی کے لئے کثیر تعداد میں خرما کے پودے لگائے۔

ان تمام نصوص اور سلف صالحین کے عمل سے زراعت کی انتہائی اہمیت ثابت ہوئی۔

اسلام میں تجارت کا مقام!

زراعت کے بعد دوسری تدبیر جس میں مسلمانوں کے لئے عمل پیرا ہونا اسلامی نقطہ نگاہ سے ضروری ہے۔وہ تجارت ہے۔یعنی انسان اپنی محنت اور سرمایہ کو اس طرح استعمال کرے کہ آمدنی میں اضافہ ہوتا کہ روز افزوں اخراجات اور عیال کی ضرورت جائز طریقہ سے پورا کر سکے۔

قول حضرت امام غزالیؒ: حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو نوے فیصد روزی تجارت کی راہ سے ملتی ہے اور باقی دس فیصد دیگر ذرائع سے حاصل ہوتی ہے۔

یورپ و امریکہ کی ترقی!

یورپ اور امریکہ کی موجودہ ترقی میں بڑی حد تک تجارت کو دخل ہے۔

ہندوستان پر انگریز کا قبضہ!

تجارت ہی کی راہ سے انگریزوں نے برصغیر پاک و ہند کی عظیم الشان سلطنت حاصل کی۔

تہجد کی فرضیت ساقط!

علم ان سیکون منکم مرضیٰ وآخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ وأخرون یقاتلون فی سبیل اللہ فاقرأوما تیسرمنہ۔ (مزمل۔۲)

ترجمہ: خدا نے جانا کہ کتنے ہوں گے تم میں بیمار اور کتنے لوگ پھریں گے اللہ کے فضل یعنی روزی کو ڈھونڈنے کے لئے اور کتنے لوگ جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں پڑھا کرو جو تم کو آسان ہو۔

اسلام میں ابتداءً رات کے کسی حصے میں تہجد کی نماز ادا کرنا فرض تھا لیکن تہجد گذار کو شب بیداری کی وجہ سے دن کو آرام کرنا ضروری ہے بصورت دیگر دن کو اس پر سستی چھائی رہتی ہے جو ترقی کی راہ میں رکاوٹ کا سبب بنتی ہے تو کاروبار معاش اور بالخصوص تجارت میں کوتاہی واقع ہو جانے کے خدشہ کی بناء پر فریضۂ تہجد کو ساقط کر دیا گیا۔

تو مذکورہ بالا آیت سے یہ سبق ملتا ہے کہ تجارتی کاروبار کو بیماری اور جہاد کی طرح اسقاط نماز تہجد کا سبب ٹھہرایا گیا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ تجارت کی ضرورت کو جہاد کا ہم پلہ قرار دیا اور تجارت پر فضل اللہ کا اطلاق کیا گیا تا کہ مسلمانوں میں تجارت کی رغبت پیدا ہو۔

تجارت بعد نماز جمعہ!

جمعہ کے دن کی فضیلت کو دیکھا جائے تو نماز جمعہ کے بعد تلاوت کلام پاک یا ذکر خداوندی میں مصروف ہونا کس قدر اہمیت کا حامل نظر آتا ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ۔

ترجمہ: جب تم نماز جمعہ سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں تلاشِ معاش اور تجارتی کاروبار میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل یعنی روزی کو تلاش کرو۔

دورانِ حج تجارت!

حج جیسی عظیم عبادت کے دوران بھی تجارت کی اجازت دے کر تجارت کی اہمیت کو واضح کیا گیا۔ لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم۔

حدیث در بارہ تجارت!

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو آدمی سچائی اور امانت کا لحاظ رکھتے ہوئے تجارت کرے تو آخرت میں اس کا مقام حضرات انبیاء علیہم السلام اور صدیقین کے ساتھ ہوگا۔ یہ رفاقت کوئی معمولی چیز نہیں۔

روحانی ترقی!

ہر فعل و عمل کا اصلی محرک اور سرچشمہ روح ہے۔ اگر روح ترقی یافتہ ہو تو اعمال میں قوت پیدا ہو گی ورنہ اس میں ضعف رہے گا۔ اسلام نے روحانی ترقی کے لئے تین سلسلے قائم کئے ہیں۔ (۱) عقائد۔ (۲) اخلاق (۳) عبادات۔

(۱) عقائد: عقائد کی بدولت روح کا ربط اللہ رب العالمین سے مضبوط ہو جاتا ہے۔ جو تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے۔ اسی وجہ سے اس کے ارادہ و عزم میں پوری پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ سوا اللہ تعالیٰ کے اور کسی سے نہیں ڈرتا۔

(۲) اخلاق: اخلاق بدولت روح میں استقامت اور اعمال میں استحکام پیدا ہو جاتا ہے تو بایں سبب بڑے سے بڑا دشمن بھی اپنی انتہائی کوششوں کے باوجود ایک صاحب کردار و صاحب اخلاق قوم کی صفوں میں انتشار پیدا نہیں کر سکتا۔

(۳) عبادات: عبادات کا تسلسل عقائد اور اخلاقی قوت کی بقاء اور استحکام کا سامان ہے۔ جب عبادات کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو قوم کی اعتقادی اور اخلاقی قوت میں کمزوری پیدا نہیں ہونے پاتی۔

ان مذکورہ بالا تینوں امور سے فرد کی تعمیر ہوتی ہے اور ملت کی تنظیم مضبوط ہو جاتی ہے۔

اسلام میں آلاتِ حرب کی اہمیت!

دنیا چونکہ عالم اسباب ہے اس لئے فاعلی قوت کی تکمیل کے لئے آلات قوت کی ضرورت پڑتی ہے۔

واعدوالھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدواللہ

وعدوکم۔ (الانفال ۷)

ترجمہ: جس حد تک تمہارے بس میں ہو پوری قوت اور پلے ہوئے گھوڑے فراہم کرو جس سے تم اپنے اور اللہ تعالیٰ کے تمام دشمنوں کو مرعوب کر سکو۔

اس عالمگیر لفظ (قوت) میں آلات حرب۔ اسباب زراعت۔ سامان صنعت۔ ذرائع مواصلات اور دیگر وہ سب اشیاء جو مجاہد کی ضرورت کی ہوں ان سب کی فراہمی کی فرضیت آگئی۔

چودہ سو برس پہلے کا یہ حکم قرآن مجید میں موجود ہے اس پر یورپ اور امریکہ نے عمل کر کے انتہائی ترقی کی۔

ترقی سے ہماری محرومی اور ہمارا یہ زوال ترکِ اسلام کا نتیجہ ہے۔ ورنہ اسلام اور ترقی تو لازم و ملزوم ہیں۔ جیسے آگ اور گرمی کا وجود۔

ارکانِ اسلام اور آلاتِ حرب!

نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ (آلاتِ حرب)

نماز: آدمی چاہے سو یا اس سے زائد نوافل پڑھنے کی طاقت رکھتا ہو مگر خدا کی طرف سے اس پر صرف ۱۷ رکعت پانچ وقت میں فرض ہیں۔

روزہ: روزہ سال میں ایک ماہ مرض وغیرہ نہ ہو۔

حج: زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ سفر خرچ اور صحت و امن ہو۔

زکوٰۃ: سال میں ایک مرتبہ وہ بھی صاحبِ نصاب پر فرض ہے۔

آلات حرب: مگر آلاتِ حرب کے لئے فرمایا ما استطعتم کہ جتنی طاقت ہو ساری آلاتِ حرب کی تیاری پر صَرف کر دو۔ اب بھی اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اسلام ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے تو یہ بہت بڑی نادانی کی دلیل ہے۔

یورپ کے پاس دو چیزیں ہیں: (۱) اسلامی۔ (۲) شیطانی۔

(۱) اسلامی: یعنی اسباب ترقی و تیاری آلاتِ حرب

(۲) شیطانی: یعنی شیطانی تہذیب۔ عریانی و فحاشی وغیرہ۔

پہلی صنعتکاری اور دوسری گناہگاری۔ ہم نے اپنی حماقت کا ثبوت دیتے ہوئے ان کی خوبی

چھوڑ کر برائی کو اختیار کیا۔

صنعتکاری جو درحقیقت ہماری چیز ہے اسمیں تو انکی پیروی نہیں مگر انکی شیطانی تہذیب کو سر آنکھوں پر لیا اور انکے قدم بقدم چلنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔

(۷۹) قادیان کے خودساختہ مسیح موعود کے دجل و تلبیس کا محاسبہ!

آیات حضرت مسیحؑ کثیر التعداد ہیں اور احادیث پاک تو حد تواتر کو پہنچتی ہیں جو ۲۹ حضرات صحابہ کرامؓ سے منقول ہیں۔ لیکن ہم نے بغرض اختصار اپنے مضمون میں صرف پانچ آیات اور چار احادیث پر اکتفاء کیا۔

ان چار احادیث پاک سے حضرت مسیح موعود کی معرفت کی واضح علامات ہیں وہ نمبروار حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت مسیح موعود کا باپ نہ ہوگا وہ اپنی والدہ حضرت مریمؑ سے منسوب ہوگا۔	لیکن مرزا غلام احمد کا باپ مرزا غلام مرتضیٰ اور ماں ممتاز بی بی تھی اور وہ مرزا باپ سے منسوب تھا نہ کہ ماں سے۔
۲۔ حضرت مسیح موعود حاکم ہوگا۔	لیکن مرزا غلام تھا۔ اور انگریزی حکومت کا غلام تھا۔
۳۔ حضرت مسیح موعود عادل ہوگا۔ (عدل اللہ کے قانون چلانے کا نام ہے)	لیکن مرزا کے وقت شرعی قانون بند تھا۔ انگریز کا قانون خود اس پر اور اسکے مریدین پر بھی نافذ تھا۔
۴۔ حضرت مسیح موعود صلیبی قوت کو توڑ دیگا۔	لیکن مرزا کے وقت صلیبی قوت کو اسقدر غلبہ ہوا کہ اس سے پہلے کبھی نہ تھا۔
۵۔ حضرت مسیح موعودؑ کے وقت میں خنزیر خوری کا خاتمہ ہوگا۔	لیکن مرزا کے وقت میں خنزیر خوری میں اضافہ ہوا۔

۶۔ حضرت مسیح موعودؑ لوگوں پر اسقدر مال برسائے گا کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا۔	لیکن مرزا نے مال برسانا تو درکنار بلکہ لینا شروع کر دیا۔ ایک تو عام چندہ لیتا تھا اور مزید برآں چندہ بہشتی مقبرہ کو شرط ایمان قرار دیا۔
۷۔ حضرت مسیح موعود کے دور میں عبادت کا ذوق اتنا بڑھے گا کہ ایک سجدہ کی قیمت لوگوں کی نگاہوں میں ساری دنیا سے زائد ہوگی۔	لیکن مرزا کے وقت میں عیسائیوں نے مسلمانوں کو مرتد بنانا شروع کیا۔ اور لاکھوں کو مرتد کیا۔
۸۔ حضرت مسیح موعودؑ آسمان سے اتریں گے۔	لیکن مرزا زمین ہی میں پیدا ہوئے اور زمین پر ہی رہے۔
۹۔ حضرت مسیح موعودؑ فرشتوں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہونگے۔	لیکن مرزا کو کسی فرشتے کا دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوا۔
۱۰۔ حضرت مسیح موعودؑ دمشق کے سفید منارہ پر نزول فرمائیں گے۔	لیکن مرزا کو عرب کی سرزمین کی زیارت بھی کبھی نصیب نہیں ہوئی۔
۱۱۔ حضرت مسیح موعودؑ باب لدّ پر یہودی دجال کو قتل کریں گے۔	لیکن مرزا کو نہ لدّ کا دیکھنا نصیب ہوا اور نہ دجال کا۔ ہاں اسکی روحانی اولاد نے دجال کی قوم یہود سے (تل ابیب) میں تعلق پیدا کیا۔ جبکہ تمام عالم اسلام کا ان سے تعلق منقطع ہو چکا ہے۔ شاید کہ ظہور دجال کے وقت امداد کے لیے حاضر رہیں
۱۲۔ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانے میں اسلام کے سوا کوئی دین باقی نہ رہے گا۔	لیکن مرزا کے زمانے میں سب باطل باقی رہے۔ بلکہ دیگر نئے باطل ادیان پیدا ہوئے۔ جن میں خود ایک باطل دین مرزائیت ہے۔
۱۳۔ حضرت مسیح موعود حج کریں گے۔	لیکن مرزا کو موت تک حج نصیب نہ ہوا۔

۱۴۔ حضرت مسیح موعودؑ شادی کریں گے اور اولاد ہوگی۔ یعنی نزول سے قبل اس نے نہ شادی کی ہوگی اور نہ اولاد ہوگی۔	لیکن مرزا کی شادی اور اولاد دعویٰ سے قبل موجود تھی۔
۱۵۔ حضرت مسیح موعود جہاد کریں گے اور جزیہ موقوف کریں گے۔	لیکن مرزا نے جہاد کرنے کی بجائے خود جہاد کو حرام ٹھہرا کر انگریز کے استعمار کے لیے راہ صاف کیا۔ جزیہ کا تو سوال ہی نہ رہا
۱۶۔ حضرت مسیح موعودؑ کے وقت باشندگان زمین کا ایک ہی دین اسلام ہوگا۔ اسلیے مختلف مذاہب کی لڑائیاں ختم ہونگی۔	لیکن مرزا کے زمانے میں مختلف مذاہب نے مسلمانوں پر۔ ہندوستان۔ ترکی۔ فلسطین۔ شمالی افریقہ میں جو مظالم کیے ان کی مثال نہیں ملتی۔ یہ سب مرزا کی برکت تھی۔
۱۷۔ حضرت مسیح موعودؑ کے وقت میں امن ہوگا اور جنگ ختم ہوگی۔	لیکن مرزا کے وقت میں اور اس کے بعد امن کا نام و نشان مٹ گیا اور جنگ کے لیے وہ مہلک ہتھیار تیار کیے گئے ہیں کہ مرزا اور اس کے بعد کی ایک جنگ کی تباہی سابق جنگوں کی تباہی سے زیادہ ہے۔

حدیث شریف کی علامات کے لحاظ سے مرزا کی شخصیت ضد مسیح موعود ہے۔

۸۰۔ حضرت عیسیٰ ذاتی حیثیت کے اعتبار سے!

۱۔ حضرت عیسیٰ کے نانا (عمران) جو زاہد اور امام تھے۔ آپ حضرت سلیمانؑ کی نسل سے تھے۔

۲۔ عمران کی بیوی حنہ بنت فاقوز۔ حضرت داؤدؑ کی نسل سے تھیں۔

۳۔ عمران کی بیوی حنہ حضرت زکریاؑ کی بیوی الیشاع کی بہن تھیں۔

۴۔ حضرت یحییٰؑ حضرت مریم کے خالہ زاد بھائی تھے۔

۵۔ حدیث معراج میں حضرت عیسیٰ اور حضرت ابناء خالہ یعنی خالہ زاد بھائی کہا گیا ہے۔

۶۔ عمران و حنہ کی حضرت مریم کے سوا اور کوئی اولاد نہ تھی۔

۷۔ مریم کے معنی سریانی زبان میں خادم کے ہیں۔

۸۔ مسیح کے معنی مبارک کے ہیں یا بمعنی سیاحت کرنے والے جسکا گھر نہ ہو۔

۹۔ نفخہ جبرائیلی جو گریبان مریم میں پھونکا گیا۔ وہ کلمہ کن تھا۔ اس لیے کلمہ

کہلائے۔

(۱۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت مادری رشتہ کے لحاظ سے انسان ہے اور نفخۂ جبرائیلی کے لحاظ سے ملکی ہے۔

(۱۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں مادری اور پدری دونوں رشتوں کا جمع ہونا ضروری ہے۔

(۱۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مادری رشتہ کے لحاظ سے زمین پر رہنا۔ زمینی خواہشات کھانا پینا۔ صنفی میلان وغیرہ کا موجود ہونا ضروری تھا۔

(۱۳) جبرائیلی اور ملکی رشتہ کے لحاظ سے ملکی خواص کھانے پینے وغیرہ کی خواہشات کا منقطع ہونا لازمی تھا۔

لہذا حضرت مسیح کا طول حیات سماوی اور ضروریاتِ انسانی سے منقطع ہونا آپ کی شخصیت کے ملکی پہلو کا عقلی تقاضا ہے اور جب دوبارہ زمین پر نزول فرماویں گے تو زمینی خواص سے موصوف ہوں گے۔

حضرت شیخ اکبر فتوحات باب میں لکھتے ہیں نصفہ بشر و نصفہ ملک۔

ازالہ شبہ!

سطحی نگاہ والے شبہ کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام آسمان پر ہیں تو کھانا پینا کہاں سے ہے؟ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ آسمانی زندگی ان کے ملکی طرز کی زندگی ہے جس میں وہ کھانے پینے اور اس کے لوازمات سے بے نیاز ہیں۔ جس کے کچھ نظائر زمینی زندگی میں بھی موجود ہیں۔

(۱) طبقات شافعیہ ج ۵۔ ص ۷۰۳ میں حضرت شیخ عزیز الدینؒ فاروقی سے روایت ہے کہ انہوں نے عراق میں ایک آدمی دیکھا جو نہ کھاتا تھا نہ پیتا تھا۔

(۲) حضرت امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ اندلس میں ایک عورت تھی جو بیس سال سے نہ کھاتی تھی اور نہ پیتی تھی جس کا واقعہ مشہور ہے۔

(۳) حاکم تاریخ نیشا پور میں عیسیٰ بن محمد الطمانی سے نقل کرتے ہیں کہ رحمت نام ایک عورت کا شوہر شہید ہو چکا تھا۔ اس نے خواب میں شوہر کو جنت کا طعام کھاتے دیکھا اس

نے اس میں سے ایک ٹکڑا بیوی کو بھی دیا جب وہ خواب سے بیدار ہوئی تو اسے عمر بھر کھانے کی ضرورت نہ ہوئی۔

بحوالہ مذکورہ طبقات۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ زمین کو آسمان سے ایسی نسبت ہے جیسے رائی کے دانہ کو پہاڑ سے۔ تو جب اس چھوٹی زمین پر اللہ تعالیٰ نے اربوں مخلوقات کے کھانے کا انتظام فرما دیا ہے تو کیا آسمان پر ایک فرد کی ضروریات کا انتظام کرنا اس کے لئے مشکل ہے؟ قطعاً نہیں۔

اسمی مناسبت!

حضرت مسیح اور دجال میں اسمی مناسبت ہے۔ آپ مسیح ہدایت ہیں اور مکان نہ رکھنے کی وجہ سے سیاحت کرتے تھے۔ اس لئے مسیح کہلائے۔

دجال مسیح ضلالت ہے جو دائیں آنکھ کے ممسوح ہونے کی وجہ سے مسیح ہے یعنی دجال ممسوح العین۔

(۸۱) اس وقت کا مشرقی و مغربی بلاک یاجوج ماجوج کی صورت میں دنیا کی تخریب میں مصروف ہے۔

مشرقی بلاک روس اور چین اور مغربی بلاک امریکہ اور برطانیہ ہیں۔

عبرانی زبان میں یاجوج ماجوج کو غوغ ماغوغ کہتے ہیں۔

انگریزی زبان میں یاجوج ماجوج کو گاگ میگاگ کہتے ہیں۔ (عقیدۃ الاسلام ص ۲۹۸)

روس اور چین یاجوج ہیں اور برطانیہ و امریکہ ماجوج ہیں۔

بعض یاجوج ماجوج کو کاس میکاس سے تعبیر کرتے ہیں۔

بعض یاجوج ماجوج کو چین ماچین سے تعبیر کرتے ہیں۔

ناسخ التواریخ نے ہبوط حضرت آدم علیہ السلام سے تاریخ تعمیر سد ذوالقرنین تک کی تاریخ ۳۴۶۰ ہبوطی لکھا ہے اور کبھی یاجوج ماجوج کا اطلاق مطلق کافر پر کیا جاتا ہے۔

حدیث حشر!

حدیث حشر میں ہے من یاجوج وما جوج الف ومنکم رجل۔ یعنی دوزخ میں

یاجوج ماجوج سے ہزار اور تم میں سے ایک ہوگا۔

(۸۲) بد قسمتی سے امام ترمذیؒ نے یہ حدیث نقل کر دی۔ ہم نے تحقیق کی ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے یہ بات ایک یہودی سے سنی تھی نہ کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ بھلا کبھی زبر الحدید والی دیوار بھی چاٹنے سے ریزہ ریزہ ہو سکتی ہے۔ کہ یاجوج ماجوج رات کو چاٹتے رہتے ہیں اور دن کو کھتے ہیں ان شاء اللہ ہم نے اپنے درس قرآن میں اس پر وضاحت سے روشنی ڈالی ہے۔ (دروس القرآن حکیم ج ۲)

(۸۳) خدا محتاج نہیں ہوا کرتا!

عیسائیت کے اس دعوے کو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام خدا ہیں قرآن نے دونوں لفظوں میں ایسا رد کیا کہ ان کے پاس اس کا جواب نہیں۔

قرآن کہتا ہے کانا یأکلان الطعام۔

کہ حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں کھانا کھاتے تھے۔ تو جو کھانا کھاتا ہو وہ دنیا کی ہر چیز کا محتاج ہے اور خدا محتاج نہیں ہوا کرتا۔

(۸۴) فضیلت علم کا نہایت اہتمام سے اعلان!

قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔

ترجمہ: اے پیغمبر اعلان کردو کہ کیا عالم اور غیر عالم برابر ہیں؟ (قطعاً نہیں)

حکومت بعض کاموں کا پہلے سے اعلان نہیں کرتی۔ مگر بعض کاموں کا ان کی اہمیت کی وجہ سے قبل از وقت اعلان کر دیا جاتا ہے۔ تو امور دو قسم کے ہوتے ہیں۔ (۱) امور اعلانیہ (۲) امور غیر اعلانیہ۔

(۱) امور اعلانیہ بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ قرآن کی اپنی ایک اصطلاح ہے کہ وہ اہم مباحث کے آغاز میں لفظ (قل) لاتا ہے۔ تو یہاں بھی قل کے لفظ سے آغاز کر کے پیغمبر علیہ السلام کی زبان مبارک سے علم کی فضیلت کا نہایت اہتمام سے اعلان کیا گیا۔

نکتہ نمبر ۱: پہلا نکتہ یہ کہ علم کی فضیلت اہم عند اللہ ہے۔

نکتہ نمبر ۲: دوسرا نکتہ یہ کہ قرآن کا عمومی انداز ہے کہ بعض مقامات پر نفس مضمون امر یا نہی ہوتا ہے اس کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ نہیں ہوتی۔

اقسام احکام!

شرعی احکام دو قسم کے ہوتے ہیں۔ (۱) توبیخی۔ (۲) غیر توبیخی

توبیخی احکام میں حکم کی مخالفت کرنے والے کی سرزنش ہوتی ہے تاکہ وہ عمل کے لئے آمادہ ہو۔ تو اس آیت میں قل کے بعد حل استفہام انکاری توبیخی ہے۔ یعنی ایسے لوگ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے اور جو برابر سمجھیں گے وہ قہر خداوندی کے حقدار ہیں کہ علم کی فضیلت کے بارے نہایت موکد اور محکم مضمون ہے۔

نکتہ نمبر ۳: تیسرا نکتہ یہ ہے کہ علماء بیان کا کہنا ہے کہ الکنایۃ ابلغ من الصریح۔ یہاں علم اصول کا کنایہ مراد ہے علم بیان کا نہیں۔ تو کنایہ میں مضمون کا بیان کرنا زیادہ وقعت رکھتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ آیا عالم اور غیر عالم برابر ہو سکتے ہیں؟ تو استفہام کی صورت میں نفی کر دی۔

قرآن نے کنایہ اختیار کیا!

قرآن کریم نے اس مسئلہ کے بدیہی ہونے کے لئے کنایہ کا انداز اختیار فرمایا کہ عالم کو غیر عالم پر فضیلت صرف قرآن کے نزدیک نہیں بلکہ عقل کا بھی تقاضا ہے تو جس میں عقل ہو وہ ایسا ہی سمجھے گا۔ اسلئے وہ خود تصریح نہیں کرتا کہ یہ چیز تو مخاطب کو خود متحقق ہے۔ تو گویا یہ مضمون تعبیر عام کی شکل میں ایسا بیان ہوا جیسے کہا جائے۔ الواحد نصف الاثنین۔

نکتہ نمبر ۴: چوتھا نکتہ یہ ہے کہ یعلمون اور لا یعلمون کا مفعول ذکر نہیں۔ حالانکہ فعل متعدی ہے۔ تو مفعول کے حذف ہونے میں بھی علماء کا بیان ہے کہ اس ہدایت کا اظہار مقصود ہے کہ وہ چیز تو سب کو معلوم و مسلم ہے (کہ جو دین کو پہچانتے یا نہ پہچانتے ہوں) تو آیت میں جمیع اولاد آدم پر علماء کو فوقیت ہے۔ گویا اس کے لئے مفعول خود بخود متعین ہے۔

علم حقیقی کیا ہے؟!

القرآن یفسر بعضہ بعضاً کے تحت سورۃ روم میں علم کی تفسیر خود قرآن نے تفسیر فرمادی۔

یورپ کی حقیقی علم سے ناآشنائی!

روم قدیم زمانے میں سارے یورپ کا نام تھا۔ اب صرف اٹلی کا نام ہے

یورپ وغیرہ گو ترقی میں آسمان پر اڑ رہے ہیں۔ آلات حرب وغیرہ کی تیاری میں آخری سرحد کو پہنچ چکے ہیں۔ مگر قرآن انہیں لا یعلمون کہتا ہے۔ ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ آگے اس کی تشریح اور تصریح کردی۔ یعلمون ظاھراً من الحیوٰۃ الدنیا وھم عن الآخرۃ غافلون۔ کہ دنیا کا ظاہر تو جانتے ہیں مگر زندگی کے مقصد اور روح سے بے خبر ہیں۔ تو دنیا کے علم کو علم نہیں کہا جاتا۔

علم کا مفہوم!

یورپ وامریکہ کے ظاہری علم کے باوجود خدا علیم وخبیر نے لا یعلمون کہہ کر بتادیا کہ اللہ کی نظر میں علم کا مفہوم متعین ہے کہ دین ہی اللہ کی نظر میں علم ہے اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ظاہری علم کالعدم ہے۔

دنیا وآخرت میں قیمتی کون!

فللہ الآخرۃ والاولیٰ وہی دونوں جہانوں کا مالک ہے۔ اب ان دونوں میں قیمتی کون سا ہے؟

دنیا کے بارے میں قرآن کہتا ہے۔ متاع الدنیا قلیل۔ کہ متاعِ دنیا قلیل ہے یعنی بہت تھوڑی ہے۔

آخرت: یعنی جنت یہ علم دین کا بدلہ ہے۔ تو اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ اذا رأیت ثم رأیت نعیماً ملکاً کبیرا۔ کہ جب تم آخرت کی زندگی دیکھو گے تو ایک ملک کبیر اور نعمتیں دیکھ لوگے۔

مہمان ومیزبان!

ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ماتدعون نزلا من غفور رحیم۔

کہ جنت میں جی چاہا اور زبان بولا ملے گا۔ وہاں صرف پاک خواہشات ہوں گی۔

(۱) جنت میں سب کے سب اللہ کے مہمان ہوں گے۔ میزبان کو سب انتظامات کرنے پڑتے ہیں مہمان ٹانگیں پھیلا کر آرام سے بیٹھا رہتا ہے۔

(۲) کہ جنت میں جو نعمت ملے گی وہ عظمت اور بلندی کی آخری سرحد تک ہوگی۔

خدا کے ہاں معیار فضیلت!

بعض نسب، بعض مال ودولت اور بعض حکومت واقتدار کو فضیلت سمجھتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فضیلت کا معیار صرف علم دین کو بنایا ہے۔ فرمایا جسے علم دین حاصل ہے اس کے برابر کوئی نہیں ہوسکتا۔ خواہ وہ روئے زمین کا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔

اب جو اس کے بعد علماء کی فضیلت کا انکار کرتا ہے اگرچہ وہ دو پاؤں رکھتا ہے مگر وہ درحقیقت چارپایوں کی طرح مجنون ہے۔ شکل سے تو وہ انسان ہے مگر درحقیقت وہ حیوان ہے۔

تذکر اولوالالباب کے تین نکات!

انما یتذکرا ولوالالباب۔ اس میں تین نکتے معاً بیان ہیں۔

(۱) انما: حصر کا کلمہ ہے کہ اس مضمون کو خاوند ان عقل ہی سمجھتے ہیں۔ لفظ انما: کہا کہ جو عالم کو تمام دنیا والوں پر برتر سمجھے وہی اولوالالباب ہے۔ ورنہ وہ عقل سے عاری ہے۔ اور ان کے حصر کا یہی اقتضا ہے کہ تذکر ہو تو عقل ہے نہ ہو تو عقل نہیں۔

(۲) بظاہر تو یہی مناسب تھا کہ انما یعلمہ کہا جاتا۔ مگر علم کا لفظ نہیں کہا بلکہ قرآن نے تذکر سے تعبیر کیا اور یہ کئی آیتوں میں ہے۔ الست بربکم؟ تو دین کا سارا لب لباب میثاقِ الست میں جمع ہے۔ میثاق ازل کل صفات ربوبیت اور کل احکام تکوینی اور تشریعی کو جامع ہے۔ یہ اقرار ربوبیت اقرار دین ہے۔ تو دین کا اقرار عالم ارواح میں لیا گیا۔

حدیث: حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کل مولود یولد علی الفطرۃ۔ یعنی دین کے اصول ہر انسان کی رگ رگ میں فطرۃً پیوست ہیں۔

قرآن: فطرۃ اللہ التی فطرالناس علیھا۔ قرآن بھی اسی مضمون کو ذکر کر رہا ہے۔

معنیٰ تذکر:

تذکر کا معنی یادداشت یعنی بھولی ہوئی بات یاد کرنا۔ فذکر ان نفعت الذکری۔

قرآن کو ذی الذکر کہا گیا ہے۔ والقرآن ذی الذکر۔

تو معلوم ہوا کہ علماء کا بیان کرنا پڑھانا نہیں بلکہ پرانی بات کا یاد دلانا ہے تو اس لئے تذکر کہا علم نہیں کہا۔

قرآن: انما یتذکر اولوا الالباب۔ کہ بات نئی نہیں پرانی ہے اسے یاد رکھنا عقلمند کا کام ہے۔

عالم کی فضیلت!

قرآن قدیم فطرت پر استقامت کی تلقین کرتا ہے تو اس رو سے یہ بات بھی نئی نہیں کہ عالم کا درجہ افضل ہے تو عالم کی غیر عالم پر افضلیت ایک فطری تقاضا ہے۔ جسے قرآن نے صرف یاد دلایا ہے۔

(۳) تیسرا نکتہ یہ کہ عقل خالص: اولو الالباب کہا۔ اولوالعقول۔ اولوالنفوس اور اولو الافکار نہیں کہا۔

لُب قرآن کی اصطلاح میں!

لُب عربی زبان میں مغز کو کہتے ہیں۔ مگر قرآن کی اصطلاح میں العقل خالص عن مداخلۃ الوھم والشھوۃ کہ وہم اور شہوت اندازی کے دخل سے جو عقل پاک ہو اسے عقل کہا جائے گا۔

تو یورپ والے شاید اولوالعقول تو ہوں (میرے نزدیک تو یہ بھی محل نظر ہے) مگر اولوالالباب ہرگز نہیں ہیں کیونکہ ان کی ساری عقل خواہش نفس کے ماتحت ہے اور الباب

[illegible] عقل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

[illegible] تعالیٰ کے ہاں عزت بڑی نعمت ہے!

[illegible] ایک عالم نے مجھے کہا کہ لوگ ہمیں حقیر سمجھتے ہیں۔ میں نے کہا خالق کے ہاں کیا [illegible]؟ کہنے لگے خالق کے ہاں تو بڑی عزت ہے اور یہ آیت پڑھی۔ یرفع اللہ الذین آمنوا والذین اوتوا العلم درجات۔ تو میں نے کہا کہ خالق میں کتنا فرق ہے؟ تو ہمیں اللہ کے ہاں عزت کافی چیز ہے۔ یہ دنیادار عزت کریں نہ کریں۔

[illegible] وطلباء دین سے تمسخر!

[illegible] پرستوں نے علماء اور طلباء دین سے ہمیشہ تضحیک کی ہے۔

[illegible] حضرات صحابہ کرام کو بیوقوفی کا طعنہ دیا کرتے تھے۔ انؤمن کما امن السفھاء۔ [illegible] کے ہاں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سب سے زیادہ عقلمند تھے۔ تو یہ پرانا طعنہ [illegible] اور ایسے حضرات کو دیا جن کو اللہ نے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا تمغہ دیا جو دنیا ومافیہا سے [illegible] تمغہ ہے۔

[illegible] الحمد للہ اس جماعت علماء کے ساتھ وہ معاملہ ہو رہا ہے جو صحابۂ رسول ﷺ سے ہوا۔

[illegible] نبوت!

[illegible] العلماء ورثۃ الانبیاء۔ حضرت علامہ ابن عبداللہؒ نے اپنی (کتاب العلم) میں آیت ثم اور [illegible] ھا۔ کے ذیل میں وراثت نبوت پر کلام کیا ہے۔

[illegible] ہیں کہ مثلاً ایک شخص بدون الایام المنھیہ مسلسل روزے رکھے اور اوقات [illegible] کے علاوہ ہر وقت نماز پڑھے۔ کفاف اور قوت لایموت کے علاوہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی [illegible] میں لگا دے تو پھر بھی اسے وارث الانبیاء نہیں کہہ سکتے۔

[illegible] کا درجہ اسسٹنٹ کا ہے اور پیغمبر کا درجہ صدر کا ہے۔ تو وارث نبی کا نائب ہوا [illegible] ایک شخص کرۂ ارضی کا مالک ہو اور بادشاہ ہو مگر عالم نہ ہو تو وہ وارث نبی نہیں۔ خدا کے بعد [illegible] کا درجہ ہے اور پیغمبر کے بعد باجماع قرون ثلثہ و کتاب وسنت علماء دین کا عمدہ ہے۔

تعلیم دنیوی فرض کفایہ ہے!

آج علماء کرام کو یہ گلا دیا جاتا ہے کہ تم دنیوی تعلیم کے حصول کو اچھا نہیں سمجھتے۔ یہ باتیں دنیادار طبقہ کی اپنی من گھڑت ہیں۔ دین اور دنیا ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ دونوں ضروری ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ دنیوی تعلیم میں انگریز کی تہذیب کا رنگ مسلمان پر غالب نہیں ہونا چاہیے۔ رنگ دین کا غالب ہو۔

حضرت شاہ عبدالعزیز نے فتاوی عزیزیہ اور مولانا عبدالحئی نے مجموعۃ الفتاوی میں لکھا ہے کہ انگریزی زبان اور ہر زبان میں علم کی تحصیل جائز ہے اور ہر قسم کا کسب صنعت و زراعت وغیرہ سیکھنا تو بتصریح حضرت امام غزالیؒ کما فی احیاء العلوم فرض کفایہ ہے۔

(۸۵) ملت اسلامیہ کے انحطاط کے اسباب!

ملت اسلامیہ کے انحطاط کے بنیادی اسباب تین ہیں (۱) حب المال۔ (۲) کراہیت الموت۔ (۳) ربط مع اللہ کی کمزوری۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمانوں میں یہ بنیادی اسباب انفرادی اور اجتماعی شکل میں موجود تھے تو باوجود بے سروسامانی اور تعداد کی کمی کے دنیا پر حکمرانی کرگئے۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین صرف رضائے حق کو مدنظر رکھتے تھے۔ حب المال۔ حب الوطن۔ حب الاولاد وغیرہ ان کی نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔

جب انقلاب آیا تو مسلمانوں میں حب الاقتدار کا مرض پیدا ہوا اور رفتہ رفتہ مسلمانوں کا تعلق باللہ ختم ہوا۔ تو اس وقت سے مسلمانوں میں انحطاط کا دور شروع ہوا۔

کراہت الموت نے بزدلی پیدا کردی۔ جو موت سے ڈرتا ہے وہ جان فروشی نہیں کرسکتا۔ تو جب انگریزوں نے حملہ کیا ہندوستان تو اس انگریزوں کی تعداد کم اور مسلمانوں کی زیادہ تھی لیکن انگریز نے فتح حاصل کی۔

حدیث پاک!

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک ہے۔ انی لا اخاف علیکم الفقر

واکن اخاف ان تبسط علیکم الدنیا۔

مسلمانوں پر جب دنیا کی دولت اور عیش و عشرت کا پردہ پڑگیا تو وہ صرف ملک گیری کشور کشائی زندگی کا حاصل سمجھنے لگے اور دولت ایمان کی بجائے سلطنت پر قانع ہو گئے۔ بادشاہوں نے ملک گیری جاگیر و خراج کو اپنی زندگی کا ماحصل قرار دیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ امت رہبری اور راہنمائی سے غافل ہو کر رہ گئی۔ مسلمان باطل کے کورے رہ گئے۔

اگر مسلمان فی الواقع اسلام کے سچے نمائندے ہوتے تو آج یہ مسائل و مصائب پیدا ہی نہ ہوتے۔

یہی ہے کہ یورپ کی ایجادیں تمام مسلمانوں کی عقلیں مرعوب نہیں کرسکتیں۔ اگر اب بھی خلوص قلب سے اسلام کی نمائندگی کے لئے کھڑے ہوجائیں تو

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الا علون ان کنتم مؤمنین۔

(۸۶) تفسیر: لغت عرب میں کشف اور کھولنے کا نام تفسیر ہے۔

علم تفسیر: علم تفسیر وہ علم ہے جس سے قرآن حکیم کا طرز تلفظ اور معانی مفردات قرآن اور مرکبات و جمل اس طرح کھل جائیں کہ مراد الٰہی واضح ہوجائے۔

آغاز تفسیر: تفسیر کا آغاز خود دور نبوت میں ہوا اور بقول حضرت امام ابن تیمیہؒ کہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرام کو مطالب قرآن کا درس فرمایا کرتے تھے۔

مفسر اعظم!

قرآن نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو بطور مفسر قرآن کے ان الفاظ میں پیش کیا۔ لتبین للناس ما نزل الیهم۔ یتلو علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة۔

بہرحال قرآن کا صحیح مطلب صاحب قرآن کی ذات اقدس سے وابستہ ہے یا بعد ازاں آپ کے شاگردان بلاواسطہ یعنی حضرات صحابہ کرام سے متعلق ہے اور اسی طرح درجہ بدرجہ تابعین اور

تبع تابعین حضرات کی تفاسیر سے صحیح مراد قرآنی تک رسائی ہو سکتی ہے اور انہی حضرات
فہم مراد قرآنی میں معیار حق ہے کیونکہ مابعد زمانے میں ہر مفسر اپنے عہد کی ذہنی آب
کی پیداوار ہے۔

مفسرین کے سلسلے میں جب ہم اوپر کی طرف دیکھتے ہیں تو قرآنی مطالب کی حقیقت
قدرتی شکل میں زیادہ واضح نظر آتی ہے اور جب نیچے اترتے ہیں تو حالت برعکس نظر آتی ہے

فہم صحابہ کرامؓ!

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن کی کوئی آیت یا سورۃ سنتے تھے تو سنتے
ساتھ ہی اس کی ٹھیک حقیقت کو پا لیتے تھے اور انہیں کوئی الجھن پیدا نہیں ہوتی تھی
جب روم اور ایران کے تمدن کی ہوائیں چلنے لگیں اور علوم و فنون اصطلاحیہ کا دور شروع
تو اصطلاحیت کا شوق بڑھنے لگا اور قرآن حکیم کے فطری اسلوب سے بعد اور ناآشنائی بڑھ
چلی گئی۔

نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کی ہر بات کو علوم و فنون کے وضعی سانچوں میں ڈھالنا شروع ہوا
قرآن چونکہ ان سانچوں میں ڈھلنا قبول نہ کرتا تھا اس لئے طرح طرح کے الجھاؤ پیدا ہونے
اور پھر ان کو سلجھانے کی جس قدر کوششیں بڑھتی گئیں اسی قدر الجھاؤں میں اور اضافہ ہوتا
گیا۔

تفسیر کبیر!

حضرت امام فخرالدین رازیؒ نے تفسیر کبیر لکھی اور کوشش کی کہ قرآنی حقیقت کو مکمل طور
یہ مصنوعی لباس پہنایا جائے لیکن یہ کمال ان سے نہ ہو سکی۔ اس وضعیت اور اصطلاحیت
میں انہوں نے اپنی تفسیر کا نصف سے زائد حصہ صرف کر دیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ وضعیت
کے پردے جس قدر ہٹتے جائیں گے اسی قدر قرآن کی اصل حقیقت ابھرتی جائے گی۔

منطقی ارباب!

ارباب فنون مفسرین قرآنی استدلال کے لئے منطقی مقدمات کو ترتیب دے کر ان
مباحث میں دور از کار بحثیں چھیڑتے تھے۔ اور ان بحثوں سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ قرآ

صاحب قرآن کو منطقی ثابت کرنے میں دونوں کی عظمت ثابت ہو گی۔
لیکن اس سے یہ نقصان ہوا کہ ایسا کرنے میں قرآن کی ساری خوبی اور دل نشینی گم ہو گئی اور
شکوک و شبہات کے سینکڑوں دروازے کھل گئے۔

کلامیات و تصوف کے رنگ میں تفسیر!

علم کلام اور تصوف کے رنگ میں سینکڑوں اصطلاحات پیدا ہوئیں اور چاہے وہ اپنی جگہ کتنے
ہی درست کیوں نہ ہوں لیکن قرآن کی تفسیر میں ان اصطلاحات کی ایسی ناموزوں آمیزش کی
گئی جس کی وجہ سے قرآن کے فطری اسلوب کی ساری خوبی دلآویزی گم ہو گئی۔

تفسیر بالرائے!

فلسفہ قدیم ہو یا جدید علم کلام ہو یا تصوف، اصطلاحی جدیدہ ان کے ذریعہ قرآن کو جو معنے
پہنائے گئے ان کے کافی حصے کو اگر تفسیر تسلیم کیا جائے تو وہ تفسیر بالرائے ہے۔

تفسیر بالرائے میں اپنی قائم کی ہوئی رائے پر قرآن کے الفاظ کو چسپاں کیا جاتا ہے۔ چاہے
ان الفاظ کے چسپاں کرنے میں کتنا ہی توڑ مروڑ کرنا پڑے اور سیاق و سباق فہم اور سلف و
قرآن و دلائل کی کتنی ہی خلاف ورزی کیوں نہ ہوئی ہو۔

ضلالت فکری!

تو تفسیر بالرائے کرنے سے جس تشریح قرآنی کو تفسیر کا نام دیا جاتا ہے وہ مراد الٰہی اور
قرآن کی واقعی تفسیر تو نہیں کہلائی جا سکتی بلکہ تفسیر مراد نفس یا اپنی خواہش و وقت کی تشریح
و تفسیر کہلائے جانے کی مستحق ہے جس کو ہدایاتِ ربانی کا نہیں بلکہ ضلالت فکری کا مقام
حاصل ہے۔

اسی حقیقت کو قرآن نے بلیغ الفاظ میں ۱۴ سو سال پہلے بیان فرمایا۔ یضل بہ کثیرا
ویھدی بہ کثیراً۔ یعنی بعض لوگ قرآن کی غلط تفسیر بلکہ تحریف کر کے بہت سے
لوگوں کو راہ حق سے قرآن کے نام پر ہٹا کر گمراہ کریں گے اور بہت سے لوگ صحیح تفسیر کر
کے لوگوں کو ہدایت پر لائیں گے۔

اسرائیلیات!

ابتداسے نو مسلم اہل کتاب بالخصوص یہود کے قصص وروایات پھیلنا شروع ہوگئے اور پھر ان کو مستند اور قابل اعتبار کرنے کے لئے ان کا سرا کسی نہ کسی تابعی سے ملا دیا گیا تا کہ ان کو تفسیر سلف سمجھا جائے۔

محققین مفسرین اسلام نے ہمیشہ ان بیہودہ روایات کو چھانٹنا چاہا اور اس سلسلے میں سب سے بڑھ کر حصہ صاحب تفسیر ابن کثیر نے لیا ہے۔ انہوں نے احادیث پاک کے التزام کے ساتھ ساتھ نقد روایات کا فرض بھی ادا کیا اور اسرائیلی روایات کو ایک ایک کر کے فن تفسیر سے نکال دیا۔

مفسر کے لئے شرائط!

(۱) ایک یہ کہ قرآن نے ایک ہی مقصد کو متعدد مواضع میں بیان کیا ہے۔ لہذا ایک موضع کی تفسیر میں قرآن حکیم کے ان تمام مواضع سے مدد لینا چاہیے جہاں اسی قسم کا مضمون آیا ہے۔ تا کہ صحیح مطلب واضح ہو جائے۔ اسے تفسیر القرآن بالقرآن کہا جاتا ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن) اور (تفسیر ابن کثیر) میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔

(۲) قرآن کا صحیح مطلب معلوم کرنے کے لئے سابق اور لاحق آیات سیاق و سباق کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ایسی تفسیر صحیح کہلاتی ہے۔ اس کی جانچ کے لئے بھی تفسیر ابن کثیر اور تفسیر روح المعانی کا مطالعہ کیا جائے۔

(۳) مفرداتِ قرآن کے مختلف معانی ہوتے ہیں اور قرآن کے ہر موضع میں ہر معنی کا مراد لینا درست نہیں بلکہ قرآن کے تحت ایک لفظ کے ایک مقام میں ایک معنی مراد ہوتے ہیں اور دوسری جگہ دوسرے معنی۔

اس لئے صرف عربی لغت کی مدد سے معنی کا متعین کرنا درست نہیں۔ تو (مفردات القرآن) حضرت امام راغبؒ کا مطالعہ ضروری ہے۔

(۴) تفسیر قرآن کی صحت کے لئے حدیث اور سنت نبوی کا مطالعہ بیحد ضروری ہے کیونکہ

قرآن کا صحیح علم صاحب قرآن کو ہے۔ یہ خوبی (تفسیر ابن کثیر) میں پائی جاتی ہے۔ جس میں تفسیر قرآن کا ذخیرہ احادیث تنقید کے ساتھ مذکور ہے۔

(۵) تفسیرِ قرآن کے لئے علم الآثار کی بھی ضرورت ہے تا کہ حضرات صحابہ کرام۔ تابعین۔ تبع تابعین کے صحیح اور مستند اقوال معلوم ہو سکیں۔ کیونکہ یہی حضرات بہ نص قرآن و حدیث مقبول عند اللہ تھے۔ اس لئے ان کی تفسیر بھی اللہ کی مقبول اور پسندیدہ ہے۔

بقول حضرت امام شافعیؒ کہ اجتهاد هم فوق اجتهادنا۔ یعنی دین کے معاملے میں ان کی ذاتی رائے بھی ہماری رائے سے بڑھ کر ہے۔

(۶) مفسر کے لئے قرأۃ مختلفہ یعنی مختلف قراء کے مختلف طرزِ تلفظ سے بھی واقفیت ضروری ہے کہ ان سے بھی مراد الٰہی کے تعین میں مدد لی جا سکتی ہے۔

(۷) قرآن عربی زبان میں ہے اس لئے مفسر کے لئے عربی زبان کے جملہ قواعد و قوانین سے واقفیت ضروری ہے۔

(۸) تقویٰ اور طہارتِ نفس بھی مفسر کے لئے ضروری ہے تا کہ اللہ رب العالمین سے رابطہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے فیضان کے تحت دل پر القاء ہو۔ لا یمسه الا المطهرون۔ کے تحت جس طرح ناپاک ہاتھ کو قرآن کو چھو لینے کی اجازت نہیں۔ اسی طرح ناپاک دل و دماغ کا بھی معارف و حقائق قرآن تک رسائی ممکن نہیں۔ یتلوا علیهم ایته ویزکیهم۔ یہ قلب کی پاکیزگی کی طرف اشارہ ہے۔

(۹) توافق اصول و روح اسلام: کہ کوئی ایسی تفسیر نہ کی جائے جو اصول اسلام اور روح دین کے خلاف ہو۔

(۱۰) توافق تعامل: قرآن یا اسلام صرف ایک نظری مذہب نہیں جو صرف افکار و نظریات کا مجموعہ ہو اور خارجی دنیا میں اس کا کوئی وجود نہ ہو بلکہ یہ ایک عملی مذہب ہے جو صدیوں سے مسلسل سطح زمین پر مسلمانوں کی عملی زندگی میں پیوست ہو کر موجود چلا آیا ہے۔ اس لئے کوئی تفسیر کتاب و سنت کی قابلِ اعتبار نہیں جو مسلمانوں کی زندگی کے تاریخی تعامل کے خلاف ہو۔

ہر شخص کو فہم قرآن میں اس قدر بصیرت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ فوراً تفسیر بالرائے اور
تفسیر کو الفاظ قرآنی کی نشست اور بے جا تکلفات کی کمی سے معلوم کر لیتا ہے۔

تقسیم تفسیر: تفسیر کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۱) نقلی تفسیر۔ (۲) عقلی تفسیر۔

اقسامِ نقلی تفسیر: نقلی تفسیر کی دو قسمیں ہیں (۱) لغوی تفسیر۔ (۲) اثری تفسیر۔

لغوی تفسیر!

مثلاً تفسیر کسائی، تفسیر ابو عبیدہ، تفسیر زجاج، یہ تفسیریں مفردات کی لغوی معانی کی تعیین
کے لئے لکھی گئی ہیں۔ حضرت امام بخاریؒ نے صحیح البخاری کی کتاب التفسیر میں ان
حضرات کی تفاسیر سے استفادہ کیا ہے۔

اثری تفسیر!

یعنی احادیث اور اقوال صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین کی روشنی میں قرآن کی تفسیر کرنا
اس سلسلے کی تفاسیر میں تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر حاکم، تفسیر ابن کثیر
تفسیر درمنثور ہیں۔

(۱) جلیل القدر تفسیر ابن جریر کی تفسیر ہے۔

(۲) تنقید روایات کے لحاظ سے ابن کثیر کی تفسیر سب سے اکمل ہے۔

(۳) جامعیت کے لحاظ سے تفسیر درمنثور سب سے فائق ہے لیکن اس میں ضعیف روایات
موجود ہیں۔

(۴) معالم التنزیل بغوی روایات اور فقہ دونوں کی جامع ہے۔

(۵) نکات بلاغیہ کے لحاظ سے تفسیر کشاف کو بلند مقام حاصل ہے۔

عقلی تفسیر!

(۱) اس سلسلے میں علم کلام اور قدیم فلسفہ کے اعتبار سے تفسیر کبیر امام رازیؒ اور تفسیر روح
المعانی سید محمود آلوسی بغدادیؒ کا مقام بلند ہے۔

(۲) فلسفہ جدیدہ کے اعتبار سے تفسیر طنطاوی جوہری، تفسیر مفتی عبدہ، و علامہ رشید رضا ا

تفسیریں ہیں لیکن ان دونوں کے بعض مضامین قابل تنقید ہیں۔

(۳) فقہی مضامین اور روایت و تصوف کے لحاظ سے تفسیر مظہری یکتا ہے۔

(۴) سب سے بڑی ضخیم تفسیر علامہ عبدالسلامؒ قزوینی کی تفسیر حدائق ذات بہجہ ہے۔ جو
بقول صاحب کشف الظنون پانچ سو جلدوں میں ہے۔

(۵) سب سے چھوٹی تفسیر جلالین ہے۔

(۸۷) مقام علماء!

یہ یقینی بات ہے کہ امت مسلمہ کی تعداد دنیا میں تقریباً ایک ارب ہے۔
امت کا عنصر علماء کرام ہیں۔ پوری ملت کو ایک شخصیت کا وجود تصور کریں اور علماء اس
کا دل۔ جس طرح شخصی زندگی کے فرائض دل ادا کر رہا ہے۔ اسی طرح پوری ملت کے
متعلق فرائض علماء دین کے ذمے ہیں۔

چاہے اسے کوئی مانے یا نہ مانے اس سے ہمیں کوئی بحث نہیں۔ خالق کائنات کے ہاں یہ
ایک تسلیم شدہ امر ہے۔ پھر اس کی کیا ضرورت کہ دنیا اسے تسلیم کرے یا نہ کرے۔

**یرفع اللہ الذین امنوا منکم الذین اوتوا العلم درجات واللہ بما تعملون
خبیر۔**

ترجمہ:

تقسیم ثنائی:

اللہ تعالیٰ نے تقسیم ثنائی کر دی۔

(۱) مومن اور غیر مومن یعنی شریف اور رذیل۔ مومن شریف اور غیر مومن رذیل۔

(۲) مومن عالم اور مومن غیر عالم۔

پوری انسانیت میں مومن کا مقام بلند ہے اور پوری ملت میں علماء کا مقام بلند ہے۔

اہمیت علماء!

جیسے جسم کے فساد و اصلاح کا دارومدار دل پر ہے۔ اسی طرح فسادِ ملت اور صلاح ملت کا مدار

علماء کرام ہیں۔ پوری ملت کی نجات اور تباہی ان کے ہاتھ میں ہے۔

اظہار حقیقت!

فخر نہیں اظہارِ حقیقت ہے کہ علماء کرام دنیا کے ہر گوشے میں موجود ہیں مگر علماء اسلام میں ہندو پاک کے علماء کا جو مقام ہے باقی دنیا کے علماء کو وہ مقام حاصل نہیں۔ علم کے اعتبار سے بھی اور عمل کے اعتبار سے بھی۔

ایک مغربی سیاح نے لکھا کہ جتنا اسلام ہندو پاک میں دیکھا گیا وہ عرب میں بھی نہیں۔

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہاں علماء کی تعداد بہت زیادہ ہے دوسرا حق گوئی، خلوص اور للہیت حقیقی یہاں زیادہ ہے اور کہیں نہیں تو پوری امت کے لئے علماء کرام بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

مؤثریت!

اہمیت کے بعد مؤثریت ہے۔ کوئی چیز کس قدر اہم ہے کیوں نہ ہو جب وہ مؤثر نہیں تو بے فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشادات، تاریخ، عقل و درایت، اور تجربہ کے لحاظ سے علماء بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ مگر اثر نہ ہو تو یہ بے کار ہے۔

افادیت تنظیم!

اثر تنظیم سے پیدا ہوتا ہے۔ قوت اتحاد سے اور ضعف انتشار سے منسلک ہے۔

جو سوت کے منتشر تار متحد ہو کر مضبوط حبل کی صورت اختیار کر لیتے ہیں تو پھر وہ نفع مند ثابت ہوتے ہیں۔ تو ان کا قابلِ انتفاع ہونا اتحاد سے وابستہ ہے۔

وحدانیت!

اللہ تعالیٰ طاقتور ہے۔ واحد ہے۔ اس لئے تجلیٔ وحدت وہاں ہوتی ہے جہاں اتحاد سے وحدت پیدا ہوئی ہو۔ وحدت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور جہاں صفت وحدت کی تجلی ہوتی ہے اور ایک منتشر قوم مظہر وحدت بن جاتی ہے تو اللہ کی اس صفت وحدت کے طفیل اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

زندہ ہر کثرت ز بندہ وحداست　　وحدتِ مسلم زریں فطراست

پس انتشار میں ضعف اور اتحاد میں قوت ہے۔

اہمیت وفاق: علماء کی اہمیت تو پہلے ہی سے مسلم ہے اب مؤثریت وفاق کے ذریعے پیدا کی جا سکتی ہے۔

خیر و شر کی ٹکر!

دنیا میں دو ضد خیر و شر یا حق و باطل شروع سے ہی ایک دوسرے کے مدمقابل ہیں۔

اس وقت عناصر شر منظم ہو چکے ہیں۔ تو منظم شر کا مقابلہ منظم خیر کے ذریعے ہو سکتا ہے۔

علماء کرام کے ہاتھ میں قرآن و سنت ہیں مقابل میں مغربی تہذیب ہے جو سراسر جہل و رسم اور ہوا و ہوس پر مبنی ہے۔

دنیا میں صرف دو مذہب ہیں!

موجودہ دنیا میں صرف دو مذہب ہیں۔ اسلام اور مغربیت۔ باقی یہودیت نصرانیت۔ ہندو اور سکھ وغیرہ اب مذاہب نہیں رہے۔ یہ قومیتیں ہیں کیونکہ مذہب لائحہ عمل اور مخصوص تہذیب و تمدن کا نام ہے جس پر زندگی گامزن ہے۔ اس لحاظ سے دنیا میں اسلام اور مغربیت عمل کی دو شاہراہیں ہیں۔ پہلی شاہراہ حق اور دوسری باطل یا پہلی خیر اور دوسری شر ہے۔ دنیا کے اکھاڑے میں دونوں کی ٹکر ہے۔

مغربیت!

مغربیت کی پشت پر سیاست، دولت اور مضبوط پروپیگنڈہ ہے۔

اسلام!

اسلام کی پشت پر چند غریب اور بے سروسامان علماء۔

تو عظیم شر کو خیر منتشر سے شکست نہیں دی جا سکتی اور اگر ہم میں خیر میں اتحاد ہو تو ہم کبھی ہراساں نہیں ہوں گے۔ آخری فتح ہماری ہو گی کیونکہ ہمارے پاس حق ہے اور صداقت ہے اور مدار تمام تر آخری نتیجہ پر ہے۔

حق روشنی ہے!

حق روشنی ہے۔ روشنی اگر قلیل بھی ہو تو شر کی تاریکی کو شکست دینے کے لئے کافی ہے۔ حضرت تھانویؒ فرمائے ہیں کہ روشنی چاہے کتنی کم سے کم ہو لیکن ہزاروں گز تاریکی کو شکست دینے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ مثلاً تاریکی پوری قوت اور سازو سامان کے ساتھ چھائی ہوئی ہوتی ہے۔ جہاں ہاتھ بھی دکھائی نہیں دیتا لیکن ماچس کی ایک معمولی سی جھلک سے تاریکی یکلخت بھاگ جاتی ہے۔

یہی حال حق و باطل کا ہے مگر شرط یہ ہے کہ علماء میں استقلال ہو اتحاد ہو۔ اگر نہ ہو تو پھر اس کا نتیجہ حق اور اہل حق کی بربادی ہے۔ حق حق ہے۔ چاہے کوئی مانے یا نہ مانے۔ موتی موتی ہے چاہے عرش پر ہو یا مٹی میں۔ گوبر گوبر ہے چاہے کم خواب کے رومالوں میں لپٹا ہوا کیوں نہ ہو۔ آج ہم مسلمانوں کا مغرب کی تموّجات کی وجہ سے وہ پہلے والا نظریہ نہیں رہا جو اسلام کا تھا۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ یہاں اسلام کی وہی حالت ہو جائے گی جو مصر و ترکی میں ہوئی۔ مصر میں محمد علی پاشا اور ترکی میں کمال اتاترک کے زمانے میں جو حالت تھی وہی حالت ۱۹۴۷ء کے بعد ہماری ہے۔

دین کے سر چشموں پر ضرب!

مدارس اسلامیہ دین کے سر چشمے ہیں۔ جب محمد علی پاشا اور کمال اتاترک نے آزاد فکری فضاء میں سانس لیا اور انہیں ترقی کی سوجھی تو مغرب کی طرف سے پہلی وحی یہ نازل ہوئی کہ اسلامی شعائر کو ختم کردو (کیونکہ اسباب تذلیل اسلام اور ملائیت ہیں) جس قدر انہیں جلد ختم کیا جائے گا اس قدر جلد ترقی ہو گی۔

جب ان کی پہلی ضرب دینی مدارس پر پڑی تو مصر کے علماء ہوشیار تھے اور مدارس اسلامیہ کی جڑیں مضبوط اور منظم تھیں۔ اس لئے وہاں کے مدارس بچ گئے اور اسلام کسی نہ کسی طریقہ سے قائم رہا۔ لیکن ترکی میں اگرچہ مدارس کی تعداد بہت زیادہ تھی مگر غیر منظم تھے کوئی تنظیم نہ تھی۔ تو معمولی ضرب سے مدارس فنا ہو گئے۔ اب وہاں دس طالبعلم دین کے بھی نہیں ملتے۔ وہ اسلامی کرنیں مغربیت کی تاریکی میں دب گئیں۔ پاکستان میں بھی مصر اور ترکی والا

ضرورت پیش ہے۔ اس لئے وفاق کی تشکیل وقت کا اہم تقاضا ہے۔

دین و دنیا جدا نہیں!

میں دین و دنیا کی تفریق مغربیت کی لعنت ہے۔ دینی نصاب حکومت اور درویشی کا ہے۔ اسلام میں دین و دنیا جدا نہیں۔ اسلام کے سب سے پہلے مدرسے میں ستر طلباء تھے اصحاب صفہ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اس مدرسے میں صرف ائمہ مساجد اور مبلغ پیدا نہیں کئے جاتے تھے بلکہ وہاں کے فارغین ایک طرف مبلغ ہوتے تھے تو دوسری طرف جہاد کی کمان بھی ان کے سپرد کی جاتی تھی۔ چنانچہ جنگ تبوک میں تمام اصحاب صفہ شامل تھے۔ صرف ایک حضرت ذوالبجادین رہ گئے تھے جب انہوں نے تمنا کی تو انہیں بھی جنگ پر روانہ کیا گیا۔ انہی حضرات نے مسجد کو بھی سنبھالا اور حکومت کو بھی۔

سکندر اعظم کا قول ہے کہ دنیا کا بہترین سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے اور تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا مدبر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تھے۔ ہمارا موجودہ نصاب نہ دین و دنیا پر مشتمل ہے۔

یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمتہ۔ ان پر آیات کی تلاوت کرتا ہے اور تزکیہ قلب کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

فیضان علمی!

علم دین کا فیض حاصل کرنے کے لئے حقیقی سبب تعلق مع اللہ ہے۔ جو تزکیہ قلب سے پیدا ہوتا ہے۔ علم دین اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ اس کا فیضان پاک ظرف میں ہوتا ہے اس لئے تزکیہ کو قرآن پاک نے تعلیم سے مقدم کیا ہے۔ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب۔

لا یمسہ الا المطھرون۔ اسی طرح آیت مذکور میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ اگر قرآن ظاہری کا مساس مطہرین ظاہرین سے مختص ہے اور جس ظاہری کے لئے طہارت ظاہریہ ضروری ہے تو باطن قرآن یعنی معارف قرآنیہ کے مساس و وصول کے لئے بھی طہارت باطنیہ و تزکیہ قلب ضروری ہے۔

صاحب اتقان نے یہ آیت دلیل کے طور پر بیان کی ہے۔

ساصرف عن آیاتی الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق۔ اس آیت کے حوالہ سے تعلق مع اللہ اور تزکیہ قلب کی ضرورت کی مزید تائید ہو گئی۔

(۸۹) مقصد علوم دینیہ!

علوم دینیہ کا مقصد رضاء الٰہی کا حصول ہے اور مقصد حیات بشریہ کا تعین ہے۔ یعنی عبادت و طاعت الٰہی جو مظہر رضائے الٰہی ہے اور نص قرآن وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اور یہی مقصد انسانی اور حیوانی زندگی کے درمیان حد فاصل ہے۔ اور شرف انسانیت کا مظہر اتم ہے۔ یہی مقصد یعنی طاعت الٰہی و عبادت خداوندی مرضیات و امر ضیات کی معرفت اور عمل کا نام ہے اور بعثت رُسل و انزال الٰہیہ اور تعلیم علوم دینیہ سب اسی مقصد کے لئے ہیں۔

عالمی امن!

مقصد حیات: عبادت و طاعت الٰہی کا نام ہے۔ تو عالمی امن و حفظ حقوق بشری اور اصلاح انسانی بھی اس مقصد کے بغیر ناممکن ہے۔ خواہ دیگر ہزاروں علوم پڑھائے جائیں اور لاکھوں کتابیں تصنیف کی جائیں اور سینکڑوں ذرائع نشر و اشاعت کو کام لایا جائے تب بھی نتیجہ سو بربادی اور تباہی کے کچھ نہ ہو گا۔

جدید تعلیم اور انسانی بے چینی!

دور حاضر کی عالمگیر تعلیمات نے انسانی بے چینی کو ختم نہیں کیا بلکہ اس میں ہزار گنا اضافہ کیا اور تکمیل حرص و خواہشات نفس کے لئے ایسے مہلک اوزار و اسلحہ مہیا کئے کہ انسان کی زندگی کو زمین پر ناممکن بنا دیا۔

(۹۰) اسلامی مدارس اور ملی حیات و بقائے دین!

برصغیر ہندو پاکستان میں انگریزی اقتدار سے قبل اسلامی مدارس سے ایک طرف اسلام اور

حفاظت دین کا سامان فراہم ہو رہا تھا اور دوسری طرف ملی خودی کے شعور کو فروغ ہو رہا تھا۔ ان دینی درسگاہوں کا نتیجہ تھا کہ انگریزوں کو ہندوستان پر قبضہ کرنے سے قبل اور بعد انگریزی تعلیم کے پیدا کردہ شعور حریت اور احساس خودی کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ تقریباً ڈیڑھ سو سال تک لڑنا پڑا۔

غداران مسلمان!

انگریزی تعلیم کا پیدا کردہ شعور ایک تو محدود تھا عالمگیر نہ تھا صرف مسلمانان ہند کے مخصوص طبقہ میں موجود تھا اور یہ مخصوص طبقہ پورے ہندوستان میں پھیلا ہوا تھا یکجا منظم اور متحد نہ تھا۔

اس کے علاوہ اُمراء اور آسودہ حال غدار طبقہ موجود تھا جو ہر وقت ملی مقصد اور قومی عظمت کو ذاتی مفاد پر قربان کرنے کے لئے تیار تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سراج الدولہ کی ۱۷۵۷ء کی جنگ اور سلطان ٹیپو شہید کی ۱۷۹۹ء کی جنگ کامیاب نہ ہو سکی۔ اگر تمام مسلمان ملی جذبہ کی دولت سے سرشار ہوتے تو جنگ کے متعلق تاریخ کا فیصلہ دوسرا ہوتا۔ ۱۸۵۷ء کا نامکمل انقلاب اور بالاکوٹ کا معرکہ بھی انہی کمزوریوں کی وجہ سے مطلوبہ نتائج حاصل نہ کر سکا۔

تعلیمی نصب العین! تعلیمی نصب العین قومی افکار کا آئینہ دار ہوتا ہے

آج دنیا والوں میں فکری وحدت، ذہنی متحدہ محاذ، نظریات و حیات کی بنیاد پر وحدت کی جدوجہد جاری ہے اور اس کے لئے تمام ذرائع کو کام میں لایا جا رہا ہے۔ تو جو قوم اس تگ و دو میں دوسری قوم کے نصب العین سے جس قدر متاثر ہو جاتی ہے اسی حد تک وہ کمزور ہو جاتی ہے اور ذہنی طور پر اس قوم کی غلام بن جاتی ہے اور اس ذہنی غلامی کا آخری نتیجہ سیاسی غلامی ہوتی ہے۔

تعلیمی نصب العین قومی افکار کا آئینہ دار ہوتا ہے اور یہی نصب العین باقی شعبہائے حیات کے لئے ایک کل کی حیثیت رکھتا ہے۔ تعلیمی مقصد ایک خاص ذہن بناتا ہے جو قوم کے تمام شعبہائے زندگی میں کارفرما اور موثر ہوتا ہے خواہ پارلیمنٹ ہو، فوج ہو، تجارت ہو، امور خارجہ

ہوں، معاشرہ ہو، اخلاق ہوں سب اسی تعلیمی محور کے گرد گھومتے ہیں۔ یہی راز ہے کہ فاتح قوم سب سے پہلے مفتوح قوم کا نصاب تعلیم تبدیل کرتی ہے تا کہ مفتوح قوم کی ذہنیت کو اپنے مقصد کے مطابق تیار کر دے۔

لارڈ میکالے کا نصاب!

جب والیٔ افغانستان اکبر خاں ولد دوست محمد خاں نے ۱۸۴۱ء میں انگریزوں کو شکست دی تو گذشتہ سب معرکے انگریز کے سامنے تھے تو اس نے سوچا کہ اگر ان مسلمانوں میں اسلامی روح اسی طرح باقی رہی تو برطانوی سلطنت کا استحکام ناممکن ہے۔ لہذا اس نے اسلامی تعلیم اور ان کے سرچشموں کا ختم کرنا طے کر لیا۔

تو لارڈ میکالے نے ۱۸۳۵ء میں ایک تعلیمی مسودہ پیش کیا کہ فارسی کی جگہ انگریزی تعلیم دی جائے اور نصاب تعلیم ایسا ہو کہ ہمیں حکومت چلانے کے لئے ارزاں سے ارزاں ملازم مل سکیں۔ اور یہ کوشش کی جائے کہ وہ ظاہری صورت میں ہندوستانی ہوں لیکن ذہن اور فکر کے لحاظ سے انگریز ہوں۔ (نقشِ حیات ص ۳۰۹)

نصاب!

نصاب ایسا رکھا گیا جو مذہبی اسپرٹ سے خالی تھا اور انگریز کے مقاصد کو پورا کرتا تھا۔ مثلاً یہ تو سکھایا کہ گھڑی سے وقت کس طرح پہچانیں۔ موٹر کس طرح چلائیں۔ انگریزی میں مضمون کس طرح لکھیں لیکن یہ نہیں سکھایا کہ مٹی سے لوہا کس طرح نکالیں اس کو صاف کس طرح کریں پھر اس سے ریل کی پٹڑیاں اور انجن وغیرہ کس طرح بنائیں۔

قدیم تعلیم کا زوال!

اسلامی تعلیم کی جگہ انگریزی تعلیم رائج کرنے سے مسلمانوں کی دینی تعلیم روبہ زوال ہوئی۔ حالانکہ انگریزوں کے اقتدار سے قبل برصغیر میں کافی اسلامی درسگاہیں موجود تھیں۔

(۱) صرف متحدہ بنگال میں مسلمانوں کی اسی ہزار دینی درسگاہیں موجود تھیں۔

(۲) مضافات دہلی میں سات ہزار دینی مدارس تھے۔ (تعلیمی ہند)

(۳) دہلی میں ایک ہزار عربی مدارس موجود تھے جن میں ایک شافعیوں کا اور باقی حنفیوں کے تھے۔ (صبح الاعشیٰ قلقشندی)

(۴) مغربی سیاح ڈاکٹر ہملٹن ۱۶۹۰ء میں ٹھٹھہ آیا وہ اپنے سفر نامہ بعہد (اورنگزیبؒ) میں لکھتا ہے کہ یہاں مذہب اور فلسفہ کا خوب چرچا ہے اور یہاں چار سو دارالعلوم ہیں۔

(۵) ٹاراٹن کے حوالہ سے تاریخ (انقلاب عالم) ج ۲ ص ۳۲۴ میں درج ہے کہ اسلام کی حکومت میں مذہبی تنفر کا نام نہیں حالانکہ یورپ میں ایسا ہے۔

(۶) دنیوی خوشحالی کے متعلق میجر ہاسو لکھتا ہے۔ دولت، اطمینان اور امن و سکون کا جو نظارہ شاہ جہاں کے دور میں ہندوستان میں تھا پوری دنیا میں اس کی مثال و نظیر نہیں ملتی۔

یہ سب مدارس وغیرہ بند کر دیئے گئے اور یوں مسلمانوں کی دینی تعلیم روبہ زوال ہوئی۔

دوسرا نقصان!

(۱) قبل از انگریزی تعلیم۔ محکمہ تعلیم تقریباً سارا علماء کے ہاتھ میں تھا۔ وہ ختم۔

(۲) بڑے بڑے انتظامی عہدوں پر بھی علماء ہی کا قبضہ تھا۔ یہ سب علماء کے ہاتھوں سے چلے گئے۔

(۳) بنگلی اور دیگر اسلامی اوقاف پر بھی انگریزوں نے قبضہ کر لیا۔

(۴) ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی وجہ سے سات ہزار علماء کو پھانسی پر جام شہادت نوش کرنا پڑا۔

تعلیم اسلامی کے عشق میں مالی ایثار!

(۱) حضرت امام بخاریؒ کے والد بہت بڑے سرمایہ دار تھے۔ حضرت امام بخاریؒ نے وہ سارا مال طلب حدیث میں صرف کر ڈالا۔ (ضحیٰ الاسلام ج ۲۔ ص ۱۱۲)

(۲) حضرت یحییٰ ابن معینؒ نے علم الحدیث کی تحصیل میں اپنا کل سرمایہ دس ہزار روپے صرف کر ڈالا۔ یہاں تک کہ جوتی خریدنے کی رقم تک نہ رہی اور ننگے پاؤں چلتے تھے۔ (تہذیب الاسماء ص ۶۲۳)

(۳) اس حضرت عبداللہ بن المبارکؒ نے تحصیل علم دین میں اپنی پوری پونجی یعنی چالیس ہزار درہم صرف کر ڈالے۔ (معجم الادبا ج ۱ - ص ۱۷)

(۴) محمد بن علی بن عاصم واسطیؒ نے تحصیل علم دین میں ایک لاکھ کی رقم صرف کی جو ان کے والد نے ان کو دی تھی۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۲۸۹)

(۵) حافظ شمس الدین ذہبیؒ نے تحصیل علم دین میں ڈیڑھ لاکھ کی رقم صرف کی۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۱۱۲)

(۶) ابن رستمؒ نے تحصیل علوم اسلامیہ میں تین لاکھ کی رقم صرف کی۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۵۵)

(۷) ہشام بن عبیداللہ نے علم الحدیث کے سفر میں سات لاکھ روپے صرف کئے۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ - ص ۲۵۵)

(۸) خطیب بغدادیؒ نے تحصیل علوم اسلامیہ میں دو کروڑ پونڈ صرف کئے۔

(معجم الادبا جلد ۱ - ص ۲۵۵)

یہ وہ زمانہ تھا کہ روپیہ روپیہ تھا روپے کی قدر تھی۔ ہم نے صرف چند حوالوں پر اکتفاء کیا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ مسلمانوں کو اپنے دور عروج میں دینی علوم کی عظمت اور اہمیت کا کس قدر احساس تھا۔

شوق علوم اسلامیہ میں جانی قربانیاں!

(۱) امام بخاریؒ نے اپنی بیوہ والدہ کے زیر سایہ ترکستان - عرب - عراق - خراسان اور ایران کے ایک ایک شیخ کی درسگاہ کو طلب حدیث کے لئے چھان ڈالا۔

(۲) محمد بن مفرخ اموی اندلسی نے یورپ - ایشیا - افریقہ تین براعظم طلب علم کے لئے قطع کئے۔ اسپین کا قرطبہ - افریقہ کا مصر - ایشیا کے شہر دمشق - صنعاء و یمن ان کے تعلیمی مقامات تھے۔

(۳) ابو محمد عبداللہ بن عیسیٰ بن ابی حبیب اندلسیؒ وزارت کے خانوادے سے تھے۔ اسپین

میں علم سے فارغ ہو کر طلب علم دین کے لئے اسکندریہ و مصر آئے پھر عراق میں داخل ہوئے اور بغداد میں مقیم رہے۔ پھر خراسان کی راہ لی اور نیشاپور اور بلخ میں قیام کیا۔ پیدا اسپین کی خاک میں ہوئے اور ۵۴۸ھ کو افغانستان کے شہر ہرات میں دفن ہوئے۔

(۴) ابو علی فارسیؒ عراق کے شہر دیار بکر میں پیدا ہوئے طلب علم میں موصل اور بغداد سے چل کر اسپین میں دم لیا ۳۵۳ھ میں قرطبہ میں وفات پائی۔

(۵) حماسہ کے مشہور شارح تبریزی نے کتابوں کا پشتارہ پیٹھ پر باندھا اور ابوالعلا المعری کی خدمت میں شام پہنچے پہنچے سے کتابوں کی یہ حالت تھی کہ ان کا ایک ایک ورق دوسرے سے چپک گیا تھا۔ یہ مشت نمونہ از خروارے اس زمانے میں مسلمانوں کے عشق علم دین کا یہ حال ہے کہ جس میں موجودہ مواصلات کا نام و نشان نہ تھا اور اکثر مسافت پیدل طے کرنی پڑتی تھی۔ علماء اسلام کا عشق علم دین اس درجہ کا تھا کہ مالی تنگدستی بھی اس راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی۔

(۹۱) حج اور جہاد مسیحیوں کے لئے خطرہ!

حج اور جہاد اسلام کی وہ زبردست طاقتیں ہیں جو مسیحی اقوام کے سیاسی مزاج کے لئے خطرہ ہیں۔ وہ مسلمانوں کی رگِ حیات کو خوب جانتے ہیں۔ اس لئے وہ اسی مقام پر اپنا نشتر چبھو دیتے ہیں جس سے وہ ہماری حیاتِ ملی کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ اسی لئے مستشرقین حج اور جہاد پر بہت برستے ہیں۔

مسیحیوں کا قدیمی اعتراض!

اسلام کے متعلق مسیحیوں کی یہ دریدہ دہنی صلیبی جنگوں سے بہت پہلے شروع ہو چکی تھی۔

وقوم اتومن اقاصی البلاد — لرمی الجمار ولثم الحجر
فوا عجباً من مقالاتهم — ایعمیٰ عن الحق کل البشر

ترجمہ: کہ مسلمان قوم دور دراز ممالک سے سنگریزوں کے پھینکنے اور حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے آئی ہے اور اس وقت جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ قابل تعجب ہے۔ کیا حق سے ساری دنیا اندھی

ہو چکی ہے۔

صلیبی جنگوں سے بہت پہلے شام کے ایک نابینا شاعر ابو العلاء المعریٰ نے یہ شعر کہے تھے جس کی ولادت ۲۵۳ھ اور وفات ۴۴۹ھ کو ہوئی ہے۔ اس سے اس فتنہ کی قدامت ثابت ہوتی ہے۔

اسلامی عبادات میں حج چونکہ سب سے زیادہ بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کو مسیحیوں کا مزاج برداشت نہیں کر سکتا تھا اس لئے انہوں نے جہاد کی طرح سارا زورِ قلم اس کے خلاف صرف کیا۔

اہمیت حج!

ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا ومن كفر فان الله غنى عن العالمين۔

ترجمہ: اللہ کی طرف سے لوگوں پر ایک خاص گھر کا حج فرض ہے۔ جس کو وہاں پہنچ جانے کی طاقت ہو اور جو کفر اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے۔

ترکِ حج کافرانہ عمل ہے!

اس مذکورہ بالا آیت میں فرضیت حج کے ساتھ ساتھ ترکِ حج کے لئے ایسی شدید تعبیر اختیار کی گئی جس نے اسلامی زندگی کے لئے حج کو بہت ضروری قرار دیا۔ یعنی ترکِ حج کے لئے (ولم یحج) یعنی جو کوئی حج نہ کرے۔ یہ تعبیر اختیار نہیں کی گئی بلکہ اس کی جگہ یوں فرمایا (ومن کفر) یعنی جو کفر اختیار کرے۔ جس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ استطاعت کے باوجود ترکِ حج ایک کافرانہ عمل ہے مؤمنانہ نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ حج اور ایمان میں کس قدر شدید تعلق ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے مسند امام احمد میں کہ مسلمان مر جائے اور بلا عذر حج ترک کر دے تو وہ یہودی اور نصرانی کی موت مرتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ دو گروہ یہود و نصاریٰ حج کے خلاف ہیں۔ کیونکہ مشرکین

عرب قبل از اسلام بھی حج کرتے تھے۔

قول حضرت فاروق اعظم!

موطا امام مالک میں صحیح سند کے ساتھ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان نقل ہے۔ فرماتے ہیں میرا یہ ارادہ ہے کہ مسلمانوں کے شہروں میں اپنے عامل اور کارندے بھیج دوں تا کہ جو مسلمان استطاعت کے باوجود حج نہ کرتے ہوں ان پر جزیہ لگائے کیونکہ وہ مسلمان نہیں۔ اس سے حج کا مقام یا اہمیت بخوبی سمجھ آگئی۔

حقیقت کعبہ!

محبت الٰہی جو انسانی فطرت میں داخل ہے اس کی تکمیل اور تشنگی بجھانے کے لئے ایک مرکز کا ہونا ضروری ہے تا کہ وہ تصور محبت کے لئے ایک ٹھکانہ ہو۔ اس مرکزیتِ انتخاب کے لئے اسلام نے ضروری سمجھا کہ وہ مرکز مظہر تجلی الٰہی تو ضرور ہو لیکن بت یا بت کا مشابہ اور مماثل نہ ہو۔ تا کہ خدا پرستی بت پرستی کی شکل اختیار نہ کرنے پائے اور اسلامی توحید صنمیت (بت پرستی) سے آلودہ نہ ہو اور ذاتِ حق کی شان تنزیہی قائم رہے۔

خصوصیات معبود غیر اللہ!

علم الاصنام سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تاریخ بشریت کے آغاز سے اللہ کے سوا جن اشیاء کو اب تک معبود بنایا گیا وہ ایسی چیزیں تھیں جن میں مندرجہ ذیل خصوصیات موجود تھیں۔

(۱) مبصریت: یعنی نظر آنے والی چیز۔

(۲) لونیت: یعنی اس چیز کا رنگدار ہونا۔

(۳) کثافت: یعنی جسم ہونا۔ جو لطیف اور غیر مرئی نہ ہو۔

زمینی بت اور آسمانی سیارے سب اسی دائرے کی چیزیں ہیں۔

مرکز محبت کے لئے فضا کا انتخاب!

اسلام نے مرکز محبت کے لئے ایسی چیز کا انتخاب کیا ہے جو بتوں سے ان تین خصوصیات میں بالکل جدا اور مبائن ہے اور وہی چیز حقیقت کعبہ ہے۔ یعنی خانہ کعبہ کی چار دیواری کے درمیان جو فضاء ہے اور جو اوپر کو غیر محدود مقام تک چلی گئی ہے تاکہ تجلی گاہ الٰہی کی یہ فضاء دوسری فضاء سے مخلوط نہ ہونے پائے۔

تو کسی قوم نے آج تک فضا کی عبادت نہیں کی کیونکہ اس میں نہ مبصریت، نہ کثافت اور نہ لونیت ہے۔ اس انتخاب میں ایک طرف فطرت انسانی کا لحاظ ہے کہ اس کے تصور محبت کے لئے ایک معین ٹھکانہ ہو اور دوسری طرف ذاتِ حق اور محبوب حقیقی سے بھی ایک درجہ میں مناسبت ہے کہ رنگدار اور کثیف نہ ہونے کی وجہ سے لا تدرکہ الابصار (کہ اسے آنکھیں نہیں دیکھتیں) کا مصداق ہے۔

محبت کی اقسام!

محبت دو قسم کی ہے۔ (۱) محبت لطیفہ۔ (۲) محبت کثیفہ

(۱) محبت لطیفہ: انسان کائنات عالم کی ایک شریف ترین ہستی ہے اور اس کی فطرت میں مخصوص محبت داخل ہے۔ جس کا نام محبت لطیفہ ہے۔ روح انسانی کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ لطیف اور نامحسوس اشیاء سے محبت کرتی ہے۔ مثلاً انسان کو اپنی روح سے محبت ہے۔ علم سے محبت ہے۔ اپنی بصارت یعنی قوت بینائی سے محبت ہے۔ یہ سب چیزیں لطیف اور ماوراء حس ہیں۔

(۲) محبت کثیفہ: اگر مادیات سے محبت ہو تو وہ محبت کثیفہ ہے۔ اس میں انسان اور حیوان مشترک ہیں کیونکہ انسان بھی حیوانات کی طرح ایک جسم مادی رکھتا ہے تو حیوانات کے ساتھ اس وصف میں اس کا اشتراک لازمی ہے۔ حیوان کو کھانے پینے اور اولاد وغیرہ سے محبت ہے تو ان ساری محبتوں میں انسان ان کا شریک ہے۔ اسی کا نام محبتِ کثیفہ ہے۔

حج میں سفر آخرت کا نقشہ!

انسان کے قلب و دماغ پر جس قدر آخرت کا تصور غالب ہوگا اسی قدر وہ نیکوکار اور پاکیزہ اطوار

ہوگا۔ اعمال حج میں سفر آخرت کی پوری تصویر ہے۔

(۱) سفر آخرت موت سے شروع ہوتا ہے۔ جس سے آدمی وطن، اولاد اور اقارب سے جدا ہوتا ہے تو حاجی جب گھر سے روانہ ہوتا ہے تو ان چیزوں کو چھوڑتا ہے تو یہ موت کا نمونہ ہوا۔

(۲) احرام کا لباس: یعنی دو چادریں جن میں ملبوس ہو کر اعمالِ حج ادا کئے جاتے ہیں۔ یہ نمونہ کفن ہے۔

(۳) حاجی کی سواری جس پر بیٹھ کر وہ سفر حج کرتا ہے۔ وہ اس کی میت اٹھانے والی چارپائی متصور ہوتی ہے۔

(۴) عرفات اور مزدلفہ کے میدان میں حاجیوں کا اجتماع میدانِ حشر کی یاد دلاتا ہے۔ وغیرہ

(۹۲) بعثتِ عمومی!

قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا ن الذی لہ ملک السمٰوٰت والارض (اعراف)

تبرک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا۔ (الانبیاء)

یہ آیات دال ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام اقوام اور ازمان کو شامل ہے تو قیامت تک کے انسان آپ کی امت ہیں اور آپ ان سب کی طرف مبعوث ہیں۔ جو دلیل ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔ آپ جو اکمل الانبیاء ہیں آپ کی موجودگی میں کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ جیسے سورج کے بعد کسی چراغ اور دریا کے بعد شبنم کی حاجت نہیں۔

وماکان محمد ابا احد من رجالکم۔ میں پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی ابوت کی نفی کی گئی اور ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ میں روحانی اور دینی ابوت ثابت کی گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ جیسے ابوت نسبیہ میں تشارک نہیں تو ابوتِ دینیہ میں بھی تشارک نہیں۔

اگر ایک آدمی کے دو باپ نہیں ہو سکتے تو اسی طرح امت کے دو روحانی باپ نہیں ہو سکتے۔

(۹۳) قرآن کی لسانی عظمت!

قرآن کی زبان عربی ہے۔ تورات کی زبان عبرانی اور انجیل کی زبان عبرانی یا سریانی ہے۔

نزل به الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن روح الامین (یعنی جبرئیل) کے ذریعے تم پر یعنی تمہارے دل پر اتارا تاکہ تم ڈر سناؤ، جو واضح عربی زبان میں ہے۔

جب قدرت الٰہیہ نے یہ طے کیا کہ انسانیت کی اصلاح کے لئے آخری کتاب عربی زبان میں نازل کی جائے اور وہی کتاب انسانیت کے لئے آخری ضابطہ حیات ہو اور باقی آسمانی کتابیں اس کی آمد پر منسوخ ہوں۔ تو قدرت نے اولاً ان کتابوں کی زبانوں کو ختم کر کے عملی زندگی سے خارج کر دیا۔ یہود و نصاریٰ کی پوری کوششوں کے باوجود دنیا میں کہیں بھی یہ زبانیں نہیں بولی جاتیں۔ حالانکہ تورات اور انجیل کے نزول کے زمانے میں یہ ملکی زبانیں تھیں۔

غیر آسمانی کتابیں!

جو کتابیں فی الحقیقت آسمانی نہ تھیں اور ان کے ماننے والوں نے ان کو آسمانی قرار دیا تھا ان کو اور ان کی زبانوں کو بھی قدرت نے دنیا سے ختم کر دیا۔ مثلاً وید جو سنسکرت زبان میں ہے اور ژند و پاژند جو ذری زبان میں ہے۔ یہ دونوں زبانیں کسی خطۂ زمین میں استعمال نہیں کی جاتیں۔

عربی زبان کی وسعت!

نزول قرآن کے زمانہ میں عربی زبان صرف حجاز، یمن اور نجد میں بولی جاتی تھی۔ اب عراق، شام، فلسطین، لبنان، مصر، سوڈان، طرابلس، الجزائر، مراکش اور تیونس میں بولی جاتی ہے اور باقی عالم اسلام انڈونیشیا، ملایا، پاکستان، ایران اور افغانستان وغیرہ کے اہل علم بھی عربی بولتے اور سمجھتے ہیں۔

...عربی الہامی کتاب قرآن کی زبان ہے جس کو کم از کم ۲۲ کروڑ انسان بولتے ہیں۔ یہی ...انی عظمت ہے اور یہی حفاظت قرآن ہے۔ وانا له لحفظون۔

...فاظتی عظمت!

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔ ہم نے قرآن کے الفاظ و معانی کو اتارا ہے اور ہم ضرور اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ دو بار۔ انا اور دو بار لام لانا یہ چار تاکیدیں ...ہیں گویا چار تاکیدوں سے اس مضمون کو جملہ اسمیہ کے قالب میں موکد کرنا ہے کہ یہ کتاب ...لفظ اور مفہوم دونوں کے اعتبار سے محفوظ ہو گی۔ اور محافظ بھی خالق کائنات ہے۔ جیسے اس کی ...قدرت و قوت لاجواب ہے ویسی اس کی حفاظت بھی بے نظیر ہو گی۔

چار تاکیدیں اور چار حفاظتیں!

قرآن مجید کی حفاظت کا جو موکد وعدہ کیا گیا ہے، یہ وعدہ چار امور کی حفاظت کو شامل ہے۔

(۱) حفاظت الفاظ قرآن (۲) حفاظت طرز تلفظ و لہجۂ قرأت قرآن (۳) مطالب و معانیٔ قرآن کی حفاظت (۴) قرآن کی عملی شکل کی حفاظت۔ بحمد اللہ حفاظت کی یہ چاروں قسمیں آج تک موجود ہیں اور ان میں آج تک کوئی فرق نہیں آیا۔

قراء حضرات صحابہ کرام!

...ن حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے" ...قرأت حاصل کی اور ما بعد زمانے کے قراء کے بالذات یا بالواسطہ شیوخ و اساتذہ تسلیم کئے گئے ...اور ان کا سلسلہ قرأت آج تک موجود ہے وہ سات حضرات ہیں۔

(۱) حضرت عثمان، (۲) حضرت علی (۳) حضرت ابی ابن کعب (۴) حضرت زید بن ثابت (۵) حضرت عبداللہ بن مسعود (۶) حضرت ابوالدرداء (۷) حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضوان اللہ علیہم اجمعین (مناہل القرآن ج ۱ - ص ۴۰۷)

محققینِ یورپ اور عظمتِ قرآن!

(۱) سروالف: لکھتا ہے کہ وسیع جمہوریت، رشد و ہدایت، فوجی تنظیم مالیات، غربا، کی حمایت اور ترقی کے اعلیٰ آئین قرآن میں موجود ہیں۔

(۲) ڈاکٹر مولیس: فرانسیسی لکھتا ہے۔ قدرت کی عنایتوں نے جو کتابیں انسان کو دی ہیں۔ قرآن ان سب سے افضل ہے۔

(۳) ڈاکٹر سموئیل: لکھتے ہیں۔ قرآن کے مطالب ایسے ہمہ گیر اور ہر زمانے کے لئے موزوں ہیں کہ تمام صدائیں خواہ مخواہ قبول کرتی ہیں اور محلوں، ریگستانوں، شہروں اور سلطنتوں میں گونجتا ہے۔ (تاریخ اسلام عبدالقیوم ندوی ج ۱ - ص ۳۲۷ تا ۳۳۴)

(۵) ارمیکسونل: لکھتا ہے۔ اگر وحی کوئی چیز ہے تو بیشک قرآن ایک الہامی کتاب ہے (تاریخ اسلام عبدالقیوم ندوی ج ۱ - ص ۳۲۷)

(۹۴) اسلام عالمگیر مذہب ہے!

انسانی فطرت تمام اقوام عالم میں بلا تخصیص نسل و وطن عالمگیر ہے۔ کوئی قوم اور کسی ملک کا انسان خواہ یورپ کا ہو یا ایشیا کا۔ افریقہ کا ہو یا امریکہ کا ایسا نہیں جس میں انسانی فطرت اور اس کے لوازمات و خصائص موجود نہ ہوں۔ آسمانی مذہب چونکہ فطرت انسانی کی تکمیل اور سعادت کے لئے آیا ہے۔ لہذا ضروری ہوا کہ انسانی دین بھی انسانی فطرت کی طرح ہمہ گیر ہو اور یہی دین کے عالمگیر ہونے کا مطلب ہے۔

حقیقی عالمگیری!

حقیقی عالمگیری اس کا نام ہے کہ دین عالمگیر خود مدعی عالمگیری ہو اور اس دین کے اصول بھی عالمگیر ہوں۔ یعنی خود دین میں یہ دعویٰ اور اعلان موجود ہو کہ وہ عالمگیر ہے کسی قوم سے مختص نہیں اور اس دین کے اصول ایسے ہوں کہ فطرت انسانی بلا تخصیص وطن اور قوم اس کو قبول کرتی ہو اور انسانی عقل میں اس کی طرف انجذاب اور کشش موجود ہو، بشرطیکہ عقل اور فطرت انسانی کسی بیرونی ناپاکی سے آلودہ نہ ہو۔

اس معنی میں حقیقی عالمگیری ادیانِ عالم میں صرف اسلام کو حاصل ہے۔

اسلام کے بہترین نتائج!

تاریخ انسانی اور سعادت و فلاح بشریت کے ہر دور میں بہترین نتائج کا اسلام حامل رہا ہے۔ جس کا خود غیر مسلم مؤرخین نے بھی بادل نخواستہ اعتراف کیا ہے ہم صرف چند حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) مؤرخ گبن: انگلستان کا مشہور مؤرخ گبن تاریخ سلطنت روما کی پانچویں جلد کے پچاسویں باب میں لکھتا ہے کہ (شریعت اسلام ایسے دانشمندانہ اصول اور اس قسم کے عظیم الشان قانونی انداز پر مرتب ہوئی کہ سارے جہاں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔)

(۲) مسٹر کارلائل: مسٹر کارلائل لکھتے ہیں شریعت اسلام کے قوانین و ضوابط کا لوہا آج بھی یورپ ہمہ ترقی و حکمت دنیا ماننے پر مجبور ہے۔

(۳) مسٹر ڈمی رائٹ: مسٹر ڈمی رائٹ مشہور نامہ نگار انگلستان لکھتے ہیں۔ "تاریخ انسانی میں کوئی ایسے شخص کا وجود نہیں کہ جس نے احکام خداوندی کو اس مستحسن طریقے سے انجام دیا ہو جس طرح پیغمبر اسلام نے انجام دیا ہے۔"

(۴) پروفیسر یاسورتھ سمتھ: پروفیسر یاسورتھ سمتھ نے تو کمال کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ "عیسائی ایک دن بالاتفاق اس کی تصدیق کریں گے کہ بلاشک و شبہ محمد (ﷺ) خدا کے رسول ہیں۔"

(۹۵) زندگی کا حقیقی مقصد!

"زندگی کا حقیقی مقصد چین، سکون اور اطمینان کا نام ہے"۔

انسانی فکر و عمل کی تمام حرکات کا جو مقصد ہے وہ چین اور اطمینان ہے نہ سونے اور چاندی کے انبار یا قیمتی موٹریں اور نہ بڑی بڑی بلڈنگیں اور سامان تعیش یا حکومت کا کوئی بڑا عہدہ۔ اکثر اوقات یہ سب چیزیں حاصل ہوتی ہیں لیکن چین اور اطمینان کا نام تک نہیں ہوتا۔ اگر یقین نہ آئے تو صدر جانسن اور اندرا گاندھی سے پوچھو کہ کیا تم کو ایک معمولی غریب آدمی کے برابر بھی چین حاصل ہے؟ اس طرح یورپ اور امریکہ کے ارب پتیوں سے پوچھو کہ کیا تم کو چین حاصل ہے؟ تو جواب یہ ہوگا کہ نہیں۔

لفظ انقلاب! مقصد زندگی کی نایابی کی بڑی دلیل (لفظ انقلاب ہے) ہے۔ جس کے معنی پلٹنے کے ہیں۔ اس دور میں جو نظام زندگی یا جو نظام مملکت، جو نظام معیشت۔ انسانی کی فکری کوششوں کے بعد قائم ہو جاتا ہے تو تھوڑے عرصہ بعد نعرہ انقلاب بلند ہوتا ہے۔ جس کا واضح مقصد یہ ہے کہ عوام اور نعرہ انقلاب لگانے والے اس موجودہ نظام سے مطمئن نہیں۔ وہ اس نظام کو پلٹ دینا چاہتے ہیں۔ گویا وہ اپنے نعرہ انقلاب کے ذریعے اپنی بے چینی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

بے چینی اور سکون! اس عالمی بے چینی سے یہ معلوم ہوا کہ دور حاضر کی فکری اور عملی کوششوں نے زندگی کو مقصود سے ہمکنار نہیں کیا اور تا ہنوز زندگی نے اپنی فطری و طبعی مرکز کو نہیں پایا۔ "اضطراب انقلاب اور بے چینی انسان کی باطنی حرکت کا نام ہے"۔ "چین اور اطمینان اس کے اصلی سکون کا نام ہے اور وہی اصل مقصد حیات اور راحت گمشدہ ہے"۔ اگر دور جدید کے عقلمندوں کی عقلی و عملی تگ و دو کی راہ صحیح ہوتی تو چین حاصل ہوتا لیکن اسکے برخلاف جو بے چینی انسان کو دور حاضر میں نصیب ہوئی اسکی نظیر انسان کی پوری تاریخ میں نہیں مل سکتی اور اسمیں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ خاص کر ایٹمی دور نے تو بے چینی کو عالمگیر شکل دے دی ہے۔ "یہ ہے دور حاضر کے افکار کی بنیادی غلطی"۔

بے چینی کا اصل سبب! اس بے چینی کا اصلی سبب خالق کائنات سے انسانی نسل کے تعلق کا منقطع ہونا ہے اور مادہ اور مادیات ہی سے وابستہ ہونا ہے۔ مادہ متغیر ہے اور روح کے لیے وہ غیر فطری مرکز ہے اور خالق کائنات روح انسانی کا فطری مرکز ہے۔ روح جب فطری مرکز سے ہٹا دی گئی تو اسکے حصے میں دوامی اضطراب اور بے چینی کا ہونا ایک لازمی بات ہے۔ مادی ترقی چاہے کسقدر بلند ہو لیکن اضطراب دور نہ ہوگا۔ اسی حقیقت کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ خوب سُن لو کہ صرف اللہ کی یاد اور تعلق سے انسان کو چین اور اطمینان نصیب ہو سکتا ہے۔

۹۶۔ جسمانی معراج کا قرآنی ثبوت! قرآن حکیم نے سورۃ بنی اسرائیل میں واقعہ معراج کو اس انداز میں بیان کیا ہے کہ جس سے معراج کا جسمانی ہونا خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ۔

الاقصی الخ۔

ترجمہ:

اس قرآنی آیت میں جسمانی معراج کی وجوہات حسب ذیل ہیں۔

(۱) واقعہ کا آغاز لفظ سبحان: سے ہوا ہے۔ جو تعجب کے لئے اور اظہار قدرت کے لئے استعمال ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ معراج تعجب انگیز بھی ہے اور ظہور قدرت خداوندی کی نشانی بھی ہے اور یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ واقعہ معراج جسمانی ہو، خواب نہ ہو کیونکہ خواب کیسا بھی ہو اس میں اللہ کے اعتبار سے نہ تعجب انگیزی ہے اور نہ اس عظیم قدرت کا ظہور ہے۔

(۲) بعبدہ: کے لفظ میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اس واقعہ کا تعلق جسم اور روح دونوں سے ہے کیونکہ عبد روح و جسد دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ نہ صرف روح کا ورنہ خدا یوں فرماتا۔ اسریٰ بروحہ۔

لفظ عبدہ عبادت سے ہے اور عبادت جسم اور روح کے مجموعے سے متعلق ہے۔ جیسے سورۃ جن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آیا ہے۔ وانہ لما قام عبداللہ یا سورۃ اقراء میں ارأیت الذی ینھی عبداً اذا صلیٰ۔ عبد سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مجموعہ روح و جسد مراد ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں جہاں کہیں لفظ عبد آیا ہے روح و جسم کے مجموعے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ تو واقعہ معراج میں بھی وہی معنی مراد ہیں۔

(۳) تیسری وجہ لفظ اسراء ہے۔ جو قرآن اور لغت عرب میں روح اور جسم کے مجموعے کو رات کے وقت لے جانے کا نام ہے۔ جیسے حضرت لوط علیہ السلام کو قرآن میں ارشاد ہے۔ فاسر باھلک آپ اپنے اہل کو رات کے وقت لے چلو۔ نہ یہ کہ ان کی روح کو لے چلو۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا۔ ای اسر بعبادی لیلا انکم متبعون۔ اے موسیٰ میرے بندوں کو رات کے وقت لے چلو۔ یقیناً تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔

ان دونوں آیتوں میں وہی لفظ آیا ہے جو واقعہ معراج کے بیان میں آیا ہے۔ یعنی اسراء کا لفظ لیکن دونوں جگہ جسمانی سیر مراد ہے نہ کہ خواب یا روحانی سیر اسی طرح واقعہ معراج کو بھی

کہنا چاہیے۔

۹۔ علم نفس اور علم آفاق:

کائنات میں انسان کی شرافت و عظمت ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس کا بڑا سبب انسان کا صاحب علم ہونا ہے۔ علم ہی کی وجہ سے انسان کو باقی تمام مخلوقات پر برتری حاصل ہے۔

علم روح انسانی کی وہ مخفی روشنی ہے جس نے اس کو کائنات پر حکمرانی بخشی ہے۔ اس علمی روشنی کا سرچشمہ انسانی روح کی خودی ہے۔ انسانی خودی (انا) کی علمی تجلی اور روشنی کو اگر ہم آفتاب کی ذات سے تشبیہ دیں تو یہ واقعی تشبیہ ہو گی۔

آفتاب کی روشنی سے پہلے اس کی ذات روشن ہوتی ہے پھر دیگر کائنات روشن ہوتی ہے کیونکہ نفس انکشاف آفاقی انکشاف سے مقدم ہے۔

علم بلحاظ ترتیب:

علم بلحاظ ترتیب، نفسی علم آفاقی علم سے مقدم ہے۔ تو انسان کے لئے آفاق و کائنات کے علم سے قبل اپنی ذات کا علم ضروری ہے۔

عصر حاضر کی عظیم غلطی:

عصر حاضر کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اس نے آفاق اور ماوراء انسان جاننے میں سر توڑ کوشش کی اور کر رہا ہے اور اس میں ایک بڑی حد تک اس کو کامیابی بھی ہوئی ہے۔ زراعت، تجارت، صنعت و حرفت، سمندر، ہوا، بھاپ، برق وغیرہ سب کو تسخیر کیا لیکن ان سب باتوں کے باوجود دور حاضر کا انسان قلبی مسرت، امن و اطمینان کی زندگی سے محروم ہے۔ یہ صرف اس لئے کہ جدید انسان کائنات شناس تو ہوا۔ لیکن انسان شناس نہیں ہوا۔ آفاق کا علم اس نے حاصل کیا لیکن نفس انسانی کا علم اس نے حاصل نہیں کیا بلکہ انسانیت سے اس کی غفلت اور بے خبری روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ اور تعجب یہ ہے کہ اسی غفلت فراموشی کو روشن ضمیری سمجھتے ہیں۔

کائنات کا دینی تصور و مقصد انسانی تخلیق:

ویتفکروں فی خلق السموٰات والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحانک فقنا عذاب النار۔

ترجمہ: وہ لوگ قابل تعریف ہیں جو کائنات سماوی و ارضی میں فکر صرف کرتے ہیں اور نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ اے پروردگار عالم تو نے کائنات کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ دوزخ کی آگ سے نجات دو۔

قرآن اور اسلام مادی تصور کے علاوہ کائنات کے دینی تصور پر بھی زور دیتا ہے تا کہ اپنے مقصد حیات کو پا سکے جس میں پوری انسانیت کی فلاح و بہبودی کا راز مضمر ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں سائنسی کائنات کے سفلی و علوی دونوں تصوروں کو جمع کیا گیا۔

مادی و سفلی تصور کائنات تو ابتدائی الفاظ سے معلوم ہوا کہ وہ فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں بلکہ قابل تعریف ہے۔ بشرطیکہ اس سفلی تصور کو دوسرے علوی تصور کے ساتھ جمع کیا جائے جو دینی اور الہٰی تصور ہے۔ جو آیت مذکورہ کے آخری حصہ میں مفہوم ہے۔ جس کا حاصل مقصدیت اور نجات کا تصور ہے نہ فقط یہ سفلی تصور کہ نعمتوں میں ڈوبو مگر مالک نعمت کو بھولو۔

کائنات سائنس کا دینی اور روحانی تصور:

اسلام اور قرآن نے مطالعہ کائنات پر زور دیا لیکن ایک جامع نظریہ کے تحت یعنی دینی و دنیوی دونوں حیثیتوں سے۔

دنیوی حیثیتوں سے قرآن نے خلق لکم ما فی الارض جمیعاً کا اعلان کر کے انسان کو اس طرف متوجہ کیا کہ خالق کائنات نے انسان کی دنیوی بہبودی اور معاشی خوش حالی کے لئے اتنا عظیم ذخیرہ زمین میں رکھا ہے کہ تمام انسان تجربی اور سائنسی فکر کے تحت اس سے جتنا کچھ حاصل کریں قدرت کے اس لامحدود منافع ارضی کو وہ ختم نہیں کر سکتے۔

بلکہ زمین کے طبقات میں اب تک وہ ذخائر موجود ہیں جن کو سائنسی تجربات نے اب تک

تک نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سائنس کی برق رفتاری جاری ہے اور دریافت قوانین قدرت کا سلسلہ غیر مختتم ہے اور رکتا نہیں۔

سائنس کی ترقی کا نہ رکنا صاف بتلا رہا ہے کہ منافع کائنات اور قوانین قدرت لامحدود ہیں۔ اسی لامحدودیت کی طرف قرآن نے ان الفاظ میں اشارہ کیا۔

وان تعدوا نعمتہ اللہ لا تحصوھا ان الانسان لظلوم کفار۔

یعنی اگر تم سب مل کر نعماء الہٰی اور فوائد قدرت کے ذخائر کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کر سکو گے۔ یقیناً انسان بڑا بے انصاف اور سخت ناسپاس ہے۔

موجودات کی اقسام:

موجودات کی صرف تین اقسام ہیں (۱) خدا تعالیٰ منعم۔ مالک نعمت ہے۔ (۲) انسان۔ منعم علیہ۔ یعنی نعمت سے استفادہ کرنے والا۔ (۳) دیگر کائنات۔ وہ نعمت ہے سائنس نے اگر قوانین قدرت کو دریافت کر کے دائرۂ نعمت کو وسیع کر دیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ اس کے دل میں مالک نعمت کی عظمت اور محبت کا احساس پیدا ہو نہ کہ خدا فراموشی۔

احسان فراموشی:

کائنات کے سفلی تصور پر قناعت کرنا اور علوی تصور سے غفلت برتنا یعنی نعمت میں ڈوب جانا اور صاحب نعمت کو فراموش کرنا۔ اس سے بڑھ کر بے انصافی کیا ہو گی۔ اس لئے تو قرآن نے انہی نعمتوں کی لامحدودیت کو بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ ان الانسان لظلوم کفار۔

۹۸۔ قوت و دولت اور حقیقت شناسی:

انسانی فطرت کی یہ بنیادی کمزوری ہے کہ وہ حق اور صداقت کو دل و دماغ کے ترازو سے نہیں بلکہ قوت و شوکت کے ترازو سے تولتا ہے اور جس حق کے ساتھ قوت نہ ہو اس کو باطل سمجھتا ہے اور جس باطل کے ساتھ قوت موجود ہو اس کو حق قرار دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا مقدس گروہ جب آیا اور اس نے حق پیش کیا تو فرعون اور نمرود جیسوں

نے ان کے زیر اثر لوگوں نے ان کا تمسخر اڑایا مگر آخر ہوا وہ جو ایسے موقعوں پر ہوتا آیا ہے۔

قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا۔

اقتدار کو دلیل حقانیت اور ضعف کو دلیل بطلان سمجھنا خطرناک غلطی ہے۔

حق قیمتی ہے خواہ غریب اور ضعیف کی زبان سے ادا ہو اور باطل بے قیمت ہے چاہے شہنشاہ عالم کی زبان سے نکلے۔ بناء بریں علماء اسلام اگر غریب ہیں اور ضعیف ہیں لیکن جو حق وہ ظاہر کرتے ہیں اس کو محض ان کی غربت اور ضعف کی وجہ سے ناحق نہ سمجھا جائے کیونکہ حقائق نہیں بدلتے خواہ کہیں بھی ہوں اور کسی کی زبان سے ہوں۔

۹۹- توحید باری تعالیٰ:

ذاتِ باری کا اعتراف تمام ادیان اور فلسفوں میں اجمالی رنگ میں موجود ہے۔ اس لئے اسلام نے زیادہ زور توحید پر دیا۔ قرآن نے اعلان کیا۔ ولئن سألتهم من خلق السموٰت والارض ليقولن الله۔ (اگر مشرکوں سے سوال کریں کہ آسمان اور زمین کو کس نے بنایا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے بنایا ہے۔)

ہمیں جن اسباب سے خدا تعالیٰ کا یقین ہوتا ہے ان سے خدا تعالیٰ کی توحید ذاتی کا بھی یقین ہوتا ہے۔ عالم اگرچہ کثیر الاجزاء اور کثیر الافراد ہے لیکن سب مل کر ایک ہے اور اسی ایک کل اور مجموعہ کے تمام پرزے ایک دوسرے سے ایسے وابستہ ہیں کہ صرف وہی ایک شخص اس کو چلا سکتا ہے جو ان تمام پرزوں کا موجد اور وہی ان تمام پرزوں کے تناسب کا نگران ہے۔

اب ایسے کارخانے کے موجد کئی خدا نہیں ہو سکتے۔ عالم شئی واحد ہے اور شئی واحد کی علت تامہ ایک ہو گی۔ اگر دو ہو گی تو دوسری بالکل بے کار ہو گی۔ اسی کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا۔ لوكان فيهما الهة الا الله لفسدتا۔ اگر آسمان اور زمین میں کئی خدا ہوتے تو نظام عالم بگڑ جاتا۔

۱۰۰- امام بخاریؒ:

حضرت امام بخاریؒ کا مختصر نسب نامہ یہ ہے۔ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم ابن المغیرہ بن

بردزبہ الجعفی۔

بردزبہ: اہل بخارا کی لغت میں بمعنی کاشتکار یا کارندہ کے ہے۔

بردزبہ: اپنے آبائی دین مجوسیت پر تھا۔ امام بخاریؒ کا پردادا (مغیرہ) حاکم بخارا (یمان جعفی) کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا۔ اس زمانہ کے دستور کے مطابق کہ جو شخص جس کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا وہ اس کے قبیلے کی طرف منسوب ہو جاتا تھا۔ امام بخاریؒ کا پردادا (مغیرہ) بھی یمان جعفی کے ہاتھ پر اسلام لانے کی وجہ سے جعفی کہلائے۔ اسی نسبت سے امام بخاریؒ بھی جعفی کہلانے لگے۔

ولادت، وفات، عمر:

ولادت: ۱۳ شوال ۱۹۴ھ مطابق ۲۱، جولائی ۸۱۰ء شب جمعہ۔ بخارا میں پیدا ہوئے۔

وفات: ۳۰ رمضان المبارک ۲۵۶ھ مطابق ۳۱، اگست ۸۷۰ء کو ۶۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔

مقام وفات: (خرتنگ) جو سمرقند سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔

تاریخ ولادت لفظ (صدق سے) تاریخ وفات لفظ (نور) سے اور مدتِ عمر لفظ (حمید) سے نکلتی ہے۔

واقعہ: امام بخاریؒ کو بچپن سے احادیث یاد کرنے کا شوق تھا۔ آپ نے جب مکتب سے فراغت پائی تو (بخارا) کے مشہور محدث (داخلیؒ) کی خدمت میں آمدورفت شروع کی۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ اثناء درس (داخلیؒ) کی زبان سے نکلا۔ سفیان عن ابی زبیر عن ابراهیم: امام بخاریؒ فوراً بول اٹھے کہ ابی زبیر، ابراہیم سے روایت نہیں کرتے۔ (داخلیؒ) کو تردد ہوا تو امام بخاریؒ نے کہا اصل نسخہ کو دیکھنا چاہیے۔ محدث مذکور اپنے مکان پر تشریف لے گئے اصل نسخہ کو دیکھا اور باہر تشریف لائے۔ فرمایا اس لڑکے کو بلاؤ۔ جب بخاری حاضر ہوئے تو محدث مذکور نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور کہا کہ اب آپ بتلائیں کہ صحیح کس طرح ہے تو امام بخاریؒ نے کہا کہ سفیان عن الزبیر بن عدی عن ابراهیم۔ محدث

مذکور حیران ہوئے اور کہا کہ یہ درست ہے۔ پھر قلم لے کر قرأت کے لفظ کی تصحیح کی۔ یہ امام بخاریؒ کی عمر کا گیارہواں سال تھا۔

امام بخاریؒ کا حافظہ:

امام بخاریؒ کے ہم درس حاشد بن اسماعیل محدث لکھتے ہیں کہ بخاریؒ ہمارے ساتھ شیوخ حدیث کے پاس جاتے تھے لیکن چونکہ ان کے پاس لکھنے کا سامان نہ ہوتا تھا اس لئے وہ سنی ہوئی حدیثیں نہیں لکھتے تھے اور ہم لکھ لیتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ جب آپ لکھتے نہیں تو پھر درس میں آنے کا کیا فائدہ؟ اس بات کو سولہ دن گذر گئے تھے تو بخاریؒ نے مجھے کہا کہ تم لوگوں نے مجھے بہت تنگ کیا۔ آؤ اب میری یادداشت کا اپنے نوشتوں سے مقابلہ کر لو۔ ان ایام میں ہم پندرہ ہزار احادیث لکھ چکے تھے۔ لیکن بخاریؒ نے ان سب احادیث کو اپنی یاد سے ایسی صحت کے ساتھ سنایا کہ ہم نے اپنی نوشتوں کی غلطی بھی اس سے درست کر لی۔ حاشدؒ کہتے ہیں کہ میں نے تو اسی روز سمجھ لیا کہ آگے چل کر ان کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا۔

۱۰۱۔ قلب:

ایک تو گوشت کا لوتھڑا ہے جو بائیں پستان کے نیچے ہے۔ اس کے علاوہ ایک نور ہے جس سے علم اور یقین کی شعاعیں نکلتی ہیں۔ وہ دل سے پھوٹتی ہیں۔

بجلی کے کارخانے سے اگر قمقموں کا تعلق ختم ہو جائے تو قمقمے خود بخود بے نور ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ادراک علوم و معارف بھی بجلی ہے۔ (نور ہے)

قرآن پاک کو نور کہا گیا ہے۔ مشین اس کی قلب ہے۔ اس مشین سے مختلف بلب یا قمقمے روشن ہوتے ہیں۔ ایک بلب دماغ ہے ایک قلب۔ ایک آنکھ اور ایک کان ہے۔

مشین کام کرے تو بلبوں اور قمقموں میں روشنیاں نظر آتی ہیں۔

اگر جان نکل جائے تو سب کچھ ختم۔ قلب۔ دماغ۔ آنکھ وغیرہ سب بے کار ہو جاتے ہیں۔

۱۰۲۔ مؤمن کی نیت:

نیۃ المؤمن خیر من عملہ: اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر آپ نے اچھی نیت کی

اس پر عمل نہ کر سکے یا نہ ہوا تو وہ اس سے بہتر ہے کہ اگر عمل ہوا اور اس کی نیت [illegible]

صحیح نہ ہو تو وہ عمل کسی کام کا نہیں ہے بلکہ اس پر عذاب کا احتمال ہے۔ اس لئے [illegible] ہے کہ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

۱۰۱۔ مقام محبت:

[illegible] ونی کما اطرت الیھود والنصاریٰ انبیائھم۔ حضور نبی کریم صلی اللہ [illegible] وسلم فرماتے ہیں کہ خدائی صفات کسی کو نہ دو یا خصوص جیسے یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء [illegible] السلام کو دے رکھے تھے۔

[illegible] کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تو جزو ایمان ہے۔ لا یؤمن احد کم حتی [illegible] احب الیہ من نفسہ وولدہ ووالدہ والناس اجمعین۔ اس وقت تک [illegible] مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان، اپنی [illegible] اپنے والدین اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ جانے۔

[illegible] تو جزو ایمان ہے لیکن نزاکت اس میں یہ ہے کہ محبت اور عبدیت کو جمع کیسے کیا [illegible] اللہ اللہ ہے اور عبد عبد ہے۔ مقام نبوت کو مقام خدا میں یا خدا کی حد میں خلط ملط نہ [illegible] اگر توحید مٹ گئی تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصد مٹ گیا اور تم لوگ اللہ اور رسول [illegible] اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں میں گر گئے۔

[illegible] تھانویؒ فرماتے ہیں کہ محبت کے بہت عنوان ہیں جو عنوان شریعت سے ٹکرائے وہ [illegible] جائز نہیں۔

۱۰۲۔ ذکر اللہ جان جہاں ہے:

[illegible] تقوم الساعۃ حتی۔ جب تک زمین پر اللہ اللہ کا ذکر موجود ہو گا قیامت قائم نہ ہو [illegible]

[illegible] یہ کہ جب تک ایک آدمی بھی اللہ اللہ کہنے والا زمین پر موجود ہو تو اس وقت تک

قیامت قائم نہ ہو گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکراللہ جان جہاں ہے۔ یہ میں نہیں کہہ رہا بلکہ خالق جہان کا فرمان ہے۔

دینی اور روحانی زندگی کے لئے بھی اور اس دنیوی جہان کے وجود کے لئے بھی ذکراللہ جان ہے۔

۱۰۵ - ذکراللہ جان جہاں آخرت ہے:

آخرت کی زندگی کی جان بھی ذکراللہ ہے۔ آخرت کی زندگی کو فنا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کی بھی انتہاء نہیں اور اس کے طریقوں کی بھی انتہاء نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے دنیوی زندگی کی بقاء کے لئے ایک چیز کا انتخاب کیا وہ (ہوا) ہے ہر جاندار کی زندگی سانس سے وابستہ ہے۔ سانس کیا ہے؟ وہ ہوا کا آنا جانا۔ سانس اور ہوا کی آمدورفت رک گئی تو آدمی مر گیا۔

گویا ہر جاندار کو محتاجِ ہوا بنایا۔ ہوا بھی جہاں فانی کی چیز ہے کیونکہ اس نے بھی مٹنا ہے۔ مثلاً جب انگیٹھی میں پھونکنی سے پھونک ماریں تو ارد گرد کا مقام آگ سے پر ہو جاتا ہے اس کارروائی سے ارد گرد کی ہوا مٹ کر آگ بن گئی۔ پھونکنی سے جو آگ کا شعلہ نکلتا ہے وہ پاس والی ہوا آگ کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ گویا ہوا مٹنے والی چیز ہے۔

جنت کی زندگی کا معیار ابدی ہے:

انسان کی اخروی زندگی کا مقام جنت ہے۔ جو ابدی ہے اور اس کی زندگی کا معیار بھی ابدی چیز ہے۔ ان اھل الجنۃ یلھمون الذکر کما یلھمون النفس۔

سانس ہمارا ایک فطری معاملہ ہے۔ اسے ہم کسی کام میں بھی شمار نہیں کرتے۔ اس کے لینے میں دقت نہیں بلکہ راحت محسوس ہوتی ہے۔

جنت والوں کی زندگی کا مدار سانس کی بجائے اللہ تعالیٰ کے ذکر پر ہو گا۔ جس طرح دنیا کی حیات ہوا پر منحصر ہے۔

ہوا فانی ہے تو دنیا کی زندگی بھی فانی ہے۔ اللہ کا ذکر نہ مٹنے والا ہے اور نہ ہی اسے زوال ہے۔ اس لئے جنت کی زندگی کو بھی زوال نہیں۔

۱۰۶ - شیطان کا وجود:

دہریات کے علوم والے شیطان کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔ یہ ان کی بے انصافی ہے۔ جب سے انسانی تاریخ چلی ہے جب سے شیطان کا وجود مسلّم ہے۔ تورات و انجیل۔ باب صفر کوئین میں حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کا ذکر ہو بہو اسی طرح موجود ہے جس طرح قرآن پاک میں ہے۔

ہر عقلی تجربے میں آنے والی چیز ہے۔ ایسی ہستی کا وجود تو آثار سے ماننا پڑتا ہے۔ جیسے دھوپ سے سورج کے وجود اور اثر کو دیکھ کر چیز کا یقین کرنا پڑتا ہے۔

آدمی نیک ہو نفس مطمئنہ کا مالک ہو جب وہ اپنے خلوت خانہ میں ذکر الٰہی میں مشغول ہوتا ہے تو اچانک اس کے دل میں گناہ کا خیال آجاتا ہے یہ کیفیتیں نیکوں کے سردار حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی پیش آئی تھیں۔

تو برے خیال اور برے وسوسوں کا آنا یہ دلیل ہے کہ کوئی بیرونی سرچشمہ ان خیالات یا وساوس کا سبب ہے۔ اسی کا نام شیطان ہے۔

۱۰۷ - شیطانی مقاصد:

(۱) شیطان کا سب سے بڑا مقصد انسان سے انتقام لینا ہے۔ جس انسان کے بزرگ (حضرت آدم علیہ السلام) کی وجہ سے بلندی سے پستی پر آگرا اور لعنت کا مورد ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے اسے انتقام کے لئے مہلت بھی دے دی جب اس نے استدعاء کی۔

انظرنی الیٰ یوم یبعثون قال انک من المنظرین الی یوم الوقت المعلوم۔

(۲) دوسرا مقصد انسان سے اللہ تعالیٰ کی معبودیت چھیننا ہے۔ ایک نعبد وایاک نستعین۔

کہ اللہ تعالیٰ معبود نہ ہو شیطان معبود ہو۔ اسی وجہ سے یہ حکم صادر ہوا کہ یبنی ادم لا تعبدوا الشیطن کہ اے اولاد آدم شیطان کی بندگی نہ کرو۔

قرآن میں بار بار تاکید آئی ہے کہ شیطان کی عبادت نہ کرو! مگر آپ نے یہ بھی دیکھا ہے کہ دنیا میں انسان سے معمولی سے معمولی چیزوں کے بت بنا کر ان کی عبادت کی ہے لیکن شیطان کا بت کبھی کسی نے نہیں بنایا اور نہ ہی بتوں کی طرح اس کی عبادت کی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم ماننے کے بجائے شیطان کا کہنا ماننا بھی اس کی عبادت کرنے کے مترادف ہے۔

نکتہ: ان الشیطٰن للانسان عدو مبین۔ عدو کے ساتھ لفظ مبین آیا ہے۔

انسان میں قدرتی طور پر دشمنی کا مادہ ہے۔ یہ مادہ فطری ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جتنا غصہ اور جس قدر دشمنی انسان سے ممکن ہو وہ ساری کی ساری شیطان کے خلاف استعمال ہونی چاہیے۔

۱۰۸۔ اعوذ۔ نعبد؟:

اعوذباللہ من الشیطٰن الرجیم۔ میں قرآن اعوذ واحد کا صیغہ لایا ہے حالانکہ قرآن کا عام انداز ایسے موقعوں پر جمع کا صیغہ لانا ہے۔ مثلاً ایاک نعبدوا ایاک نستعین۔

جہاں اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے وہاں جماعت کا ذکر ہے اور جہاں شیطان سے پناہ کا ذکر ہے وہاں فردیت ہے۔

اس میں حکمت یہ ہے کہ شیطان ایسا دشمن ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے سب تمہاری امداد کریں تب بھی یہ نہیں بھاگے گا۔

ظاہری طور پر دشمن کا اثر ایک پر ہوتا ہے دس پر نہیں ہوتا یعنی زیادہ تعداد پر نہیں ہوتا۔ جتنی زیادہ تعداد ہو گی دشمن اتنا مغلوب ہو گا۔ مگر شیطان نظر نہیں آتا تم جماعت کے باوجود اکیلے ہو۔ تو شیطان سے کٹ کر اللہ تعالیٰ سے جڑ جاؤ تو شیطان سے محفوظ ہو جاؤ گے۔ اعوذ کے بعد لفظ با کا استعمال بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ عربی لفظ با تعلق کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ہم اگر شیطان سے بچنا چاہتے ہیں تو لفظ با ہمیں یہ اشارہ کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جتنا زیادہ تعلق ہو گا اتنا شیطان سے محفوظ رہو گے۔

۱۰۹۔ استقامتِ دین:

[illegible] پر قائم رہنا بہت بڑا مقصد ہے۔ یعنی انسان موت تک دین پر قائم رہے۔

[illegible] رہنا اللہ ثم استقاموا۔ یعنی موت تک دین پر قائم رہو۔ دیکھو اگر ہمارے پاس [illegible] ہو تو ہم اس سے تجارت وغیرہ کرتے ہیں تا کہ اصل زر کے علاوہ اور سرمایہ بڑھے۔ [illegible] اس کی حفاظت بھی کرتے ہیں تا کہ ضائع نہ ہو جائے۔

[illegible] طرح اگر دین ہاتھ میں آیا ہے تو اس کی حفاظت کرو تا کہ یہ قیمتی سرمایہ ضائع نہ ہو [illegible] اور وہ (استقامت ہے)

[illegible] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت مبارک اتنی عمدہ تھی کہ ۶۳ برس کی عمر میں بیس [illegible] مبارک بھی ریش مبارک میں سفید نہ تھے۔ یعنی بیس سے کم سفید تھے۔ اچانک آپ کے [illegible] مبارک کافی تعداد میں سفید ہو گئے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے [illegible] کرنے پر فرمایا کہ مجھے سورۃ ھود نے بوڑھا کر دیا ہے۔ ایک بزرگ لکھتے ہیں کہ میں نے [illegible] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب میں عرض کیا کہ سورۃ ھود میں جو امت کی تباہی [illegible] لعات ہیں انہوں نے آپ پر بڑھاپا وارد کر دیا؟

[illegible] نہیں صرف لفظ فاستقم نے کیا پتہ ہم فرمانِ خداوندی کے مطابق قائم رہیں گے کہ [illegible]۔ اب ہم سوچیں کہ صاحب قرآن پر اس کا اتنا اثر پڑا کہ بال مبارک سفید ہو گئے۔ ہمارا [illegible] ہو گا؟

۱۱۰۔ رحمتِ جامعہ:

[illegible] ارسلناک الا رحمۃ للعلمین۔ ہم نے نہیں بھیجا مگر سارے جہان کی رحمت بنا

[illegible] کا معنی یہ ہے کہ آپ کی لائی ہوئی شریعت دین وغیرہ سب کچھ سراپا رحمت ہے۔ آپ [illegible] شریعت میں صرف رحمت کا بیان ہے۔ اس کے مقابلے میں کوئی شخص دوسری شریعت [illegible] تراشے تو وہ رحمت سے زحمت کی طرف جا رہا ہے تو شریعتِ محمدی رحمتِ جامعہ کا نام

ہے۔

۱۱۱۔ فضیلتِ سورۃ فاتحہ:

(۱) حضرت ابو سعید بن معلی۔ فرماتے ہیں کہ میں نماز نفل ادا کر رہا تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا۔ میں نے جواب نہ دیا۔ فارغ ہونے کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ جواب کیوں نہیں دیا۔ عرض کی کہ میں نماز ادا کر رہا تھا تو اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ کے رسول کا بلاوا آوے تو جواب دے دیا کرو۔ کیونکہ یہ نماز نفل تھی اور نبی کا بلاوا فرض ہے۔

تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الا اعلمک اعظم سورۃ فی القرآن قبل ان تخرج من المسجد۔ (بخاری)

کہ میں تجھے مسجد سے نکلنے سے پہلے سارے قرآن کی افضل سورۃ بتا دوں۔ تو آپ نے فرمایا وہ سورۃ فاتحہ ہے۔

(۲) حضرت ابی ہریرہ سے ترمذی شریف میں روایت ہے کہ حضرت ابی ابن کعب کو آپ نے فرمایا کہ مسجد سے نکلنے سے پہلے قرآن میں سب سے اعلیٰ و اعظم سورۃ بتلا دوں؟ فرمایا سورۃ فاتحہ اعظم سورۃ ہے۔ حضرت امام ترمذیؒ نے روایت کی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

تو معلوم ہو گیا کہ آسمان سے جتنی کتابیں نازل ہوئی ہیں ان سب سے افضل سورۃ فاتحہ ہے۔

(۳) تیسری حدیث حضرت عبداللہ بن عباس سے مسلم شریف میں نقل ہے۔ فرماتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انسانی شکل میں حاضر تھے کہ اوپر سے سخت و نیچی آواز سنی تو آپ نے اوپر دیکھا تو فرمایا ھذا باب من السماء فتح الیوم لم یفتح قط الا الیوم فنزل منہ ملک فقال ھذا ملک نزل الی الارض لم ینزل قط الا الیوم فسلم فقال ابشر بنورین اوتیتھما لم یؤتھما نبی قبلک فاتحۃ الکتاب وخواتیم سورۃ بقرۃ۔

کہ آسمان میں مختلف دروازے ہیں جن کی گنتی معلوم نہیں مگر اس وقت ایک دروازہ کھلا ہے جو آج سے قبل کبھی نہیں کھلا ہے اس سے ایک فرشتہ زمین پر آیا ہے یہ آواز اس فرشتہ

کی تھی۔ وہ فرشتہ ساری زندگی زمین پر نہیں اترا۔ اس فرشتے نے کہا کہ میں اللہ کی طرف سے دو نور دیتا ہوں جو کسی اور نبی کو نہیں دیئے گئے۔ ایک نور سورۃ فاتحہ کا دوسرا نور خواتیم سورۃ بقرہ کا۔

اس فرشتہ نے کہا زندگی میں ایک بار اترا ہوں اور دو نور لے آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص ان دو نوروں سے درخواست کرے گا تو وہ منظور و مقبول ہو گی۔

(۴) مسلم شریف میں حدیثِ معراج میں ایک اور اضافہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے سفر معراج میں تین چیزیں ملی ہیں۔ (۱) پانچ نمازیں (۲) خواتیم سورۃ بقرہ۔ (۳) یہ کہ تیری امت میں جو شرک نہ کرے گا میں اسے بخش دوں گا۔

قول مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھوں تو اونٹ کے انبار برابر دفتر تیار ہو جائے۔

قرآن کا اندازِ بیان:

(۱) تفسیر اتقان میں ہے کہ قرآن کا اعجاز ہے کہ عوام اور خواص دونوں کی رعایت کرتا ہے۔

(۲) بدرالدین زرکشیؒ نے لکھا کہ قرآن میں عوام اور خواص دونوں کا لحاظ ہے۔

چونکہ عوام الناس میں مخاطب ۹۵ فیصد علم سے ناواقف عوام ہوتے ہیں اور اہل علم صرف ۵ فیصد ہوتے ہیں تو قرآن کا طریق یہ ہے کہ وہ ان کو سمجھانے کا خاص اہتمام کرتا ہے اور عام فہم انداز سے کلام کرتا ہے۔

۱۱۲۔ سورۃ فاتحہ اور اسلامی طرزِ حکومت:

آج کل سیاست جھوٹ، غداری اور نفاق کا نام ہے۔ شروع میں انگریز نے جھوٹ اور غداری سے سیاست چلائی۔ مگر جب جدید تعلیم یافتہ مسلمان طبقہ یورپ زدہ ذہن نے جب انگریز کی سیاست چلائی تو یہ طبقہ اپنے نفاق میں انگریز کو پیچھے چھوڑ گیا۔

معنیٰ سیاست:

سیاست کا معنی ہے (حقوق اللہ و حقوق العباد کی حفاظت) یعنی وہ نظام و قانون جس میں اللہ کے حقوق اور اللہ کے بندوں کے حقوق کی حفاظت ہو۔ مگر اب حالت یہ ہے کہ مالگذاری میں کوئی ایک آنہ نہ دے تو جیل جائے اور اگر زکوۃ کوئی نہ دے تو کوئی نہیں پوچھتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت نہیں۔

ایک آدمی پٹواری نہ ہو اور دعویٰ کرے کہ میں پٹواری ہوں۔ اسی طرح کوئی شخص غلط دعویٰ کرے کہ میں ڈپٹی کمشنر ہوں اور وہ حقیقت میں ڈپٹی کمشنر نہ ہو تو اسے سزا دی جائے گی۔ لیکن اگر ایک آدمی کہے کہ میں نبی ہوں تو اس کے لئے کوئی سزا نہیں۔ کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت ہی نہیں۔ پہلے حضرات انبیاء علیہم السلام سیاست چلاتے تھے۔ یہ کام اب انبیاء علیہم السلام کے ورثاء کا ہے۔

تو آج بیسویں صدی کے شیطانوں کا کام جو ہے یہ صحیح سیاست نہیں۔

سلطنت کی مضبوطی کا طریقہ:

(۱) انسداد فساد داخلی۔ یعنی اندرونی فساد کا دروازہ بند کرنا۔

(۲) انسداد فساد خارجی: کہ بیرونی حملہ آور کو روکا جائے۔ ان کا سدباب کیا جائے۔

(۳) مقصد سیاست یعنی جنرل قانون کیا ہو؟ تو اللہ میاں نے سورۃ فاتحہ میں جنرل قانون بھی واضح فرما دیا۔ چونکہ اللہ میاں بڑا بادشاہ اور حاکم ہے تو چھوٹے حاکم انسان کو بھی اس کے طریقہ پر چلنا چاہیے۔

ایک مرتبہ قومی اسمبلی کا سپیکر میرے پاس آیا۔ پوچھنے لگا کیا واقعی السلطان ظل اللہ فی الارض۔ یہ حدیث ہے؟

میں نے کہا ہاں۔ اگر لکڑی کو دھوپ میں سیدھا کھڑا کر دیں تو سایہ سیدھا ہوگا۔ ٹیڑھی لکڑی کر دیں تو ٹیڑھا سایہ ہوگا۔ تو سایہ اصل چیز کی مخالفت نہیں کرتا۔ ثابت ہوا کہ جو اللہ کی مخالفت کرے وہ اس کا سایہ نہیں۔ وہ بیچارہ کچھ اور سمجھ کر آیا تھا لیکن مطلب حل نہ ہوا۔

(۱) انسداد بغاوت داخلی کا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں حکومت سے نفرت ہوتی ہے لوگ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ تو حکومت ایسی ہو کہ ہر آدمی کی زبان سے نکلے سبحان اللہ کیا اچھا کام کیا۔ یعنی ایسا کوئی غلط کام نہ کرے جس سے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہو۔

تو ایسی صورت میں یقینی بات یہ ہے کہ قلوب الرجال حکومت کے ساتھ ہوں گے۔ تو اس کے لئے چار قواعد ہیں۔

(۱) پرورش۔ (۲) عوام کے مفاد کی کوشش کرنے (۳) غریب و امیر سے عدل و انصاف کرے (۴) دین کے نفاذ کی کوشش کرے۔ اگر حکومت ان مذکورہ بالا چار قواعد پر عمل کرے تو عوام کے دل صاف ہوں گے اور حکومت کے ساتھ ہوں گے۔

(۱) تو رب العالمین فرما کر پرورش کا مسئلہ حل کیا۔

(۲) الرحمن الرحیم: فرما کر مفاد کا مسئلہ حل کیا۔ الرحمن دنیا میں اور الرحیم آخرت میں۔

۳۔ مالک یوم الدین۔ فرما کر عدل کا مسئلہ حل کر دیا۔ فرمایا کہ روز جزا کا مالک ہے۔

(۴) اھدنا الصراط المستقیم الخ: فرما کر اساسی دستور کا مسئلہ حل کر دیا۔

پورا نظام حکومت اساسی دستور کے گرد گھومتا ہے۔ تو اساسی دستور محور ہوا۔

پھر اساسی دستور کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔ (۱) تبلیغ حق۔ (۲) تعلیم حق

ان دو چیزوں سے خلفاء راشدین کو عروج نصیب ہوا۔ ان حضرات نے عرب سے نکل کر لوگوں کو حق کی تعلیم و تبلیغ دی۔ جس سے اسلامی مملکت کا دائرہ وسیع ہوا۔ تم بھی اس اساسی دستور پر عمل کر کے اسلام پھیلاؤ۔ اور لوگوں کو مغضوب گروہ سے نکال کر منعم گروہ میں داخل کرو۔

تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں سیاسی لحاظ سے تمام اصولی باتیں فرما دیں۔

(۱) لوگوں کی زبانیں حکومت کی مخالفت کرنے سے بند ہوں۔

(۲) دل حکومت کے ساتھ ہو۔

(۳) عدل و انصاف ہو۔ مساوات ہو۔

(۴) پرورش ہو۔ اشیاء ضروری مہیا ہوں۔

(۵) اور آخر میں دستور اساسی وضع فرمایا کہ تمہارا مرکز یہ ہے کہ حق کا بول بالا ہو۔

۱۱۳ - اجابت دعا کے مواقع:

انسانوں سے ان کی حیثیت سے کم چیز مانگی جائے تو وہ ناراض ہوتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ سے کم و بیش جتنی چیز مانگو رب العزت خوش ہوتے ہیں۔

دعاء کوئی رد نہیں ہوتی۔ اس کا صلہ دنیا یا آخرت میں ضرور ملے گا۔

(۱) آخری شب بوقت تہجد دعاء قبول ہوتی ہے۔

(۲) فرض نماز کے اذانوں کے بعد دعاء قبول ہوتی ہے۔

(۳) اور خطبہ جمعہ کے مابین وقفہ میں بھی دعاء قبول ہوتی ہے۔

(۴) بارش کے وقت بارش میں کھڑ ہو کر دعاء مانگی جائے تو قبول ہوتی ہے۔

(۵) میدانِ جہاد میں دعاء قبول ہوتی ہے۔

(۶) حدیث پاک میں ہے کہ مظلوم کی بددعاء سے بچو اگرچہ کافر بھی مظلوم ہو تو اس کی بددعا سے بھی بچو۔

۱۱۴ - درخواست دعا:

درخواست بھی رب العزت نے مرتب فرمائی ہے۔ جو دعا خود مالک مرتب کر دے اس کی قبولیت میں کوئی شک نہیں ہے۔

(تین بنیادی چیزیں) درخواست میں تین بنیادی چیزیں ہوتی ہیں۔

(۱) درخواست میں مکتوب الیہ کے القاب لکھے جاتے ہیں۔

(۲) دوسری چیز یہ کہ درخواست کنندہ اپنا تعلق بتلاتا ہے۔

(۳) تیسرا اظہار مقصد کہ درخواست کا مقصد ظاہر کیا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔

(۱) القاب: الحمدللہ سے لے کر مالک یوم الدین تک القاب الٰہی ہیں۔

(القاب الٰہی) (۱) محمودیت الٰہی۔ (۲) ربوبیت الٰہی۔ (۳) رحمانیت الٰہی۔ (۴) عادلیت

یہ اللہ تعالیٰ کے القاب ہیں۔

(۲) تعلقات: درخواست میں اپنے تعلقات کا اظہار ہوتا ہے۔

ایاک نعبدو ایاک نستعین، کہ اے خدا جب ہم امداد مانگتے ہیں تو آپ سے مانگتے ہیں اور جب ہم عبادت کرتے ہیں تو آپ کی کرتے ہیں۔ یہ تعلق ہوا۔

(۳) اظہار مقصد: درخواست میں مقصد کا اظہار کیا جاتا ہے کہ مجھے فلاں چیز چاہیئے۔

صراط الذین انعمت علیھم--- ولا الضالین، آمین۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم حقیر انسان ہو تم حقیر چیز مانگو گے۔ میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ مجھ سے کیا مانگو۔ وہ یہ کہ اے اللہ ہمیں گمراہی والی قوم مثلاً یورپ و امریکہ والی قوم سے محفوظ رکھ۔

۱۱۵ - حقیقت الحمدللہ:

حمد، مدح اور شکر یہ تینوں عربی کے الفاظ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف کے لئے (حمد) کا لفظ یعنی الحمدللہ کا انتخاب کیا۔ کیونکہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

(۱) حمد: حمد کا معنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف صرف زبان سے ہو۔

(۲) شکر: شکر اس کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہاتھ، پاؤں یا قلب سے ہو۔

(۳) مدح: اس تعریف کا نام ہے جو ایک زندہ اور مردہ بے جان چیز دونوں کے لئے تعریف کی جائے۔

شکر اور مدح وغیرہ سے حمد کے لفظ کو فوقیت ہے اس لئے اس کا انتخاب ہوا کیونکہ یہ زندہ کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس بھی حی قیوم ہے۔

حدیث: ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے الحمدللہ کی تفسیر میں حدیث نقل کی ہے صحیح سند سے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی آدمی کو ساری دنیا دے دے اور پھر وہ کہے الحمدللہ تو پوری دنیا سے یہ الحمدللہ کا پڑھنا زیادہ وزن رکھتا ہے۔

جنت میں داخل ہوتے وقت انسان کے منہ میں سے نکلے گا۔ الحمدللہ۔

۱۱۶-قل رب زدنی علما:

مفسرین لکھتے ہیں کہ علم دین سے بڑھ کر اگر کوئی اور چیز ہوتی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بڑھانے کی دعا کا فرمایا جاتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ علم آپ کو دیا گیا ہے۔ معلوم ہو گیا کہ علم کی حد نہیں۔

مگر اس وقت امتِ محمدیہ کا یہ حال ہے کہ خود تو علم سیکھا نہیں اور جنہوں نے سیکھا ہے ان کا مذاق اڑا رہے ہیں اور پھر اس پر فخر کرتے ہیں۔

۱۱۷- رب العالمین:

اللہ تعالیٰ سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ رب کا معنی تربیت سے نکلے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سارے جہان کی تربیت کرتا ہے۔ ابلاغ الشئی الی کما لہٖ تربیت اس کو کہتے ہیں کہ ایک چیز کو آہستہ آہستہ کمال تک پہنچانا جس درجہ تک اس کی حد ہو۔

خدا تعالیٰ کی جو تربیت کا نظام ہے اس میں تدریج ہے جلد بازی نہیں۔ تخم زمین سے نکل کر کئی ماہ تیار ہونے تک لیتا ہے اسی طرح شکم مادر میں کم و بیش ۹-۱۰ ماہ پرورش پاتا ہے۔ اسی طرح ہر کام و ٹھیرو یہاں سے انسان کو بھی اشارہ ملتا ہے کہ اپنے کاموں میں جلد بازی سے کام نہ لے بلکہ بتدریج کرے۔

شان ربوبیت:

اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت پر انسان نے کبھی غور نہیں کیا۔

(۱) ہر آدمی دن میں ہزاروں گیلن آکسیجن سانس کے ذریعے لیتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے عام کیا۔ اگر یہ پیسوں سے خریدا جاتا تو کئی جنازے روزانہ اٹھتے۔

(۲) بن ساٹھ میں غالباً اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق ایک دن میں روئے زمین پر (سات سو پچاس کروڑ من آکسیجن صرف ہوتا ہے) یہ اللہ کا لنگر ہے۔ یہ مقدار وقت کے لحاظ سے بڑھتی جائے گی۔

یہ تو صرف تنہا انسان کا ہے زمین پر کروڑوں پرندے، درندے اژدھا وغیرہ بھی ہیں۔ اسی

سمندر کی مخلوق جو زمین کی مخلوق سے بہت زیادہ ہے ان کے خرچ کا تو اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ یہ سب کام کن فیکون سے کرتے ہیں۔

تین اہم انعام ربوبیت:

(۱) گرمی (۲) روشنی۔ (۳) بادل

اس دور میں مغربیت کی پوجا کرنے والوں سے میں ماہرین یورپ کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی بات کرتا ہوں۔

(۱) گرمی: ماہرین یورپ کہتے ہیں کہ زمین میں تیرہ سو درجہ کی گرمی موجود ہے اور پانی ابالنے کے لئے سو درجہ کی گرمی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر پرنیڈے نے اقرار کیا کہ زمین کے نیچے جہنم ہے۔

گرم دن و ٹھنڈی رات:

۲۱ جون کا دن انتہائی گرم ہوتا ہے کہتے ہیں اگر اس دن کو دو سال لمبا کر دیا جائے تو پوری دنیا جل کر راکھ کا ڈھیر بن جائے۔ ۲۱ دسمبر کی رات انتہائی ٹھنڈی ہوتی ہے کہتے ہیں اگر اس رات کو چھے سال لمبا کر دیا جائے تو پوری دنیا منجمد ہو جائے۔

پانی کو گیس بنانا:

اگر پانی کو گیس کی شکل میں تبدیل کیا جائے تو ۲۳۶ درجہ گرمی کی ضرورت ہے۔

تخمینہ:

ایک سو مربعہ زمین کی کھیتی کو سیراب کرنے کے لئے مصنوعی بارش کے لئے چھ لاکھ ٹن کوئلے کی ضرورت ہے۔

ہندو پاک پر دس منٹ بارش:

ہندو پاک پر اگر ہم دس منٹ مصنوعی بارش برسائیں تو ۹۰ کھرب ٹن کوئلے کی ضرورت ہے۔

ہندو پاک کی سالانہ آمدنی چار سو پچاس کھرب روپے ہے۔
دس منٹ بارش کا خرچہ اس آمدنی سے ۳۰ ہزار گنا زیادہ ہے۔
مطلب یہ کہ ہندو پاک کی ۳۰ ہزار سال کی آمدنی جمع کریں تو صرف دس منٹ بارش بنے گی۔
یہ ہے اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کس قدر عام ہے۔ وتیکفروں فی خلق السموات والارض کہ وہ لوگ اچھے ہیں جو زمین و آسمان میں سوچ و بچار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کیا کر رہے ہیں۔

(۲) روشنی: پوری دنیا کے کارخانوں اور گھروں وغیرہ میں روشن ہے اس ساری کا وزن سوا تولہ ہے یعنی ۱¼ تولہ ہے۔

اب اللہ تعالیٰ کی بجلی بارے سنو! سورج کے اندر اللہ تعالیٰ نے جو روشنی رکھی ہے اگر اس کے دو سو کروڑ حصے کئے جائیں تو اس کے ہر ٹکڑے کا نصف حصہ زمین پر پہنچتا ہے۔ یعنی دو سو کروڑواں حصہ زمین پر پہنچتا ہے۔ جو پوری زمین کے لئے کافی ہے۔ اس دو سو کروڑاں حصے کا وزن چار ہزار چار سو اسی من ہے۔ اب اگر یہ اللہ کی بجلی بکنے لگے تو تمام زمین کی ایک ارب سال کی آمدنی اس کی قیمت کے لئے کافی نہیں۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی شان۔
آج پوری دنیا سوا تولہ دنیاوی بجلی کی قیمت ادا کرنے سے پریشان ہے مگر اللہ تعالیٰ کا انعام عام ہے۔

(۳) بادل: بادل بنائے جانے کا ذکر پہلے (۱) گرمی: کے عنوان میں کیا جا چکا ہے۔
حشرات الارض:

اللہ تعالیٰ نے زمین میں چھوٹے چھوٹے جانور ایسے بنائے ہیں جو خوردبین سے بھی بمشکل نظر آتے ہیں۔

ماہرین حیوانات لکھتے ہیں کہ وہ اتنے چھوٹے ہیں اگر وہ چھ کروڑ اکٹھے کئے جائیں تو گندم کے دانہ کے برابر ہوں گے۔

ان حشرات کے سپرد یہ کام ہے کہ فضاء اگر زہر آلود بن جائے تو یہ زہر آلود فضاء کو کھاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام محض اس لئے کیا کہ یہ فضاء میری مخلوق کو تکلیف نہ دے۔

گر انسان سب کچھ سوچتا ہے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو نہیں سوچتا۔

ربوبیت آخرت:

دنیا کے اندر دو قسم کی تجارتیں چلتی ہیں۔ (۱) دنیا کی تجارت (۲) آخرت کی تجارت
(۱) دنیا کی تجارت کوئی بڑی چیز نہ تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا نظام خود انسان پر چھوڑا اور اس قدر عقل دی کہ انسان دھوکہ نہ کھائے گا۔ پھر اگر دنیا کی تجارت میں غلطی کر بیٹھا تو اس کا ازالہ ہو جائے گا مگر آخرت کی تجارت میں غلطی کر بیٹھا تو پھر اس کا حل نہیں ہو سکتا۔
اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرات پیغمبران علیہ السلام بھیجے اور شریعت بنائی۔

دنیاوی تجارت:

دنیا کی تجارت کے لئے سات اشیاء بیان کی گئی ہیں۔ ۱۔ تاجر۔ ۲۔ سامان تجارت۔ ۳۔ سرمایہ۔ ۴۔ فاصلہ۔ ۵۔ زمانہ۔ ۶۔ منتقلی سامانِ تجارت۔ ۷ ضبطِ حساب تجارت ان سات چیزوں سے دنیاوی تجارت کا تعلق ہے۔

اُخروی تجارت:

تاجر: وہ تاجر ہم انسان ہیں۔
طریقہ تجارت: وہ اللہ تعالیٰ نے شریعت کا انتظام فرمایا۔
سامان تجارت: ماموارات و منہیات بتلائے۔
سرمایہ: زندگی و عمر یہ ہمارا سرمایہ ہیں۔ جو روزانہ پگھل کر ختم ہو رہا ہے۔ اس لئے اس میں غفلت نہیں ہونی چاہیے۔
فاصلہ: دنیا کی تجارت اگر ایک ملک سے دوسرے ملک کی جائے تو فاصلے کے تعین پر نفع کی کمی و بیشی منحصر ہوتی ہے۔
تو ایسی صورت میں دنیا سے آخرت کا فاصلہ اتنا لمبا ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں۔
زمانہ: اگر اسم محفوظ کر کے سردیوں میں فروخت کیا جائے تو زیادہ نفع ہو گا۔ تو فاصلہ زمانی کے لحاظ سے بھی نفع زیادہ ہو گا۔

منتقلیٔ سامان تجارت: دنیا کی تجارت میں بار برداری پر کثیر رقم خرچ کرنی پڑتی ہے۔ مگر آخرت کو منتقلی کا ذمہ بحفاظت خود اللہ پاک نے لیا۔

(ضبط حساب) دنیا میں منشی وغیرہ رکھنے پڑتے ہیں۔ تو منشی (کراماً کاتبین) بھی اللہ نے اپنی طرف سے رکھے۔ میدانِ قیامت میں اپنے سامان کی بلٹی دیکھتے ہی انسان پہچان جائے گا۔

۱۱۸ - نعرۂ مساواتِ مرد و زن:

یورپ کا یہ نعرہ کہ مرد و عورت میں مساوات ہو یہ فطرت کے خلاف ہے۔ جو فطرت سے ٹکرائے گا وہ پاش پاش ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فطرت میں تفاوت رکھا ہے۔

فطرت میں تین بنیادی چیزیں ہیں۔ ۱۔ علم و عقل۔ ۲۔ قوت۔ ۳۔ صحت۔ بات اکثریت کی ہو رہی ہے۔

(۱) علم و عقل میں خدا تعالیٰ نے کسی حکمت کے تحت مرد کو علم و عقل عورت سے زیادہ دیا۔ عورتوں کی اکثر تعداد علم و عقل میں مردوں سے کم ہے۔ اس لئے اسلامی قانون میں دو عورتوں کی گواہی بمنزلہ ایک مرد کے ہوتی ہے۔

ہمارے ملک میں تو تعلیم نسواں کم ہے مگر یورپ میں تو تعلیم نسواں مردوں کے برابر ہے۔

کیا یورپ اور امریکہ میں پروفیسر مرد زیادہ ہیں یا عورتیں؟

کیا فوج اور فوجی افسروں میں عورتیں زیادہ ہیں یا مرد؟

پیغمبر علیہم السلام علم و عقل کی آخری سرحد ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ نے مرد چنے۔

مردم شماری میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہے۔ تو مساوات کا نعرہ لگانے والوں کے ملک میں بھی عورتوں کی تعداد عہدوں پر کم فائز ہے۔ کیا یہ اس بات کی تصدیق نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فطرت کے لحاظ سے تفاوت رکھا ہے؟

(۲) قوت: دوسری چیز قوت ہے مردوں میں گاما اور گونگا بہادر جوان سنے ہیں مگر عورتوں میں تو نہیں سنے۔

(۳) صحت: تیسری چیز صحت ہے۔ مرد و عورت ظاہری امراض میں برابر ہیں مگر عورتوں

کے کچھ مخصوص امراض ہیں۔ ۱۔ حیض کا ماہانہ آنا۔ ۲۔ استحاضہ کہ حیض اپنی حد سے بڑھ جائے۔ ۳۔ مرض حالتِ حمل۔ ۴۔ دودھ پلانا۔ ان چار وجوہات سے عورت کمزور اور مریضہ بن جاتی ہے۔

۱۱۹ - حروف مقطعات:

ان حروف مقطعات کی کل تعداد چودہ ہے۔ الف، لام، میم۔ شریعت کی اصطلاح میں ان کو مقطعات کہتے ہیں۔

معنیٔ حروف مقطعات:

ان کے معانی میں دو رائے ہیں۔

(۱) حضرات صحابہ کرام و تابعین اور علماء کرام کے ہاں حروف مقطعات نا معلوم المعنیٰ ہیں۔

(۲) حضرت مجاہدؒ، حضرت ضحاکؒ، حضرت اعمش جو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے استاد ہیں اور حضرت ابن عباسؓ کی رائے ہے کہ ان کے معانی ہر شخص نہیں جانتا پختہ عالم جانتے ہیں رائے اول صحیح ہے اللہ تعالیٰ ہی ان کے معانی جاننے والے ہیں۔

اب دونوں صورت پر الف، لام، میم کی تشریح کرتا ہوں۔

سوال: اب سوال یہ پیدا ہوا کہ جب ایک چیز کا معنیٰ ہی نہیں تو پھر اس کا آنا عبث ہوا؟

جواب: اسلام میں کچھ احکام عقیدہ۔ اعمال اور معاملات سے تعلق رکھتے ہیں۔

مثلاً قرآن میں کچھ احکام ایسے ہیں جن پر ہم نے عمل کرنا ہے ان میں کوئی شبہ نہیں مثلاً صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ وغیرہ یہ محکمات ہیں اور دوسرے متشابہات ہیں۔ جن پر عمل کرنا مقصود نہیں تو اسی لئے متشابہات کا معنیٰ جاننا ضروری نہیں۔

باقی یہ کہنا کہ مقطعات بے کار ہیں یہ غلط ہے۔ بیکار وہی ہوتا ہے جس میں کوئی حکمت نہ ہو اور کوئی فائدہ نہ ہو اور فائدہ معنیٰ میں بند نہیں۔ معنیٰ تو کوئی ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہو کیونکہ ہر چیز کے فائدے مختلف ہوتے ہیں۔

قرآن کلام الہیٰ ہے:

حروف مقطعات انسانی کلام میں نہیں تھے تو ان کے آنے سے طرز جدید نازل ہو گئی۔ اگر کلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوتا تو اس میں مقطعات نہ ہوتے۔ یہ کلام الہیٰ ہونے کی دلیل بنے۔

(۲) دوسرا گروہ حضرت ابن عباس اور حضرت مجاہد وغیرہ کا ہے جو فرماتے ہیں کہ ہم علماء ان حروف کے معانی جانتے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں کہ الف سے مراد اللہ تعالیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا۔

لام سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں کہ ان کے واسطے سے نازل کیا گیا۔

میم سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن پر نازل فرمایا گیا۔

شاہ ولی اللہ کا معنیٰ:

حضرت شاہ ولی اللہؒ فوض الکبیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈال دیا ہے کہ الف یعنی ہمزہ اس کا مقام خلق ہے۔ دوسرا لام۔ اس کا مقام درمیان دہن ہے اور تیسرا میم جو دو لبوں کے ملنے سے ادا ہوتی ہے۔

ان تین حرفوں میں سے پوشیدہ مخرج الف کا اور درمیان میں لام کا اور آخر میں ظاہر میم کا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کے نزول کے تین درجے ہیں۔ ۱۔ غیب الغائب۔ ۲۔ غائب۔ ۳۔ شہادت یعنی کھلے طور پر۔

اول مقام رب العزت کا ہے۔ غیب الغائب۔ یہ درجہ اس طرح پوشیدہ ہے جس طرح ہمزہ کا مخرج پوشیدہ ہے۔

اس کے بعد جب حضرت جبرئیل علیہ السلام پر عطاء ہوا۔ تو یہ نصف غائب رہا کیونکہ اب مخلوق کے پاس آگیا۔

اس کے بعد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تو آپ نے اپنے لبہائے

مبارک سے ادا کیا۔ یہ ہے مقام شہادت۔ یعنی کھلے طور پر ہم تک قرآن کی رسائی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے ہوئی۔

۱۲۰ - دین کا خلاصہ:

دین کا خلاصہ تین چیزیں ہیں۔ ۱۔ شریعت۔ ۲۔ طریقت۔ ۳۔ حقیقت

(۱) شریعت: میم سب سے کھلا مخرج رکھتا ہے۔ شریعت کھلی چیز ہے۔ اس کا معنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کے مامورات بجالانے اور منہیات سے رکنا۔ شریعت پر عمل کرنا ہے۔

(۲) طریقت: اللہ تعالیٰ سے محبت کی ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ محبت شریعت کے مطابق ہو۔ ایسی صورت میں آدمی اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے بے چین ہو جاتا ہے۔

(۳) حقیقت: تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ معنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کا تصور ذہن پر ایسا غالب ہو جاتا ہے کہ اس کے ماسوا دوسرے تصور ذہن سے اتر جاتے ہیں۔

عمل شریعت اور محبت جو پیدا ہو جائے اس کو طریقت اور جب اللہ تعالیٰ کا تصور غالب آ جائے تو اسے حقیقت کہتے ہیں۔

۱۲۱ - یورپ و امریکہ دیوانہ ہیں:

قرآن کے تعلق سے انسان فہم سلیم کا مالک ہوتا ہے۔ اگر قرآن سے تعلق نہ ہو تو پھر انسان پاگل ہو جاتا ہے۔

سوال: اب سوال یہ ہو گا کہ یورپ اور امریکہ کو پاگل کیسے کہا جائے گا۔ وہ تو سائنسدان ہیں عجیب و غریب ایجادات کے مالک ہیں۔

جواب: ایک جنون دماغی ہوتا ہے یعنی وہ پاگل پنی جو دماغ سے پائی جائے۔

دوسرا جنون فکری کہ دماغ تو درست ہو مگر سوچ و فکر غلط ہے۔

اس وقت وہ جماعتیں جنون فکری میں مبتلاء ہیں جو قرآن سے کٹ گئی ہیں۔

یورپ ہو یا امریکہ وہ صحت دماغی تو رکھتے ہیں مگر جنون فکری میں مبتلاء ہیں۔

سوال: اب سوال یہ ہوگا کہ دیوانہ اور غیر دیوانہ میں فرق کیا ہوگا؟ ان کی پہچان کیا ہوگی؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ دیوانہ میں آقا ناشناسی پیدا ہو جاتی ہے۔

کتا جب درست ہو تو مالک و آقا کے آگے گرتا ہے اور دُم ہلاتا ہے اور اگر دیوانہ ہو جائے تو مالک پر حملہ کر دیتا ہے

تو معلوم ہو گیا کہ دیوانہ کی پہلی نشانی آقا ناشناسی اور دوسری نشانی فساد کرنا ہے۔ حقیقت میں یہ دو مذکورہ بالا نشانیاں ایسی چیزیں ہیں جن سے پاگل پن کا پتہ چل سکتا ہے۔ تو امریکہ اور یورپ کی مالک ناشناسی تو ظاہر ہے کہ وہ مالک کی مخلوق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مانتے ہیں۔ دوسرا فساد وہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ دنیا پر فساد کا موجب یورپ اور امریکہ ہیں۔ دو عظیم جنگوں اور کرۂ ارضی پر موجودہ فسادات یہ مسیحی قوموں کی دیوانہ ہونے کی دلیل ہیں۔ اگر مسیحی قومیں دیوانہ نہیں تو سمجھو کہ دنیا میں دیوانوں کا وجود ہی نہیں۔

۱۲۲۔ حصول علم دین میں عورت و مرد برابر ہیں:

علم دین کے حاصل کرنے میں عورت و مرد دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ دین سیکھنا دونوں پر فرض ہے عورتیں بڑی بڑی عالمہ گذری ہیں۔

حضرات صحابہ کرام کا اقرار ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے برابر علم دین میں واقفیت رکھنے والا ہم نے کسی کو نہیں پایا۔

حضرت امام بخاریؒ کے استادوں میں سے ایک عورت بھی استاد ہے۔

حضرت علامہ علاؤ الدین سمرقندیؒ کی بیٹی فاطمہؒ بہت بڑی عالمہ تھی۔ آپ کی خواہش تھی کہ جو شخص علم میں میری بیٹی کے برابر ہوگا اس سے نکاح کر دوں گا۔ بڑی انتظار کے بعد حضرت علامہ ابوبکر کاشانیؒ آئے ان سے شادی ہوئی۔ علامہ ابوبکر کاشانی نے البدایہ والنہایہ سات جلدوں میں لکھی ہے۔ حضرت ابن عساکرؒ لکھتے ہیں کہ یہ دونوں میاں بیوی دمشق میں فوت ہوئے۔

(۱۲۳) قرآن اصلاحی لحاظ سے کامل ہے!

قرآن کا کامل ہونا اصلاحی حیثیت سے بیان کیا جاتا ہے۔ اصلاح یعنی ملنے والوں کو درست کر دینا۔ اور ان کی حالت میں تبدیلی کر دینا۔ اس سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن کے علاوہ اور کتابیں تعلیم دے سکتی ہیں مگر عمل نہیں کرا سکتیں۔ تعلیم کا معنی حق سکھانا اور تعمیل معنی عمل کرانا۔ اگر تعلیم سیکھی مگر عمل نہیں بگڑے رہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک مریض طبیب سے صحیح نسخہ لے۔ سیکھنے سے تو صحت نہ ہوگی جب تک کہ اس پر عمل نہ کرے۔ اس طرح روح یا دل کی اصلاح اس وقت ہوگی جب قرآن کے سکھائے ہوئے حق پر عمل بھی ہوگا۔ اور قرآن کے علاوہ کوئی کتاب ہو حق سکھائے گی مگر عمل نہ سکھائے گی۔ قرآن نے اپنی پوری تاریخ سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ قرآن عمل سکھاتا ہے۔ بزرگانِ دین کی زندگی اس کی عملی نشانی ہے۔ اصلاحِ انسانی کی بنیادی چیزیں تین ہیں۔ (۱) خوفِ خدا (۲) عدل و انصاف (۳) مساوات، جو اسلام کی خاص چیز ہے۔ کہ کوئی انسان اپنے کو بلند اور دوسرے کو پست نہ سمجھے۔ میرے خیال میں قرآن نے یہ تینوں باتیں بیان کی ہیں۔ اور ممکن ہے کہ دوسری کتابوں میں بھی لکھی ہوں۔ مگر ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ قرآن نے اپنے ماننے والوں کو ان کا عمل بھی سکھایا ہے۔

(۱) خوفِ خدا!

یہ اصلاح کی بنیاد ہے۔ آدمی جب گناہ کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اس لیے جس درجہ میں خوفِ خدا اصلاح کر سکتا ہے۔ کوئی قانون بھی اصلاح نہیں کر سکتا۔ حدیث **رأس الحکمة مخافة الله قرآن فلا تخشوهم واخشونی.** خاص مجھ سے ڈرا کرو۔ تو اس میں اپنا فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ چاہے تو

دنیا کو ایک سیکنڈ میں خاک میں ملا سکتا ہے۔

(۲) عدل و انصاف!

کونوا قوامین بالقسط. تم ہمیشہ انصاف پر جمے رہو۔ کہ ہٹنے نہ پاؤ۔ قرآن اگر گواہی بھی دو تو اللہ کے لیے دو چاہے وہ گواہی تمہارے خاندان یا اپنی جان کے خلاف پڑے تو گواہی صحیح دو۔ ایسی بہت سی آیتیں آئی ہیں۔ عدل کے متعلق تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر تمہارا دشمن بھی ہو تو فیصلہ صحیح کرو ولا یجرمنکم شنان قوم آج سلامتی کونسل سے انصاف کیسے ہو سکے۔ اسلام کا قاضی بیچارہ تو بڑا غریب ہوتا ہے۔ مگر سلامتی کونسل میں تو بڑی قومیں بیٹھی ہیں۔ مثلاً روس اور امریکہ وہ اگر کمزور اور طاقتور قوموں کا فیصلہ آ جائے تو فیصلہ طاقتور کے حق میں کرتے ہیں۔ سلامتی کونسل میں جو کھوپڑیاں بیٹھی ہیں وہ عدل و انصاف نہیں رکھتیں۔ تو وہ خود غرض اور مفاد پرستی کی کھوپڑیاں ہیں۔ ان سے انصاف کی امید رکھنا بالکل غلطی ہے۔ مگر قرآن حکیم کا فیصلہ سنو حکم دیتا ہے۔ ولا یجرمنکم شنان قوم علی الاتعدلو کہ ایک بدترین دشمن کے فیصلہ میں اس کو صحیح صحیح حق دیدو۔ عدل و انصاف قائم کرو۔

(۳) مساوات یہ تو سرے سے ہے ہی نہیں۔ اقوامِ متحدہ کے منشور کی تمام چیزیں صرف تحریر میں لائی گئی ہیں ان پر عمل تو ہے ہی نہیں۔ سب سے بڑی طاقت امریکہ ہے۔ وہاں حبشی اور گوروں کے حقوق مختلف ہیں حالانکہ اکثر مذہب میں بھی برابر ہیں۔ اس سے زیادہ دنیا اور کیا برباد ہوگی۔ دیکھو کالے اور گوروں کے کلب الگ، ہسپتال الگ۔ دیکھو یہ خبیث کتا تو اپنی گود میں بیٹھاتے ہیں نسلاً فرق ہے۔ حالانکہ مذہبی طور پر ایک ہیں۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم.

ہم نے انسان کو بہترین تخلیق دی۔ آج یہ کمرہ میں کتے کو تو بٹھائیں گے مگر [illegible] عیسائی نہیں آ سکتا۔ یہ انسانیت ہے۔ ان انسانوں سے خیر کی توقع ہے؟ یہی حال [illegible] ہے اگر گائے ذبح کر دی تو جرم۔ مگر مسلم کشی جرم نہیں۔

(۱۳۴) اسلامی مساوات!

اسلام کی تاریخ میں دنیا کی کوئی نظیر نہیں۔ مساوات عدالت بھی ہے تاریخ [illegible] انعابہ یہ ایک تاریخ کی کتاب ہے حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عباسؓ کا گھر مسجد نبویؐ کے قریب تھا۔ انؓ کے گھر کے پرنالہ کے پانی سے راہگیر کے کپڑے خراب ہو جاتے تھے تو حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کی غیر موجودگی کے [illegible] پرنالہ اکھیڑ دیا اور فرمایا کہ دوسری طرف رکھو۔ کسی نے کہا کہ یہ معاملہ ہو چکا ہے۔ [illegible] جھگڑے کے وقت بھی صحابہ کرامؓ سے سبق سیکھو۔ جب حضرت عباسؓ کو علم ہوا تو [illegible] ہوئے کہ میری عدم موجودگی میں امیر نے تصرف بیجا کیا ہے۔ تو حضرت ابی بن [illegible] جو مدینہ منورہ کے قاضی تھے ان کی عدالت میں مقدمہ درج کرا دیا۔

تو قاضی صاحب نے قیصر و کسریٰ کے پرخچے اُڑانے والے کو عدالت میں [illegible] ہونے کا حکم بھیجا جب عدالت میں حاضر ہوئے تو حضرت ابی ابن کعبؓ اوپر بیٹھے [illegible] اور فاروق اعظمؓ کو حضرت عباسؓ کے ساتھ بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر حضرت عمرؓ بولنے لگے تو [illegible] چپ رہو حضرت عباسؓ مدعی ہیں پہلے ان کا بیان ہوگا۔ فرمایا کہ ایک تو یہ میری عدم [illegible] گی میں اکھیڑا گیا ہے دوسرا یہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور عہد صدیقیؓ میں بھی [illegible] اور اس کی اجازت خود حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دی تھی۔ اور مجھے حکم فرمایا تھا

کہ میرے کندھوں پر چڑھ کر پرنالہ رکھ دو۔ قاضیؒ نے گواہ مانگے دو گواہ پیش کر دیئے گئے جنہوں نے واقعہ کی تصدیق کر دی۔ تو پھر حضرت فاروق اعظمؓ کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا اب سنائیں۔ آپؓ کہنے لگے کہ مجھے تو پتہ نہیں تھا کہ یہ حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حکم مبارک سے لگایا گیا تھا اب یہ ہے کہ میں بیٹھتا ہوں حضرت عباسؓ میرے کندھے پر چڑھ کر دوبارہ لگا دیں۔ جب حضرت عباسؓ کے حق میں حضرت ابی ابن کعبؓ نے فیصلہ دے دیا تو حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ آپؓ نے فیصلہ میرے حق میں دے دیا ہے تو سُن لو کہ یہ مکان میں مسجد کو وقف کر رہا ہوں اسے گرا کر مسجد کو وسیع کر لو۔ یہ کس درجہ کی مساوات ہے۔ کہیں دنیا کے قوانین میں ایسی مثال ملتی ہے۔

(۱۲۵) خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی زندگی!

حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بننے کے متصل دوسرے دن حسب معمول کپڑا اٹھا کر فروخت کرنے کے لیے نکلے تو حضرت عبداللہؓ بن جراح اور حضرت فاروق اعظمؓ نے روکا کہ اب آپؓ یہ کام نہ کریں تو فرمایا کہ کھائیں گے کہاں سے؟ تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس کا انتظام کریں گے۔ تو حضرت عمرؓ نے تمام صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے فرمایا کہ امیر المومنینؓ کے لیے وظیفہ مقرر کرنا چاہیے۔ تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو غصہ آیا کہ تنخواہ شاید حرام ہو جائے۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے سُنا ہے کہ میرے صحابہؓ میں سب سے زیادہ امین حضرت عمرؓ اور ابن جراح ہیں تو کیا تنخواہ جراح نہ مقرر کر دیں۔ تو ۳۵ روپے تنخواہ مقرر کی گئی۔ ایک خادم ایک اونٹنی اور ایک لکڑی کا پیالہ بھی دیا گیا۔ حضرت علیؓ تک تو یہ حالت تھی کہ حج کے موقع پر رعیت کے خیمے ہوتے تھے اور امیر المومنین چادریں درختوں پر ڈال کر خیمے کا کام لیتے تھے۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ

کی وفات ہوئی تو وصیت فرمائی کہ لکڑی کا پیالہ و دیگر سامان حضرت عمرؓ کے سپرد کر دینا کہ یہ بیت المال میں جمع کرا دیں۔ اور جو میں نے بیت المال سے تنخواہ لی ہے تو میری جائیداد فروخت کر کے اور کچھ رشتہ داروں سے چندہ کر کے بیت المال میں جمع کرا دیں۔ جب یہ چیزیں حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس گئیں تو آپؓ رونے لگے۔ فرمایا کہ ہم کو بھی ایسا کرنا پڑے گا۔ (روئے اس لیے نہیں کہ ہمیں ایسا کرنا پڑے گا بلکہ اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے استغناء اور اتقاء کی وجہ سے رُوئے)۔ حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ پر وفات کے اسی (۸۰) ہزار قرضہ تھا آپؓ اپنے فرزندوں اور حضرت حفصہؓ بیٹی کو بلایا۔ فرمایا کہ میرے خاندان بنی عدی کو میرے مرنے کے بعد اکٹھا کر کے کہنا کہ تمہارا رشتہ دار قبر میں اس قرضہ میں قید ہوگا اس لیے امداد کرو۔ بیٹے قرضہ اتارنے کے لیے تیار ہو گئے کہا کہ جب قرضہ مانگا جائے گا تو جائیداد فروخت کر کے ادائیگی کی جائے گی۔ تو ایک دن اعلان ہوا کہ امیر المومنین سیدنا فاروق اعظمؓ کا مکان قرضہ کی ادائیگی میں فروخت ہو رہا ہے۔ تو حضرت سیدنا امیر معاویہؓ تشریف لائے قرضہ کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہونے پر وہ مکان ۸۰ ہزار روپے میں خرید کر ساری عمر اس مکان کا نام دار القضاء رکھا گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں ایک بڑھیا تنہا رہتی تھی میں صبح اس سے جا کر پوچھتا کہ کوئی خدمت ہو تو حکم کرو وہ یہ کہہ دیتی کہ آپ سے پہلے کوئی آدمی آیا ہے جو میرا سارا کام کر کے چلا گیا ہے۔ تو حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں تین دن گیا بڑھیا نے یہی جواب دیا تو میں دوسرے روز علی الصبح جا کر چھپ بیٹھا دیکھا کہ امیر المومنین حضرت صدیق اکبرؓ ہیں میں نے ان سے جا کر عرض کی کہ آپؓ ہر نیکی میں پہل کر جاتے ہیں۔

(۱۲۶) قرآن کی تاثیری کاملیت!

آج ذالک الکتاب کے سلسلہ میں قرآن کے کمال تاثیری کا بیان کیا جاتا ہے۔ تاثیر کی قسم ہیں (۱) مثبت (۲) منفی۔ مثلاً پانی کی تاثیر یہ ہے کہ اگر آدمی پیتا رہے تو زندہ اگر پینا ترک کردے تو مرجائے۔ اور بعض چیزیں ایسی ہیں جن کا مثبت اور منفی دونوں اثر ہوتے ہیں۔ اس طرح قرآن پاک کے بھی دونوں اثر ہیں۔ مثبت اور منفی۔ مثبت اثر تو یہ ہے کہ اس کو جس نے اپنایا اس کے قلب کو اللہ سے جوڑ دیتا ہے۔ یہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے تو جب اللہ سے جوڑ ہوگیا تو ہر قسم کی خرابیاں ختم ہوگئیں اور اگر اللہ تعالیٰ سے تعلق ٹوٹ گیا تو پھر ہر قسم کی خرابیاں پیدا ہوگئیں۔ اگر اللہ تعالیٰ سے تعلق نہ ہو تو صورت تو انسان کی ہوگی مگر در حقیقت اندر سے انسانی شکل نہیں۔ مثلاً ایک کاغذ پر گھوڑے کا نقش ہو تو کیا اس نقش سے گھوڑے کا کام لے سکتے ہیں۔ اسی طرح انسان کی صورت ہو اور حقیقت نہ تو انسان نہیں۔ انسان تب ہوگا جب تعلق اللہ سے پیدا ہوجائے۔ اس کتاب کا یہ اثر ہے کہ اللہ سے تعلق پیدا کردیتی ہے۔ یہ کتاب عرب میں آئی تو انسان کو اللہ سے جوڑا۔ عجم میں آئی تو انسان کو اللہ سے جوڑا۔ تعلق پیدا ہونے کا نتیجہ یہ کہ انسان کامل ہوگیا۔ ونـنـزل من القرآن ماھو شفاء۔ ہم نے قرآن سے ان چیزوں کو اتارا ہے۔ جس سے صحت، تندرستی، اور شفاء ہے۔ تو قرآن کا مثبت اثر شفاء ہے۔ یعنی انسان کے ہر نقص کو نکال دیتا ہے اور منفی اثر خسران ہے یعنی خسارہ ولایـزیـد الـظـالـمـین الاخسارا۔ یعنی منفی میں اثر تباہی و بربادی ہے۔ مثلاً کوئی درخت لے لو اگر اس کو زمین سے تعلق ہے تو اس کے لیے شفاء ہے۔ ترقی ہے۔ اگر جڑوں کا تعلق زمین سے نہ رہے تو یقینی بات ہے کہ درخت مرجھا کر خشک ہوجائے گا اور گر بھی جائے۔ اس طرح انسان اگر

قرآن سے جڑا رہے تو زندگی وگرنہ موت اور بربادی وتباہی ہے۔

(۱۲۷) دینی ودنیوی میں!

تو قرآن کا یہ بیان درست ہے ونـنـزل من القرآن ماھو شفاء جنگ قرآن والوں کی بھی ہوئی مورخین کا اتفاق کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانہ میں جنگیں ہوئیں۔ بعض وہ جنگیں ہیں جن میں آپ نے شمولیت فرمائی اور بعض میں نہیں۔ جن میں شمولیت نہیں فرمائی وہ چالیس ہیں اور جن میں شمولیت فرمائی وہ ۱۹ ہیں۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ہجرت کے بعد دس سال کے عرصہ میں ساٹھ جنگیں درپیش ہوئیں ان سب میں مجموعی طور پر ایک ہزار اٹھارہ (۱۰۱۸) جانیں ختم ہوئیں اور یہ تعداد بھی جانبین کی طرف سے ہے۔ لیکن ان میں اڑھائی سو مسلمان شہید ہوئے اور کمال حاصل کرگئے۔ قلات میں ایک ۸۰ سالہ بزرگ رہتے تھے وہ ہمیشہ دعا کراتے تھے کہ شہادت نصیب ہو فرماتے تھے کہ یہ مختصر راستہ ہے۔ اگر ایک ہزار ۱۸ میں چوتھائی شہید اور بقیہ ساڑھے سات صد کافر قتل ہوگئے تو یہ دیکھو کہ ان کفار کے قتل سے کتنا فائدہ ہوا۔ دیکھو یہ کافر قتل ہوئے تو قرآن پھیلا اور دنیا کی اصلاح ہوئی۔ اگر اتنے قتل سے اصلاح ہوجائے تو کیا حرج ہے۔ معلوم ہوگیا کہ اسلامی جہاد عملی اصلاح ہے۔ تاکہ ہدایت کی روشنی پھیل جائے۔ اگر ایک ڈاکو ڈاکہ کے وقت کسی کا ہاتھ کاٹ دے تو یہ فساد کی نوعیت ہے۔ اور اگر ڈاکٹر مرض کے سبب کسی کا ہاتھ کاٹے تو یہ فساد نہیں۔ یہ تو ایک علاج ہوا۔ یہ فرق ہے جنگِ اقوام اور جہاد اسلام میں۔ قرآن نے جہاد کر کے عرب کے درندوں کو فرشتہ بنایا۔ تم نے ساڑھے دس کروڑ انسان اور وغیرہ نقصان کر کے کیا کیا۔

جنگِ شاہاں جہاں غارت گریست
جنگ مومن سنتِ پیغمبرؐ یست

جو مادی مقصد کے تحت جنگ لڑی جائے وہ غارت گری۔ اور روحانی مقصد کے تحت جو جنگ لڑی جائے وہ جہاد کہلاتا ہے۔

(۱۲۸) عورت کا تقدس!

قانونِ قدرت کے مطابق اس زمین کی آبادی مرد و عورت سے ہے۔ اگر ایک نہ ہو تو یہ کائنات نہ ہوتی وبث فیھا رجالاً کثیرا اس جوڑے سے بہت بڑی تعداد پھیل گئی۔ صرف مرد یا صرف عورت سے یہ نظام قائم نہیں رہ سکتا اور بڑے سے بڑا آدمی سوا حضرت آدم علیہ السلام کے سب انبیاءؑ اس عورت سے جنے گئے۔ عورت کا تقدس کون نہیں مانتا۔ جو لوگ اسلام کے متعلق ترمیم کے قائل ہیں۔ مصر میں ایک کتاب لکھی گئی ہے۔ المکارمات۔ اس کتاب میں لکھا گیا ہے کہ رومن لاء یعنی اٹلی، فرانس۔ اور انگلینڈ وغیرہ کا قانون۔ جو یورپ کی زندگی کا مدار رہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ عورت کسی کی وارث نہیں ہو سکتی۔ گویا یورپ کے قانون نے عورت کو وراثت سے محروم کر دیا۔ گائے اور بھینس کی طرح۔ کہ جس طرح مرنے کے بعد حیوان کو وراثت کا حق نہیں اسی طرح عورت کو بھی وراثت کا حق نہیں۔ تو رومن لاء میں یہ ہے کہ عورت کوئی چیز خرید یا فروخت نہیں کر سکتی اور جو چیز کمائے وہ خاوند کی ملکیت ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ یہ چیزیں صرف حیوان نہیں کر سکتا۔ رومن لاء، قانون کی عجیب چیز یہ دیکھو کہ اسلام میں تو دلہا، دلہن کی حق المہر ادا کرتا ہے مگر اس رومن لاء میں دلہن کے ورثاء، دلہا کو حق المہر ادا کریں گے۔ ۱۹۱۴ء میں ایک کانفرنس کی گئی کہ عورت میں جان یعنی روح ہے یا نہیں۔ کانفرنس نے اس بات

کا فیصلہ کیا کہ عورت میں روح ہے۔ یا تو یہ جذبات تھے یا جذبات اس حد تک آئے کہ عورت کو مرد سے بھی بلند مقام دے دیا۔ بیوی کو انگریز مرد اپنے آگے چلائیں گے۔ خاوند کی کل آمدنی بیوی کے اختیار میں۔ اور عورت ہر قسم کی پابندی سے آزاد ہے۔ جس قوم کا نسائی قوانین کے متعلق آئینہ یہ ہو کہ وہ اسلام پر کیا اعتراض کر سکتے ہیں یورپ جب لغزش کھاتا ہے تو پھر اسلام کا قانون لے لیتا ہے۔

مورخین لکھتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں ۲۲ ویں تہذیب چل رہی ہے اور سابقہ ۲۱ تہذیبیں عورت کی وجہ سے برباد ہوئی ہیں۔

(۱۲۹) عزت و ناموس میں خلل اندازی!

ناموس میں خلل اندازی میلان سے ہوتی ہے۔ مثلاً دودھ کے ساتھ بلی کا میلان ہے۔ کہ وہ دودھ پر حملہ کر کے پی جاتی ہے۔ تو اس میلان کو دیکھ کر دودھ کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اب حفاظت کے دو طریقے ہیں یا تو بلا کو رسی سے باندھ دیا جائے۔ یا دودھ کو محفوظ کر لیا جائے۔ عام طور پر بلی کو نہیں باندھتے بلکہ دوسرا طریقہ برتن کو ڈھکن دیا جاتا ہے۔ یہ پردہ ہے۔ اب یقینی بات کہ ایک اجنبی مرد اور عورت کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ بلکہ یہ میلان بلی سے بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ وہاں میلان یک طرفہ ہے اور ادھر دو طرفہ ہے۔ بلی کو دودھ کی طرف میلان ہے مگر دودھ کو نہیں۔ اب دو طرفہ میلان ہے۔ مگر یہاں ڈھکن کی تو پرواہ ہی نہیں کرتے۔ تو یہ کھوپڑی نادانی سے بھری ہوئی ہے کہ یک طرفہ میلان میں تو ڈھکن ہے اور دو طرفہ میلان میں ڈھکنا نہیں۔ یہ چارہ تو نہیں ہو سکتا کہ مرد کو رسی سے باندھ دیں کیونکہ کارِ دہ بار نہیں چلے گا۔ تو دوسری وجہ بیان کی کہ مرد تو پھرتا اور کام کاج کرتا ہے۔ اور عورت جب نکلے تو وہ پردہ پہن کر نکلے۔

نمبر۲۔ حفاظتِ معاشرہ!

بہترین معاشرہ وہ ہے کہ جس میں محبت ہو اور بدترین معاشرہ وہ ہے کہ جس میں نفرت ہو۔ اب اگر جانوروں کیطرح بے پردگی عام ہو جائے۔ مثلاً کسی بیل کی بیٹی دوسرا بیل دست درازی کرے تو وہ بیل کوئی دخل نہیں دے گا۔ کیونکہ جانور میں غیرت اور شعور نہیں رکھا۔

(۱) انسان کے اندر غیرت، (۲) حسِ اخلاقی، (۳) حسِ ایمانی رکھی اس لیے اگر وہ معاملہ خراب دیکھتا ہے تو بگڑ کھڑا ہوتا ہے۔

تو اب اگر مرد و عورت آزاد پھریں تو معاملہ بگڑ کر رہ جائے گا۔ تم دیکھتے نہیں کہ کتنے قتل عورتوں کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ کیونکہ قانون بنایا تھا بے غیرت حکومت نے اور قوم باغیرت تھی۔ اس لیے ہم خود پستول وغیرہ لیکر ننگ و ناموس کا بدلہ لے لیتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو معاشرہ درست ہو جائے اور محبت پیدا ہو جائے۔

نمبر۳۔ حفاظتِ ازدواجی!

میاں اور بیوی کے درمیان محبت ہو تو کنبہ اور خاندان مضبوط ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ مرد و زن کے رشتہ کو مستحکم چاہتا ہے۔ اگر پردہ کا قانون نہ ہو تو ہر مرد اور عورت ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے۔ تو قاعدہ یہ کہ ایسی کوئی عورت نہیں کہ اس کے شوہر سے کوئی نہ کوئی شوہر خوبصورت ہو۔ اور ایسا ہی کوئی مرد نہیں کہ اس کی عورت سے خوبصورت عورت نہ ہو۔ اب اگر آزادانہ میل ملاپ ہو تو محبت ختم۔ کیونکہ محبت میں اگر ایک پلڑا بھاری تو دوسرا کم ہوگا۔ اگر کسی غیر مرد سے عورت کی محبت زیادہ ہوگئی تو اپنے شوہر کی محبت والا پلڑا ہلکا ہو جائے گا تو رشتہ درہم برہم ہو جائے گا۔ تو رب العزت نے قانون ازدواجی رکھا

تا کہ مرد و زن میں فولادی محبت ہو جائے۔

(۱۳۰) قرآن ہدایت کے لیے ہے!

ہر کتاب کسی خاص مقصد کے لیے لکھی جاتی ہے مثلاً فقہ وغیرہ فقہ کے لیے پہلے یہ سمجھ لو کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتابیں بھی خاص مقصد رکھتی ہیں۔ تو یہ ہدایت کے لیے ہیں۔ ان کا مقصد ہدایت ہوا۔ اس کتاب میں چونکہ ہدایت ہے تو یہ ہدایت کے لیے نازل ہے۔ ھدی للمتقین دوسری جگہ ھدی للناس بھی فرمایا ہے۔ یہ دونوں مضمون اپنی جگہ درست ہیں۔ قرآن میں ہدایت دو معنی میں استعمال ہوئی ہے۔ نمبر۱۔ ہدایت بمعنی بتلانے کے ہیں۔ نمبر۲۔ دوسرا یہ کہ حق پر پہنچانا ہے۔ تو جہاں ھدی للناس ہے اس کا معنی یہ کہ حق بتلانا ہے۔ اور ھدی للمتقین حق پر پہنچانا ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ سے کسی نے سوال کیا کہ تقویٰ والوں کے پاس تو ہدایت موجود ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک نوجوان راستہ میں جا رہا ہو اور بچوں کی پرورش کرنے والی دایہ آ رہی ہو۔ تو کوئی کہہ دے کہ یہ عورت اس کو دودھ پلانے والی ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ جوانی میں نہیں بچپن میں پلایا تھا۔ اس طرح یہ بھی قرآن کی ہدایت سے متقین بنے ہیں۔ اور تیسرا جواب یہ کہ تقویٰ اور ہدایت کے بہت درجے ہیں۔ اور مرتبے ہیں۔ جس طرح مختلف رقمیں رکھنے والے ہیں تو سب مالدار مگر درجہ و مرتبہ کے لحاظ سے فرق ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ نے سب سے پہلے قرآن کا اردو ترجمہ تحت اللفظ کیا ہے۔ ترجمہ تو ایک لفظ مگر معانی کے لحاظ سے مکمل۔ شاہ صاحبؒ نے ھدی للمتقین کا فحوی معنی کیا ہے۔ یہ کتاب راہ بتلاتی ہے ڈر والوں کو۔ اور اس معنی میں تمام پیچیدگیاں حل کر دیں۔

(۱۳۱) بقاء حیات دنیوی واُخروی!

انسان کو عالم آخرت اور عالم دنیا میں غذا کی ضرورت ہے۔ دنیوی غذا میں اور چیزوں کے علاوہ چند بنیادی چیزیں پیدا کی ہیں۔ ایک غذا کا خزانہ، دوم تخم، سوم پانی۔ زمین انسانی روزی کا خزانہ ہے۔ اور انسان کو کہا گیا ولکم فیھا مستقرو متاع الی حین کہ خاص وقت تک تم زمین سے خوراک حاصل کرو گے۔ یعنی تم مسافر خانہ میں ہو۔ ابن سعد نے لکھا کہ آدمؑ کو جب زمین پر اتارا تو تخم بھی غذائیت کے ساتھ دیئے گئے۔ تو خزانہ زمین اور تخم اللہ کی طرف سے بیج جب زمین میں ڈالتے ہیں اور پانی بھی اللہ کا دیتے ہیں صرف ہاتھ ہلانا ہے۔ بعینہٖ یہی معاملہ آخرت کا ہے۔ آخرت کا معاملہ دینی زراعت کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک زمین دی مگر وہ دل کی زمین ہے، روحانی زمین۔ دوم تخم لا الہ الا اللہ دیا اور ایک پانی دیا قرآن وحدیث کی صورت میں کہ اس پانی سے اس تخم کو سیراب کرو۔ آپ کو یہ نظر نہیں آئے گا مگر اس کا فائدہ دنیا کے تخم سے ہزار گنا زیادہ ہوگا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمانِ گرامی ہے کہ میری مثال اور قرآن پاک کی مثال بارش کی مانند ہے جسطرح بارش سے دنیا کی زراعت کو ترقی ہوتی ہے اسی طرح اس سے قلب کو ترقی ہوتی ہے۔ کشجرۃ طیبۃ الخ. کہ کلمہ طیبہ عمدہ درخت کی طرح ہے۔ اس کی شاخیں جنت میں ہیں۔ پھل دار درخت تو کسی خاص موسم میں پھل دیتا ہے مگر اس کا پھل تو ہر وقت تیار ہے۔ اور اللہ کے حکم سے جاری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بقائے حیات دنیویہ کا دارومدار دنیا کی زراعت پر ہے اور بقاء حیات اُخروی کا دارومدار اُخرویہ پر ہے۔ جس طرح دنیا کی بعض زمین قابلِ کاشت نہیں ہوتی جو بھی تخم ڈالو ضائع کر دیتی ہے اسی طرح بعض دل کی زمین

خراب ہوتی ہے۔ زراعت کے قابل نہیں ہوتی۔ قرآن نے بھی خود اس کیطرف اشارہ کیا ہے۔ والبلد الطیب تخرج نباتہ الخ. جو عمدہ زمین ہے اس سے غلہ اگتا ہے۔ والذی خبث اور جو خبیث زمین ہے وہ کچھ نہیں اگاتی۔ اس طرح ہم پھیر پھیر کر نہیں آیتیں بیان کرتے ہیں تا کہ تم یقین کرو۔ کہ دل بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ دل کی زمین کی کیا چیز ہے؟ یعنی اللہ کا ڈر وخوف۔ جس کے قلب میں ڈر وخوف خدا ہو بس کلمہ طیبہ کی نشوونما شروع ہو جاتی ہے۔ اب شاہ صاحبؒ کے مختصر ترجمہ ڈر والوں کے لیے دشوار ہو گیا۔ شاہ صاحبؒ کا اردو سمجھنا بھی مشکل ہے۔ مطلب یہ کہ ہر چیز کے لیے استعداد کی ضرورت ہے۔

(۱۳۲) ملائکہ پر ایمان!

ملائکہ پر ایمان لانا یہ غیب میں سے ہے اللہ کے بعد ملائکہ پر ایمان لانا ذکر کیا گیا باقی چیزوں پر ایمان لانا بعد میں ذکر کیا۔ حدیث شریف میں بھی یہی ترتیب و ترجیح رکھی گئی ہے۔ کہ اول خدا پر دوم ملائکہ پر اس کے بعد باقی پر ایمان لانا جب تک ان چیزوں پر یقین نہ ہو اور حقیقت کا علم نہ ہو تو کوئی فائدہ نہیں۔ خدا پر ایمان لانا بعد میں آئے گا پہلے ملائکہ پر ایمان لانے کے بیان کا ذکر کرتا ہوں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ملائکہ پر ایمان لانے کی کیا ضرورت ہے۔ سب سے پہلے اسلام میں ملائکہ کی حقیقت جو فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر میں جمہور المسلمین کا عقیدہ یہ نقل کرتے ہیں کہ ملائکہ اجسام لطیفہ ہدائیہ ہوا کی طرح نظر نہیں آتے اور وہ مختلف شکلوں کے تبدیل کرنے کا اختیار رکھتے ہیں ہم جس طرح لباس کو آسانی تبدیل کر سکتے ہیں وہ اسی طرح شکلوں کو تبدیل کر سکتے ہیں۔ ملائکہ کی قوۃ کتنی ہوگی ملکی نظام پر علماء کم بیان کرتے ہیں حالانکہ ایمان

میں دوم نمبر پر ہے طاقت کا اندازہ یہ ہے۔ حدیث شریف۔ کہ تمام آسمانوں کے مجموعہ سے اللہ تعالیٰ کی کرسی بڑی ہے۔ وسع کرسیہ السمٰوٰت والارض کہ کرسی تمام زمین اور آسمانوں سے وسیع ہے۔ حدیث شریف کہ کرسی ایسی ہے کہ جیسا چھوٹا سا کڑا ڈال دیں اسی طرح وہ کرسی عرش معلیٰ کے آگے ایک کڑا ہے اللہ تعالیٰ ملائکہ کا محتاج نہیں بس ایک اس کی قدرت ہے۔ قیامت کے دن عرش معلیٰ اپنی جگہ سے ہٹ کر قیامت کے میدان میں لایا جائے اور عدل و انصاف ہوگا اس کو اٹھانے والے صرف آٹھ فرشتے ہوں گے۔ علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم ۔اس وقت عرش معلیٰ کو کتنے فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں روح المعانی کہ چار ہیں۔ محققین نے لکھا ہے کہ سات ہیں اس لیے کہ اللہ کی صفات ذاتیہ سات ہیں۔ اور قیامت کے دن صفت عدلیہ کا ظہور ہوگا۔ اس لیے کہ ایک مَلَک فرشتہ اور بڑھ جائے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک ان میں سے حضرت اسرافیلؑ ہیں۔

(۱۳۳) صرف قانون سے اصلاح ممکن نہیں!

اس ایمان بالغیب میں زندگی کی اصلاح ہے۔ معاشرہ عبادت وغیرہ ایمان بالغیب سے درست ہوجاتی ہیں۔ ایمان بالغیب کے تصورات میں۔ (۱) اللہ، (۲) ملائکہ، (۳) کتاب، (۴) نبی اور (۵) آخرت۔ یہ پانچ بالغیب ہیں۔ جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ایمان بالغیب سے زندگی درست ہوجاتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو زندگی کی اصلاح چاہے لاکھوں قانون بنائے جائیں اصلاح نہیں ہوسکتی۔ انسان کی اصلاح یا خارجی حکومت سے یا داخلی حکومت سے۔ خارجی حکومت یہ کہ جس طرح ہماری حکومتیں ہیں اور ایک یہ کہ آدمی کے دل کے اندر حکومت ہوجائے۔ یہ ہے داخلی حکومت۔ بہرحال

اصلاح کے لیے دنیا میں بڑی چیز حکومت خارجی کی ضرورت ہے کہ انکے واسطہ سے آدمی غلط راستہ سے بچ جاتا ہے اصلاح کی ایک چیز قانون حکومت ہے۔ (۲) تعلیم ہے اس سے بھلائی اور بُرائی کی پہچان ہوجاتی ہے۔ (۳) ایمان بالغیب ہے۔ زندگی اور معاشرہ کی اصلاح کے لیے یہ تین چیزیں ضروری ہیں۔ ہم ان پر نظر ڈالتے ہیں کہ تجربہ کے لحاظ سے ان میں موثر چیز کونسی ہے۔ قانون ہو مگر سو فیصد اصلاح قانون سے نہیں ہوتی کیونکہ جب تک مجرم دماغ میں یہ احساس نہ کرے کہ یہ میرا جرم میرے لیے ضرر مند ہے تو وہ جرم سے باز نہ آئے گا۔ قانون تنہا اکیلا اصلاح نہیں کرسکتا۔ اصلاح کا معنی یہ ہے کہ آدمی کی جان و مال محفوظ ہو۔ اگر مجرم جان و مال چھین لے تو اس نے معاشرے میں بگاڑ پیدا کیا۔ تو اس مجرم کی اصلاح کرتے ہیں کہ مقدمہ دائر کریں گے اور مقدمہ کی تکمیل کے لیے خاص رقم کی ضرورت ہے۔ پہلے دور میں تو راستہ سے کاغذ اٹھا کر درخواست لکھو تو فوراً فیصلہ شروع ہوجاتا تھا۔ مگر آجکل تو انگریز کی وجہ سے خاص رقم کی ضرورت ہے۔ اگر یہ مظلوم جن کی مال یا جان چھینی گئی ہے ان کے پاس رقم نہیں ہے تو بیڑا غرق ہوگیا مجرم آزاد پھرتا ہے۔ اور مظلوم اخراجات نہ ہونے کی وجہ سے خاموش پھر رہا ہے۔ مقدمہ گواہ کے ذریعہ کامیاب ہوسکتا ہے۔ تو بسا اوقات گواہ نہیں اور جرم کرلیا تو قتل اور چوری کا مجرم شہادت پر سزا پائے گا تو یہ دوسری صورت میں حکومت کے قانون سے مجرم بچ گیا۔ تیسری صورت یہ کہ گواہ موجود ہیں ان کو گواہی کے لیے کہیں گے تو وہ پہلے یہ کہیں گے کہ ہم اس معاملہ میں نہیں پڑتے پھر بھی مظلوم مظلوم رہا اور مجرم ویسا رہا۔ (۴) کہ قرآن میں ہے کہ حق کی گواہی نہ چھپاؤ۔ کیونکہ جو سچی گواہی نہیں دے گا وہ مجرم کا ساتھ دے گا۔ اب مجرم گواہ کو کہے گا کہ اگر گواہی چھوڑ دو تو دو سو روپے آپ کو دوں گا اگر گواہی دی تو کچھ

نہیں۔ یا پھر ترغیب کے بعد ترھیب ہے کہ اگر تم نے گواہی دی تو تمہیں قتل کردوں گا۔ تو ایسی صورت میں گواہ نے گواہی ترک کردی۔ ایک صورت اور بھی ہے کہ گواہی بھی بھگت گئی سب کچھ درست ہوگیا۔ آگے وکیل بیٹھے ہیں جرح کی اور اس کی سچی گواہی میں گڑبڑ ڈالی۔ ہمارے ایک مولوی صاحب عدالت کے کمرہ میں گئے اور سچی گواہی دی تو مولوی صاحب نے کہا کہ فلاح کمرہ میں جہاں یہ فعل ہوا ہے۔ تو وکیل نے کہا کہ اس کمرہ کی کھڑکیاں کتنی ہیں خیر آپ نے کہا کہ آپ سر نہ اٹھائیں کمرہ کی کھڑکیاں بتلادیں۔ ساتویں صورت یہ کہ گواہی تو ہوگئی آگے ۲۰ ویں صدی کا جج بیٹھا ہے کوئی حضرت ابوبکر صدیقؓ تو نہیں بس جج کا ہاتھ گرم کیا تو فیصلہ غلط دے دیا۔ آٹھویں صورت یہ کہ اگر فیصلہ بھی درست ہوگیا تو آگے اپیل ہوتی ہے۔ وہاں بھی یہی بات ہوتی ہے یہ گرداگرد مثلاً عدالت اور پولیس وغیرہ جو محافظ ہیں۔ یہ حقیقت میں بچھو ہیں ہمیں ڈنک لگانے کے لیے۔ انگریز خبیث بھی بات سنتا تھا پرانے زمانہ میں دیسی جج کے اوپر انگریز جج ہوتا تھا مسلمان کو انگریز جج سے صحیح فیصلہ کی توقع تھی نہ کہ اپنے دیسی جج سے۔

(۱۳۴) نماز کی فرضیت عرش پر ہوئی!

وہ یہ کہ نماز ایک مقدس چیز ہے مقدس چیز کو عرش پر روبرو مقرر کریں گے تاکہ اس کی فضیلت ہوجائے۔ قرآن کے تمام احکامات زمین پر آئے ہیں مگر نماز عرش پر اور چوتھی چیز عظمتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔ ایک تو آپ ﷺ کو انبیاءؑ کا امام بنایا گیا اس سے امتِ محمدیہ کی بھی باقی امتوں پر عظمت ہوگئی۔ مگر اب اس امت نے کافروں سے بھی بڑھ کر کام شروع کردیئے۔

راولپنڈی میں متحدہ ہندوستان کے وقت ایک مرزائی سے مناظرہ کیا۔ مولوی صاحب نے پوچھا کہ مرزا کون ہے کہا کہ پیغمبر مولوی صاحب نے کہا میں خدا میں نے تو [illegible] نہیں بھیجا (کیونکہ وہ بلادلیل بن گئے۔) کیونکہ خدا پیغمبر کو بھیجتا ہے میں نے تو اسے [illegible] بھیجا۔ اور معراج میں ایک عظمت انسانیت مراد تھی کہ انسانوں میں سے ایک ہستی [illegible] سدرۃ المنتہیٰ سے آگے گئی۔ اور افضل الملائکہ جبرائیلؑ کے پر اس مقام پر جلتے تھے باقی یہ [illegible] یہ واقعہ مکہ میں ہوا مدینہ میں کیوں نہیں ہوا۔ حقیقت تو اللہ جانتا ہے مگر ظاہراً حکمت یہ [illegible] کہ آدمی جس قدر اللہ کی راہ میں تکلیف اٹھاتا ہے اس قدر مقبول بن جاتا ہے۔ تو مکہ میں [illegible] تکالیف تھی اور مدینہ میں یہ تکالیف نہ تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے لیے جو [illegible] تکلیف اٹھائے گا اتنا ہی آرام ہوگا۔

(۱۳۵) قائم الصلوۃ!

ویقیمون الصلوۃ و مما رزقنھم ینفقون ۔ یہ متقیوں کے پانچ صفات [illegible] تھے۔ ایمان بالغیب اور اس کے بعد قائم رکھتے ہیں نماز کو ویقیمون الصلوۃ قرآن [illegible] پاک جب بھی نماز کا ذکر کرتا ہے تو اقام یا یقمون کا لفظ بیان کرتا ہے یہ حکمت سے خالی [illegible] نہیں اللہ یہ بتلانا چاہتا ہے کہ صرف نماز مقصود نہیں بلکہ قائم ہونا مراد ہے۔ عرب میں [illegible] اقامۃ اس کو کہتے ہیں کہ ٹیڑھی لکڑی کو آگ پر سینک کر درست کرلیتے تھے معلوم ہوگیا کہ [illegible] اقامت کا ایک معنی عرب میں ٹیڑھی لکڑی کی کجی کو دور کرنا تھا اور دوسرا معنی یہ کہ عرب میں [illegible] مختلف میلے ہوتے تھے جب کوئی میلہ زیادہ مشہور ہوجاتا تھا تو عرب کہتے تھے قائم [illegible] السوق کہ بازار قائم ہے مطلب یہ کہ قرآن ہمیشہ نماز کے ساتھ اقامۃ کا لفظ لگاتا [illegible] ہے۔ تو اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتے ہیں کہ نماز کو قائم رکھو معنی یہ کہ نماز میں کجی یعنی ٹیڑھا پن نہ

آنے دو۔ نہ نماز کے باطن میں مثلاً قصداً دل کسی اور توجہ میں ہے یہ بھی ایک قسم کی کجی ہے۔ ھم فی صلوتھم خٰشعون۔ خیالات اگر نماز میں بے اختیار آ جائیں تو نقصان نہیں اگر خود کرے تو نقصان دہ ہیں۔ ایک تصورات کا آنا اور ایک لانا ہے۔ لانا مضر ہے اس لیے خشوع جو نماز میں مطلوب ہے تو خشع بھی عربی کا لفظ ہے۔ معنی ٹھہرنا ہے۔ مثلاً نماز کے اندر ظاہری سکون ہو مثلاً قیام میں زبان قرأت سے چلتی ہے رکوع اور سجدے میں بھی اور غیر کام مثلاً خواہ مخواہ کھجلی وغیرہ کرنا تو یہ غلط ہے۔ خشوع کا معنی سکون ہے مطلب یہ کہ مثلاً ظاہری طور پر جو حرکت نماز سے تعلق نہیں رکھتی اس کو ترک کرو۔ مثلاً دائیں بائیں دیکھنا یا سر سے حرکت کرنا یہ منع ہے۔ اور باطنی سکون بھی ہو کہ دماغ کو تصورات میں مت لے جاؤ اس کو خشوع باطنی کہتے ہیں۔ گر آدمی کے دل میں بے اختیار تصورات آ جائیں تو نقصان نہیں بلکہ شاید ترقی ہو۔ صحابہ کرامؓ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس میں آئے عرض کی ایسے تصورات آتے ہیں کہ لان اکون حممأ خیر۔ اگر ہم جل کر کوئلہ بن جائیں تو یہ بہتر ہے۔ اتنے غلط تصورت آتے تھے تو ارشاد فرمایا کہ یہ تو عین ایمان کی نشانی ہے۔ میں نے دو قسمیں بتائی تھیں ایک اختیاری اور دوسری غیر اختیاری یہ ہے غیر اختیاری حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عین ایمان اس لیے فرمایا کہ دین کے دشمن نے یہ تصورات ڈالے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ آپ کے دل کے صندوق سے ڈاکو کی طرح کوئی چیز لینا چاہتا ہے۔ تو یقینی بات ہے کہ چور وہاں جاتا ہے جہاں مال موجود ہو تو ارشاد گرامی یہ ہے کہ یہ دلیل کہ تمہارے دل کے صندوق میں دولتِ ایمان موجود ہے۔

(۱۳۶) مغفرتِ موذن!

ترغیب وترھیب کی حدیث پاک ہے۔ اللھم ارشد الائمۃ واغفر المؤذنین۔ یا اللہ اماموں کو ہدایت کر کہ درست طریقہ سے نماز پڑھائیں اور مؤذن کو بخش دے۔ بخاری شریف میں ہے کہ اگر امام غلطی کرے گا تو تمام مقتدیوں کا حساب دے گا اور اگر موذن نے وقت سے پہلے اذان دی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دعا مغفرت کھڑی ہے۔ حدیث شریف اطول الناس یوم القیمتہ اذان دینے والے قیامت کے دن سب سے سر بلند ہوں گے۔ عام طور پر قامتہ سب کی ایک جیسی ہوگی مگر خوبصورت گردن جو کچھ لمبی بھی ہوگی مؤذنوں کی ہوگی۔ سربلندی اس لیے کہ اس نے اللہ کا نام بلند کیا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے چہرے کو ایسا متاثر کرے گا کہ لوگوں کو صاف معلوم ہوگا کہ ان پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہے۔ دوسری حدیث شریف ہے کہ مؤذن کی آواز کو جو سنے گا۔ انسان، حجر، شجر، جن وغیرہ تو وہ قیامت کے دن اس پر گواہ بنیں گے یقینی بات ہے کہ سب سے سخت مقدمہ قیامت کے دن کا ہے۔ مگر جس کے گواہ زیادہ ہوں گے وہ فتحیاب ہوگا۔ منذری میں ہے کہ موذن جتنا زور لگائے گا اتنی ہی مغفرت ہوگی۔ امام منذریؒ فرماتے ہیں کہ جتنا مبالغہ فی الصوت ہوگا اسی قدر کامل مغفرت نصیب ہوگی۔ حضرت امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ دیکھیں گے کہ مؤذن کی آواز چاروں سمت کتنی دور جاتی ہے۔ کہ اتنی زمین گناہ سے پُر ہو تو گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے تھے کاش کہ میں خلیفہ امیر المومنین نہ ہوتا موذن ہوتا۔ وہ حضرت عمرؓ جن کے ناخون کی گرد پر لاکھوں بادشاہ قربان ہوں۔ ایک اور حدیث پاک ہے کہ مؤذن اذانیں دیتا ہوا مر جائے تو وہ اس شہید کے مثل ہے جو خون میں آلودہ ہو تڑپ رہا ہو۔ اور ایک

روایت میں ہے کہ اس کی قبر کو کیڑے نہیں لگے گے۔ تو معلوم ہوگیا کہ جو چیز نماز سے منسلک ہو جائے وہ پسند خدا ہے۔

(۱۳۷) مقامِ مسجد!

اس سے پہلے درس میں اللہ کے ہاں نماز کی بڑی عظمت ہے بیان کی تھی۔ اس لیے نماز سے جو چیزیں تعلق رکھنے والی ہیں ان کو بھی شرف حاصل ہے ان میں سے ایک مسجد ہے۔ صرف نماز کے تعلق سے جس زمین کا تعلق ہو جاتا ہے ان المساجد للہ مسجدیں خالص اللہ کے لیے ہیں۔ ہم کو جس طرح گھر پیارا ہے اسی طرح اللہ کو بھی اپنا گھر محبوب ہے تو اس ٹکڑے کے ساتھ اللہ کی محبت قائم ہوگئی۔ دوم اس ٹکڑے کی عظمت اس طرح ہوگئی، خواہ وہ عمارت بوسیدہ ہو یا نئی ہو یا اعلیٰ عمارت ہو چاہے مادہ مٹی کی بنی ہوئی ہو شرعی قانون کی رو سے ان کی عظمت برابر ہے۔ کیونکہ اس کی عظمت تو نماز کی وجہ سے ہے نہ کہ سنگ مرمر کی وجہ سے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ امریکہ کا پارلیمنٹ ہال ہو یا کوئی اور مقامات ہوں مسجد کے علاوہ اگر ان میں پاخانہ پیشاب کیا جائے تو ملکی اور شرعی قانون کے حساب سے ناجائز نہیں لیکن جہاں دس روپیہ کی دیوار کھینچ کر نماز پڑھی جائے تو اس ٹکڑے کی حقیقت ان محلوں سے اعلیٰ ہے۔ اس سے آپ نے سمجھا نہیں کہ نماز کے تعلق نے اس ٹکڑے کو کیا مقام بخشا۔ جنبی آدمی اور حیض والی عورت مسجد میں نہیں آسکتے۔ لیکن اور محلات میں جاسکتے ہیں۔ باوجود اس بات کہ گندگی ظاہری بھی نہیں کہ ان سے مسجد خراب ہو جائے گی۔ جنبی اور غسل واجب ہو تو یہ تصور حسی نجاست ہے اللہ نے اس پلیدی سے بھی مسجد میں داخل ہونے کو منع فرمایا ہے۔ دوم عظمت لایعنی کے اعتبار سے ترمذی شریف کی حدیث میں قیامت کی دس علامتیں بتلائی ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ لوگ مسجد

میں فضول باتیں کریں گے۔ تو اس سے معلوم ہوگیا کہ آپ دنیا کی باتیں ہر مقامات کے اندر کر سکتے ہیں مگر مسجد میں مکروہ رکھا اور یہ نہیں کہ اس دور کا معاملہ ہے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کا واقعہ حدیث میں مذکور ہے کہ ایک دو بچے مسجد میں آئے اور کچھ زور کے ساتھ بولنے لگے۔ کہا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ بچوں نے کہا طائف کے۔ فرمایا اگر مدینہ کے ہوتے تو میں سخت سزا دیتا۔ کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اونچا بولنے سے منع فرمایا ہے۔ موطا امام مالکؒ میں سیدنا فاروق اعظمؓ سے مروی ہے کہ مسجد نبوی کے قریب ایک چبوترہ بنایا ہوا تھا اور حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرما رکھا تھا جو کوئی دنیا کی بات یا شعر کہنے لگے تو مسجد سے اس چبوترہ میں آکر کرے۔ رمضان شریف میں ایک رات لیلۃ القدر آرہی رہے وہ ہزار مہینہ سے بہتر ہے ایک رات کی ڈیوٹی دو اور ہزار سال مہینوں سال کی تنخواہ لے لو لیکن وہ معلوم نہیں اتنا غالب گمان ہے کہ رمضان کے آخری دس دن حصہ میں ہے۔ حضرت عبداللہ ابی درداؓ اور ابی ابن کعبؓ یہ دو صحابی ساتھ تھے۔ آپس میں کچھ قرضہ لینا دینا تھا تو مانگنے میں کچھ باتیں اونچی نکل گئیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم حجرہ سے باہر تشریف لے آئے اور فرمایا ابی ابن کعب تو آدھا قرضہ ترک کردے اس نے کہا اچھا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری توہین مسجد سے اس رات کی تخصیص اللہ تعالیٰ نے نہیں کی اور اس رات کے تعین سے تمام امت محروم ہوگئی۔ اگر دو شخص مسجد میں بیع کریں تو حدیث شریف میں ہے کہ تم اس کے لیے بدعا کرو کہ خدا تمہاری خرید کو نفع مند نہ کرے۔ اس میں اعتکاف کا عشرہ مستثنیٰ ہے۔ دیوبند میں فلسفہ بھی پڑھاتے ہیں تو طالب علم مسجد میں فلسفہ کی کتابوں کا تکرار کر رہے تھے تو حضرت انور شاہ جیؒ نے دیکھا تو فرمایا کہ خدا یہ علم تم کو نہ

دے کیونکہ یہ دنیوی علم ہے۔

(۱۳۸) اہمیتِ صلوٰۃ!

سیدنا حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے تمام گورنروں کو حکم نامہ جاری کیا۔ ان اھم امورکم الصلوۃ فمن حفظھا فھو حافظ کل امر و من ضیعنا فھو تارک کل امر ۔تم پر اہم امور نماز کی پابندی ہے جو اس کی پابندی کرے گا وہ اور جملہ فرائض بخوبی ادا کرے گا اور جو اس کی پابندی نہ کرے گا وہ دیگر جملہ فرائض بخوبی انجام نہ دے گا۔ حضرت ابن عباسؓ کو موتیا بند آیا تو معالجوں نے کہا کہ اگر سجدہ نہ کریں تو آپریشن کردیں۔ فرمایا جو علاج سجدہ سے ترک کرے اس کو کیا کروں۔

نماز میں کائناتی جامعیت۔

یسبح للہ ما فی السموٰت والارض ۔ کہ پوری کائنات عبادت میں مصروف ہے یعنی ایک سیکنڈ کے لیے حکم عدولی نہیں کرتے۔ دن اور رات۔ موسموں اور دریا وغیرہ کے لیے جو نظام ہے آج تک کسی نے حکم عدولی نہیں کی یعنی خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی صرف ایک انسان ہے جو نافرمانی کرتا ہے۔ وسخر لکم ما فی السموٰت والارض ۔کہ ساری کائنات کو انسان کی خدمت کے لیے مقرر کیا ہے۔ بغیر کسی رخصت کے یہ کام کر رہے ہیں۔ تو ماسوائے انسان کے سارا جہان اپنے فرائض انجام دے رہا ہے۔ یہ جہان بندگی ہے اور بندگی یہ کہ اللہ کی عظمت اور اپنی ذلت کا اظہار ہو۔ تو کائنات کی بندگی میں چار شکلیں ہیں۔ بعض چیزیں بصورت قیام ہیں مثلاً درخت سب کے سب کھڑے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت بصورت قیام کر رہے ہیں۔ زمین کو اگر دیکھا جائے تو وہ اللہ کی عظمت اور اپنی پستی کا اظہار اس طرح کر رہی ہے کہ وہ سجدہ کی

ہیئت میں ہے۔ اور تخلیق سے آخرت تک پیشانی جھکی ہوئی ہے۔ کبھی کبھی جلوس اور قعود کی تعظیم ہوتی ہے پہاڑوں کی شکل قعود کی ہے جس طرح التحیات میں بیٹھتے ہیں اور آسمان کی حالت رکوع کی ہے۔ سیارات چکر اور گردش میں ہیں وہ گردش سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا اظہار کر رہے ہیں۔ اسی طرح پانی بلندی سے پستی کی طرف اور آگ پستی سے بلندی کو جا رہی ہے۔ تو ہمیں یہ چند تعظیمی شکلیں نظر آئیں۔ گویا گردش سیارگان اور باقی مذکورہ بالا حرکتوں کے بعد اللہ نے چاہا کہ انسان کے لیے اظہار تعظیم کے لیے ایک ایسی عبادت ہو جس میں یہ تعظیم کی تمام شکلیں جمع کر دیں۔ وہ نماز ہے۔ ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک ۔جس طرح ہم سانس لینے سے نہیں تھکتے فرشتے اسی طرح عبادت سے نہیں تھکتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تعظیموں کا عطر و نچوڑ نماز کو بنایا جس میں تمام مذکورہ بالا تعظیمی شکلیں آجاتی ہیں۔ قیام سے رکوع اور رکوع سے سجدہ وغیرہ کو بنایا ایک گردش ہے جو سیارگان کی گردش والی عبادت ہے۔

(۱۳۹) تشریح دماغ!

دماغ میں پانچ حصے ہیں۔ جن کو حواس خمسہ کہتے ہیں۔ انسانی دماغ تین کمروں میں ہے اور ہر کمرہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ کل چھ ہو گئے۔ ایک کو خالی چھوڑا اور باقی پانچ حصوں کو قدرت نے خاص طاقت عطا کی ہے۔ بعض چیزیں ایسی ہیں جن کو ہم سمجھنا اور پوچھنا چاہتے ہیں۔ اور کچھ محسوسات ہیں مثلاً لوہا۔ لکڑی۔ دروازہ۔ کرسی وغیرہ یہ چیزیں آنکھ سے معلوم ہوتی ہیں اور دوسری چیز ہے معلومات۔ جس طرح مقرر جو تقریر کرتا ہے یہ دماغ سے بذریعہ زبان نکلتی ہے۔ ان الفاظ کو آنکھ دیکھ نہیں سکتی کیونکہ یہ محسوسات نہیں۔ بلکہ معلومات ہیں۔ تو یقینی بات ہے ہمیں جن اشیاء کی ضرورت

ہے ان کی دو شکلیں ہیں (۱) معلومات اور (۲) محسوسات تو ان کے دو طاقتوں کی ضرورت ہے۔ ایک ایسی قوت جو چیز کو حاصل کرے۔ دوسری وہ جو چیز کو باقی رکھنے کی قوت رکھتی ہو۔ تو تین کمروں میں سے ہر ایک کمرہ دو حصوں پر مشتمل ہے کل چھ ہو گئے۔ پہلا حصہ۔ حس مشترک کا کمرہ اس کا کام ہے کہ کائنات میں جو محسوسات ہیں ان کو حاصل کرنا۔ مثلاً آپ کوئی چیز کمرہ میں رکھنا چاہیں یعنی باہر سے حاصل کی ہوئی چیز کمرہ میں محفوظ کریں۔ تو محفوظ کرنے کے لیے دوسری قوت متخیلہ رکھی مثلاً دس سال بعد ایک آدمی کو دیکھو تو کہتے ہیں کہ یہ تو فلاں آدمی ہے۔ تو حس مشترکہ نے صورت لے لی اور قوت متخیلہ نے محفوظ رکھ لی۔ تو چونکہ نقشہ قوت متخیلہ میں موجود تھا اس لیے دس سال بعد پہچان لیا یہ ہے محسوسات کے متعلق۔ اب معلومات کے متعلق مثلاً حافظِ قرآن یاد کرتے ہیں تو یاد کرنے کے لیے ایک قوت چاہیے تو اس کا نام ہے قوت وہمیہ تو یہ معلومات کو حاصل کرتی ہے تو اب ان کو محفوظ کرنے کے لیے ایک قوت چاہیے اس کا نام ہے قوت حافظہ یہ چار طاقتیں ہو گئیں اب پانچویں طاقت قوۃ حاکمہ ہونی چاہیے ایک معلم کو تعلیم میں ایک مدرس کو تدریس میں معلومات اور محسوسات کی ضرورت ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے قوۃ متفکرہ رکھی۔ کہ اس قوۃ سے سوچ کر تعلیم دو یا تصنیف کرو۔

(۱۴۰) اکبر سے علاؤ الدین تک اشیاء خورد و نوش کی قیمتیں!

آپ نے یہ تجربہ کیا ہوگا کہ جنگ کے بعد گرانی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ جنگ سے پہلے ساری دولت حکومت کے پاس ہوتی ہے اور جنگ کے بعد یہ پوری دولت مختلف ذرائع سے عوام میں پھیل جاتی ہے تو اس سے افراطِ زر پیدا ہوا جو گرانی کا سبب ہے۔ پہلے زمانہ میں کھانے والوں کی تعداد کم تھی تو زمین بھی تھوڑی آباد تھی اب زمین بھی

زیادہ آباد اور کھانے والے بھی بہت ہیں۔ تو پہلے زمانہ میں افراطِ زر نہ ہونے کی وجہ سے گرانی تھی جس حکومت میں ضروریات زندگی کی ارزانی ہو وہ اچھی حکومت ہے اور اگر گرانی ہو تو لعنتی حکومت ہے۔ اکبر کے زمانہ میں گائے کا گوشت دو پیسہ میں چار سیر تھا۔ سلطان عالمگیر اورنگ زیب یہ اکبر کے پڑپوتے تھے دو پیسہ میں گائے کا گوشت آٹھ سیر تھا۔ محمد تغلق کے زمانہ میں گائے کا گوشت ایک پیسہ میں تین سیر تھا۔ اکبر کے آخری دور میں ایک پیسہ میں چار سیر تھا۔ محمد تغلق کے دور میں عمدہ سے عمدہ کپڑا ایک روپیہ میں تیس گز تھا۔ اکبر کے وقت میں جوار چھ آنہ من۔ باجرہ پانچ آنہ من۔ دودھ دس آنہ میں ایک من۔ عالمگیر کے زمانہ میں مکھن دو آنہ سیر۔ محمد تغلق کے زمانہ میں موٹی تازی مچھلی دو آنہ میں ڈیڑھ سیر۔ محمد تغلق کے زمانہ میں گھی ایک روپیہ من۔ علاؤ الدین کے زمانہ میں ایک روپے کا تینتیس (۳۳) سیر۔ اکبر کے وقت سرسوں کا تیل ایک روپے میں تین من۔ اس کے زمانہ میں بھینس دو روپے کی اور مرغا و مرغی دو پیسہ میں۔ ان دوروں میں بیس فیصدی بھی اسلام مشکل تھا مگر ارزانی کتنی تھی۔ ترمذی شریف کی حدیث پاک ہے۔ الجالب مرزوق والمحتکر ملعون۔ جو واجب قیمت پر تجارت کرے وہ رزق دیا گیا ہے اور جو ذخیرہ اندوزی کرے گا وہ ملعون ہے تو اسلام نے ذخیرہ اندوزی کی انسداد کی بندش کی کیونکہ اس سے بھی افراطِ زر ہوتی ہے۔

(۱۴۱) فلسفہ کی اسلام میں ابتداء!

اسلام میں معتزلہ ایک طبقہ تھا۔ عباسی دور میں یونان کے علوم مسلمانوں نے پھیلائے ان کی وجہ سے عقیدوں میں فرق پڑ گیا۔ تو کچھ یونانی اور کچھ اب یورپی علوم کے پھیلانے میں اسلام کو نقصان پہنچا۔ مگر اب جو یورپ کے ملک سے نقصان پہنچ رہا ہے

وہ پہلے نقصان سے مختلف ہے۔ یونان ایک ایسا ملک تھا۔ جہاں کیمیاء۔ فلسفہ۔ ہندسہ وغیرہ یعنی دنیوی علوم کا مرکز تھا۔ قسطنطون جو قسطنطنیہ کا امام تھا اس نے یونان کے تمام کتب کو دفن کر دیا۔ منصور عباسی خلیفہء اول جب خلیفہ بنا تو اس کی خواہش تھی کہ یونان کے علم سے اپنے ملک کو آگاہ کر دوں تو اس نے قیصر روم کو خط بھیجا کہ اپنے علوم بھیجو تو اس جاتے ہی اس نے حکمران پارٹی کو اکٹھا کیا اور مشورہ کیا کہ کتابیں بھیجوں کہ نہ بھیجوں تو طے پایا کہ بھیجنا ضروری ہیں۔ کیونکہ آج اسلام بہت پھیل چکا ہے تو ان کے مطالعہ سے تفرقہ پیدا ہوگا تو منصور خلیفہء اول نے کروڑوں روپے میں بیت الحکماء بنوایا تو تو مسلمانوں نے یونانی فلسفہ کو عربی میں ترجمہ کر کے مدارس میں شامل کیا جو کتابیں بارہ سو سال سے چلی آ رہی ہیں۔ تو یونانی علوم مسلمانوں کی فراخدلی سے پھیلا ورنہ یہ تو فنا ہو چکا تھا۔ منطق اور فلسفہ کی کتابیں آج تک پڑھائی جاتی ہیں۔ مسلمانوں کا کمال دیکھو کہ ان علوم کو کتنا چڑھایا۔ عیسائیوں نے یہ کتابیں جس مقصد کے لیے بھیجیں تھیں اس میں ناکام ہوئیں۔ کیونکہ اسلام جاہل فرقہ تو نہ تھا۔ مگر ان علوم کے آنے سے تفرقہ پیدا ہو گیا۔ تو (۱) معتزلہ کا فرقہ (۲) خارجیہ فرقہ پیدا ہوئے۔ تو یونان یورپ میں ہے۔ تو جو یونان قدیم نے بگاڑا تھا وہ معتزلہ قدیم ہوئے۔ اور جو یونان جدید یعنی دورِ حاضر نے بگاڑا وہ معتزلہ جدید مگر اب کی نسبت پہلے میں فرق تھا۔ فلسفہ یونانی مگر استاد مسلمان تھے اور دوسرا عربی زبان میں پڑھانہ کہ یونانی مغربی زبان میں۔ تو جب استاد مسلمان ہوں تو اسلام پھیلے گا مگر اب تو دورِ حاضر میں مغرب کی انگریزی تعلیم کو انگریزی زبان میں پڑھایا جا رہا ہے تو زبان کا تو بڑا اثر ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ ہم نے ان علوم کو اس وقت حاصل کیا جس وقت یونان کا عروج نہ تھا بلکہ ہم عروج پر تھے۔ اور انگریزی تعلیم ہم نے اس وقت

ہم غلام اور انگریز حاکم تھے اس لیے انگریزی کا اثر قلب و دماغ پر پڑ گیا۔ تو پہلے اس دور کے بگڑنے میں بہت فرق ہے۔ اس وقت جو بگڑے وہ اسلام پر سخت ہو گئے۔ اسلام میں تین چیزیں ہیں۔ ۱۔ نرمی، ۲۔ سختی، ۳۔ اعتدال۔ معتزلہ بگڑے تو انہیں اول کی طرح علماء سے تو نفرت پیدا ہو گئی مگر اسلام پر وہ اور بھی سخت ہو گئے۔ مثلاً معتزلہ کے نزدیک جو نماز نہ پڑھے۔ سود خور ہو۔ شراب نوش ہو۔ زانی ہو۔ جہاد سے بھاگے وہ اسلام سے خارج ہے۔ حالانکہ شریعت میں کبیرہ گناہ کرنے والا وہ گناہ گار ہے اسلام سے خارج نہیں۔ پھر معتزلہ سے سوال ہوا کہ کیا یہ لوگ کافر ہیں؟ کہا کافر بھی نہیں مگر یہ تیسرا طبقہ ہیں۔ ۱۔ خالص مومن جو کل کبیرہ گناہوں سے بچے، ۲۔ جو اسلام کا عقیدہ رکھتا ہو وہ کافر ہے۔ ۳۔ اور جو عقیدہ رکھتا ہو مگر عمل نہ کرتا وہ نہ کافر نہ مسلمان بلکہ بین بین ہے۔ ۲۔ خوارج یہ بھی یونانی تعلیم سے بگڑے تھے ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اسلام کی ایک بات پر عمل نہ کرنا بس کافر ہے۔ آجکل خوارج کی سلطنت مسقط عرب میں ہے۔ ایک شخص نے دورانِ درس سوال کیا (یہ سوال مولوی غلام قادرؒ صاحب غیر مقلد چک لوہاراں والوں نے کیا تھا) کہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں جو خارجی تھے وہ کون تھے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ وہ باغی تھے مگر آجکل کے خوارج وہ ایک فلسفی کی وجہ سے اب خلیفہء اول منصور کے دور میں پیدا ہوئے۔ یونانی مغربی فلسفہ کا دین سے جو فساد قدیم تھا اس نے اسلام پر اور زیادہ سختی کر دی۔ مگر جدید یورپی فلسفہ سے یہ حال ہوا کہ بس عقیدہ جو ہو اور جتنا خراب ہو خواہ کچھ بھی عقیدہ رکھو مسلمان ہو۔ معتزلہ نے اسلام کا دائرہ تنگ کر دیا کہ نماز پڑھو اور زکوٰۃ وغیرہ دو تو مسلمان ورنہ نہیں۔ حضرت جیؒ سے ایک آدمی نے بحث کی کہ بس اتنا کہہ دو کہ میں مسلمان ہوں تو کافی ہے باقی عمل کی کیا ضرورت۔ (تو

حضرت جیؒ تو جواب دینے کے بادشاہ تھے۔) فرمایا کہ یہ قاعدہ تم مذہب میں مانتے ہو
دنیاوی چیزوں میں بھی مانتے ہو۔ فرمایا انسان کی قسمت کا آخری فیصلہ اسلام اور
ہے۔ حضرت جیؒ نے فرمایا اگر ایک آدمی کہے کہ میں ڈپٹی کمشنر ہوں تو کیا مانو گے؟
نہیں تو حضرت جیؒ نے فرمایا کیا تم نے یہ عہدہ صرف اسلام کے لیے رکھی ہے۔ حالا
یہ عہدہ اسلام کے آگے پیشاب کے برابر بھی نہیں۔ تو معلوم ہوگیا کہ دنیا میں کو
قانون صرف دعویٰ سے نہیں عمل سے ہے۔ پھر اس شخص نے کہا کہ مولوی بہتوں کو کا
کہتے ہیں تو حضرت جیؒ نے فرمایا کہ اگر مولوی یہ کہنا چھوڑ دیں تو اسلام ختم ہو جاتا۔ آ
دیکھو کہ پرویز کا درس شروع ہونے والا تھا مگر علماء نے اس پر کفر کا فتویٰ لگایا اور اس کا
درس شروع نہ ہوسکا کیونکہ وہ (حدیث کا منکر ہے) ان علماء کی قلم پر قربان ہو جاؤں
جنہوں نے حق بات کہی۔ پھر اس نے کہا کہ آخر کوئی فراخدلی ہونی چاہیے۔ حضرت جی
نے فرمایا کہ کتنی فراخی ہو ضلع کے برابر یا پو... پاکستان کے برابر تو فرمایا کہ اگر ایک
آدمی پنجاب میں کھڑا ہو جائے اور مولوی سے پوچھے کہ میں کہاں ہوں تو مولوی کہے گا تم
پاکستان میں ہو اور اگر سندھ میں کھڑا ہو جائے تو مولوی کہے گا تم پاکستان میں ہو۔ اور اگر
وہ جاپان چلا جائے اور مولوی سے پوچھے میں کہاں ہوں تو مولوی کہے گا کہ اب تم حد سے
نکل گئے ہو اب تم پاکستان سے خارج ہو پاکستان کو اسلام سمجھو تو اب اگر ایک آدمی کفر
کرے جاپان میں کھڑا ہو جائے تو اب مولوی یہ نہ کہے کہ تم اب پاکستان میں نہیں ہو۔
بلکہ وہ کہے گا کہ اب تم پاکستان سے خارج ہو یعنی اسلام سے خارج ہو۔ یہی مولویوں کا
فیصلہ ہے کہ اسلام اسے اپنی پوری وسعت کے ساتھ موقعہ دیتا تھا کہ تم اس میں قدم رکھو مگر
اس نے قدم باہر رکھا تو اس لیے علماء نے کہا کہ اب تم اسلام سے خارج ہو۔ ایک

...نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کو کہا کہ مولوی کافر بناتے ہیں فرمایا بناتے نہیں بتاتے
...کہ فلاں کافر ہے (مضمون آیا) یہ جملہ حضرتؒ بیان کے اختتام پر مخاطب ہو کر
...تے تھے۔ دیکھو کہ اگر راستے میں ڈپٹی کمشنر بھی جا رہا ہو اور ایک چور بھی جا رہا ہو اور
...ئے کہ فلاں ڈپٹی کمشنر ہے اور فلاں چور ہے تو مولوی کی بھی یہی حقیقت ہے کہ
...کافر اور فلاں مسلم۔ مطلب یہ کہ یورپ کی قدیم تعلیم کے بگاڑ سے مسلمان اسلام پر
...خت ہو گئے تھے۔ اور یورپ کی جدید تعلیم کے بگاڑ سے اور مزید بگڑ گئے۔ آج تم
...وی کو گالی دیتے ہو؟

(۱۴۲) خواب کی مختصر تشریح!

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ صبح کی نماز کے بعد
...حابہ کرامؓ سے پوچھتے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو۔ وگرنہ تو خود فرماتے میں نے آج
...رات یہ دیکھا۔ پیغمبرؑ اور امتی کے خواب میں بڑا فرق ہے۔ پیغمبروں کا خواب وحی ہوتا
...ہے اس میں کوئی نقص نہیں ہوتا سب کچھ درست ہوتا ہے۔ خواب پر مختصر سی روشنی ڈالتا
...ہوں۔ خواب کو عربی میں الرویاء کہتے ہیں۔ خواب کی کئی قسمیں ہیں مگر تعبیر ایک قسم کی
...ہوتی ہے۔ چنانچہ خواب کے فلسفہ کے تحت ایک قسم مزاجی ہے کہ مزاج کے اثر سے خواب
...آتا ہے ایسا خواب قابلِ تعبیر نہیں۔

مزاج کی تشریح۔

انسانی مزاج میں کبھی صفراء اور کبھی بلغم وغیرہ کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اور ان اشیاء
...کے علیحدہ علیحدہ مزاج ہوتے ہیں مثلاً خون کا مزاج گرم تر وغیرہ اور صفراء کا رنگ زرد اور
...بلغم کا رنگ سفید اور خون کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ صفراوی زرد رنگ کی اشیاء خواب میں

دیکھتا ہے۔ ایسے خواب کی تعبیر کی کوئی ضرورت نہیں۔ دوسری قسم سفالی ہے۔ یعنی مرض کا نتیجہ ہے مثلاً اگر ملیریا بخار ہے تو اس کے مطابق دیکھے گا اور جسے تپ محرقہ ہو تو وہ اس کے مختلف خواب دیکھے گا۔ تیسری قسم اشغالی ہے۔ آدمی جس قسم کا کام کرتا ہو اسی قسم کے خواب آتے رہتے ہیں۔ درزی۔ کسان وغیرہ جو بھی کام ہو اسی طرح کے کام آتے رہتے ہیں بیداری کے مشاغل کے تحت جو خواب آتے ہیں وہ قابلِ تعبیر نہیں۔ چہارم قسم موسمی خواب ہیں۔ کہ گرمی و سردی کے موسم کے علیحدہ علیحدہ خواب ہوتے ہیں۔ پانچویں قسم شیطانی خواب۔ مثلاً یہ دیکھے کہ دین کی کتاب اٹھا رکھی ہے اور پھر پاخانہ کر رہا ہو۔ تو جس خواب کی چیزیں بے ربط ہوں تو وہ شیطانی ہیں اور یہ ڈراؤنا بھی ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسے خواب سے پریشان نہ ہو بلکہ لا حول ولا پڑھا کرو۔ یہ پانچ قسم کے خواب آسمان اور تعبیر سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ خواب کی اصلی قسم جس پر بنیاد ہے وہ چھٹی قسم رحمٰنی ہے۔ آدمی کی روح مرنے کے بعد اپنے اصلی وطن عالم بالا کو چلی جاتی ہے۔ تو جب آدمی سو جاتا ہے تو روح عالم بالا وطنِ اصلی کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ اور عالمِ بالا میں عالم مثال ہے۔ کہ دنیا جب سے بنی اور جب تک رہے گی درمیان میں جو واقعات ہیں ان کے نقشے عالم مثال میں محفوظ ہیں۔ تو ان نقشوں میں سے ایک واقعہ روح میں منقش ہو جائے گا۔ رحمٰنی خواب اگر امتی کا ہو تو اکثر صحیح ہوتا ہے مگر پیغمبروں کا تو وحی ہوتا ہے۔ کچھ مقدس خوابوں کا ذکر قرآن نے بھی کیا ہے۔ ایک حضرت ابراہیمؑ کا کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں۔ دوم۔ حضرت یوسفؑ کا خواب کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے آگے گیارہ ستارے۔ سورج اور چاند سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں اور والد حضرت یعقوبؑ نے فرمایا چپ بیٹے لقد صدق اللہ رسول

الرویا الخ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے خواب دیکھا کہ ہم طواف کعبہ کر رہے ہیں۔

(۱۴۳) فلاح، یورپ کا چاند پر جانا!

چیز یہ ہے کہ دنیا میں کسی کو فلاح نصیب بھی ہوتی ہے کہ نہیں تو جب ہم انسان کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ایسا کوئی آدمی نہیں ملتا جس نے ہر فائدہ حاصل کیا ہو اور ہر مضرت سے بچا ہو یہ کسی کو نصیب نہیں۔ دیکھو آجکل امریکہ کے صدر جانسن کی زندگی ایک غریب گھسیارے سے بدتر ہے کہ جنگوں میں الجھا ہوا ہے اور ناکامیابی ہے۔ فتح نہیں وہ بے چین ہے اس کو فلاح نہیں۔ کیا وہ ہمیشہ زندہ رہے گا یا وہ لذات سے ہمیشہ فائدہ اٹھاتا رہے گا۔ آخر اس کی جوانی زائل ہوگی نا۔ امریکہ کا جانسن اور روس کا کوسیجن یہ ہمیشہ زندہ بھی نہیں رہ سکتے اور ہمیشہ جوان بھی نہیں رہ سکتے۔ سٹالن نے ڈاکٹروں کا ایک بورڈ بنایا کہ ایسی دوائی بناؤ کہ جس سے جوانی زائل نہ ہو۔ کافی رقم خرچ کی گئی دوائی تیار ہوئی تو سٹالن نے نوش کی تو کچھ عرصے بعد مر گیا۔ میں یہ چیلنج کرتا ہوں کہ آج چاند پر جانے کے دعوے تو ہیں۔ یہ کیوں نہیں بناتے کہ دانت نہ گریں۔ بڑھاپا نہ آئے۔ ایک آدمی نے کہا کہ یورپ نے بڑی ترقی کی ہے کہ سمندروں میں دوڑتا ہے میں نے کہا کہ مچھلی تو ماسوا پٹرول کے اور مشینری کے ان سے زیادہ تعداد میں چل رہی ہے۔ ہوا میں میرے خدا کے پرندے اڑتے ہیں۔ ایک صاحب کا خط آیا کہ یورپ کے چاند پر جانے سے لوگوں کے ایمان خراب ہو رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ یورپ کے خلائی سفر سے اسلام پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ یونانی علم پر اثر پڑتا ہے جو علم الہیت ہے۔ فقط بات یہ ہے کہ آج کل کچے اور پکے عالم کی قیمت ایک ہے اور بعد میں پکے عالم بھی پیدا نہ

ہوں گے۔ میاں جب پکی اور کچی اینٹ کی قیمت ایک ہو تو کون اینٹ پکائے گا۔ مختصر جواب عرض کرتا ہوں میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ فلسفہ یونان کی ایجاد ہے اور خلیفہ منصور کے خواہش طلب کر کے عربی میں ترجمہ کرایا جو آج تک ہماری مذہبی درس گاہوں میں پڑھایا چلا آ رہا ہے۔ ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ جہاں یونانی فلسفہ دین سے ٹکرایا وہی ہم نے اسے قرآن و حدیث سے باطل کر دیا مگر آج علماء کرام اس چیز کو سمجھتے ہی نہیں تو یونانی فلاسفروں کی رائے تھی کہ کل ستارے آسمانوں میں ہیں۔ سات ستارے سات آسمانوں میں ہیں اور وہ آٹھویں آسمان کے بھی قائل تھے۔ تو اس کو ہمیں اسلام نہیں سمجھنا چاہیے۔ امام غزالیؒ۔ امام فارابیؒ۔ اور امام رشد وغیرہ ان اسلامی فلاسفروں نے یونانی فلاسفروں کی بہت غلطیاں ثابت کی ہیں۔ قرآن کے سب سے بڑے مفسر حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ ہیں سورہ طارق وغیرہ میں دیکھ لیں کہ کیا فرماتے ہیں ان کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ یا اللہ عبداللہؓ ابن عباس کو قرآن کا علم و فہم عطا کر۔ علامہ الوسیؒ لکھتے ہیں۔ الکواکب قنادیل معلقة بین اسماء والارض ۔ کہ ستارے زمین اور آسمان کے درمیان نورانی تاروں سے لٹکے ہوئے ہیں اور وہ تار فرشتوں کے ہاتھ میں ہے اور یہی قول اجل التابعین استاد ابی حنیفہؒ، عطاء ابی ابن رباحؒ کا ہے۔ ابھی تک روس اور امریکہ چاند سورج تک اترا ہی نہیں اگر اترے بھی سہی تو یورپ کے جدید علم الفلک میں ڈاکٹر ٹسلل لکھتا ہے کہ خوردبین سے ستاروں کی تعداد ۲۱ ارب معلوم ہوئی ہے اور جو نظر نہیں آتے وہ لامحدود ہیں۔ لایعلم جنود ربک الا ھو انھ تو ڈاکٹر ٹسلل کے مطابق ۲۱ ارب ہیں تو پہلے ایک پر پھر دوسرے پر جائیں گے رفتہ رفتہ سب ستاروں کو عبور کریں گے۔ تو اس کے بعد ہم کہیں گے کہ اب آسمان پر

پہنچے۔ علامہ الوسیؒ نے کہا ہے کہ اولیاء میں سب سے بڑا مقام فلاں بزرگ کا ہے اس نے کہا کہ سب ستارے آسمان کے نیچے ہیں۔ عربی زبان میں فلک آسمان کو نہیں کہتے یہ فلکته المغزل سے نکلا ہوا ہے جو چرخہ پر ہوتا ہے تو یہ ہرگز نہ سمجھو کہ جہاں فلک کا آئے اس سے مراد آسمان ہے۔ فلک معنی ہے۔ گول چیز۔ ثم لیقطع پھر اپنی زندگی کو خودکشی کر لو۔ یہاں بسبب السماء سے تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ سماء سے مراد چھت ہے نہ کہ آسمان۔ وانزل من السماء ماءً بعض نے سمجھا کہ پانی آسمان سے ہے حالانکہ بالاتفاق یہ معنی مراد ہے کہ اوپر سے پانی بھیجا نہ کہ آسمان سے آیا۔ کل فی فلک یسبحون سورج، چاند، ستارے فلک میں گردش کرتے ہیں۔ فلک کیا چیز ہے یہ ستاروں کی گردش کی جگہ ہے نہ کہ آسمان مراد ہے۔ حضرت عطا ابن رباحؒ، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے استاد فرماتے ہیں کہ فلک ستاروں کی جولان گاہ ہے نہ کہ آسمان۔

(۱۴۴) مقامِ فلاح!

اس سے پہلے درس میں فلاح کی حقیقت پر کچھ بیان ہوا تھا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہر فائدہ کا حاصل ہونا اور ہر ضرر سے محفوظ رہنا۔ یہ فلاح ہے تو ہر انسان کی یہ خواہش ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس دنیا میں یہ فلاح جو آرزوءِ انسان ہے کسی انسان کو حاصل نہیں۔ اب اگر کسی اور مقام میں حاصل نہ ہو تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ انسان کی فطرت کی غلطی ہوگی۔ مگر انسان کی فطرت کی بات ہے کہ فلاح حاصل ہو جائے تو معلوم ہو گیا کہ یہ عالمگیر تمنا غلط نہیں ہو سکتی۔ تو معلوم ہو گیا کہ جو زندگی موت کے بعد ہے اس میں فلاح ہے۔ اب اس بات کا ازالہ کرتا ہوں کہ اس دنیا میں فلاح کو کیوں نہیں رکھا۔ جواب یہ ہے کہ اس دنیا میں فلاح کی گنجائش نہیں۔ فلاح اتنی بڑی عظیم الشان نعمت ہے

کہ دینوی زندگی کے تنگ پیالہ کے اندر نہیں آسکتی یہ ایسے ہے کہ جیسے چائے کے کپ میں سات سمندر آجائیں۔ یہ مشکل ہے۔ اور تنگ ہونے پر کچھ روشنی ڈالتا ہوں۔ کہ دنیا کی ہیئت کچھ ایسی بنائی گئی ہے کہ فلاح سب کی سب حاصل نہیں ہوسکتی مثلاً اگر زندگی ہو اور موت نہ ہو تو زمین اتنی تنگ ہوجاتی کہ جس پر رہائش ناممکن ہوجاتی۔ اس جہان کے تغیرات ایسے ہیں کہ آدمی ہر حال میں تندرست نہیں رہ سکتا حالانکہ فلاح کا تقاضا ہے کہ آدمی بیمار نہ ہو۔ دنیا میں بڑھاپا بھی ہے اور فلاح میں بڑھاپا نہیں۔ معلوم ہوگیا کہ دنیا کی زمین فلاح کے لیے تنگ تھی موسم کے لحاظ سے کبھی گرمی اور کبھی سردی جب گرمی ہو تو انسان سردی کی اور جب سردی ہو تو انسان گرمی کی خواہش کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا کی تمام خصوصیات پر اگر نظر ڈالیں تو اس میں فلاح کی گنجائش نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فلاح جیسے مطلوب اعظم کو آخرت میں رکھا۔ اگر ساری دنیا آپ کی ہوجائے تو پھر بھی کامیابی نہیں کیونکہ موت کے بعد سب یہاں رہ جائیں گی۔ فمن زحزح عن النار جس کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے دور کیا و ادخل الجنة فقد فاز ۔ یہ کامیابی ہے جو آخرت میں ملے گی۔ فلاح کو ان دو لفظوں میں بند کیا۔ وَمَا الحیوة الدنیا الا متاع الغرور ۔ اور دنیا کی زندگی میں سرمست ہوجانا یہ دنیا کا دھوکہ ہے۔ جو آدمی کو فلاح کے عظیم الشان مقصد سے محروم کردیتا ہے۔ اور فلاح کے لیے فرمایا کل من علیها فان بہرحال فلاح کا مقام آخرت ہے۔

(۱۴۵) ختم الله علی قلوبهم انه کی تشریح!

ختم الله علی قلوبهم و علی سمعهم و علی ابصارهم غشاوة ۔ کہ تاثیر کے تینوں دروازے بند ہیں۔ دل، کان اور آنکھ کا دروازہ تینوں بند ہیں ان

پر دل اور کان پر مہر اور آنکھ پر اللہ نے پردہ لگادیا ہے ان حالات میں ہدایت کے تینوں راستے بند ہیں اس لیے لا یومنون لایا ہے۔ تین دروازے اس لیے لکھے ہیں کہ ہدایت کا سب سے بڑا مرکز حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں۔ تو پہلے اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ آدمی ہادی کو دیکھے یعنی جس سے ہدایت لینی ہو اس کے ساتھ اپنے سنگت رکھے۔ تو یقینی بات ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیدار بھی ہدایت کے لیے موثر ہے اس لیے حضرات صحابہ کرامؓ جیسا کوئی نہیں ہوسکتا کیونکہ ان کو دیدار نصیب ہے۔ اور دیدار کا تعلق آنکھ سے ہے۔ دیدار کے متعلق ایک خاص چیز یہ ہے کہ دیدار کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عظمت و عقیدت سے دیدار کرے۔ ۲۔ بغض و نفرت سے دیدار کرے۔ دیدار دونوں جگہ ہے مگر فرق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی ذات حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تھی۔ ابوبکرؓ و عمرؓ نے بھی دیکھا اور ابوجہل، ابولہب نے بھی دیکھا۔ ابوبکرؓ و عمرؓ کو یا عقیدت اور عظمت سے دیکھتے تھے اور وہ دونوں نفرت سے دیکھتے تھے۔ پہلے زمانہ کے بادشاہ اللہ والوں سے تعلق رکھتے تھے اس لیے دین و دنیا دونوں میں کامیاب تھے۔ جب دنیا والوں نے دین والوں سے جوڑ توڑ دیا تو سب کا خاتمہ کردیا۔ آج جو لوگ دفتروں میں رشوت کھاتے ہیں ان کو دین والوں سے جوڑ نہیں۔ سلطان محمود غزنویؒ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کی زیارت کو گئے تو اس نے سوال کیا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ہے کہ جو میرا دیدار کرے گا اس کے لیے جنت ہے۔ یہ بزرگ حضرت خرقانیؒ سے ایک سو سال پہلے گذرے ہیں۔ جو بادشاہ نے عرض کہ اگر جنت دیکھنے پر موقوف ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دیدار کفار نے بھی تو کیا تھا۔ فرمایا ابولہب اور ابوجہل نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دیدار نہیں کیا بلکہ انہوں نے محمد بن

عبداللہ کا دیدار کیا ہے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دیدار کرے گا اس کا دل عقیدت سے لبریز ہو جائے گا۔ وتراھم ینظرون الیک وھم لایبصرون۔ اے محمد ﷺ تم دیکھتے ہو کہ وہ کفار تمہیں دیکھ رہے ہیں مگر اس کے باوجود وہ آپ ﷺ کو نہیں دیکھتے۔ عبداللہ ابن سلام یہودیوں کے سب سے بڑے عالم تھے جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو دیکھتے ہی فرمایا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہوسکتا۔ جس کے دیدار سے خدا یاد ہو وہ ولی ہے اور اگر دنیا یاد ہو تو وہ ولی نہیں ہے۔ پھر دیدار کے بعد پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام قرآن وسنت سے کچھ ارشاد فرمائیں گے۔ کان حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنائی ہوئی حدیث کو سنیں گے تو ہدایت کا دوسرا دروازہ کان ہے۔ پھر ان کے بعد ہدایت کا تیسرا اور آخری دروازہ دل ہے۔ وعلی قلوبھم اگر دل درست ہو تو درست فیصلہ کرے گا ورنہ غلط فیصلہ کرے گا۔ قاعدہ تو یہ ہے کہ پہلے آنکھ سے زیارت ہوتی ہے۔ پھر کان سے سنا جاتا ہے پھر دل سے قبول کی جاتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ترتیب الٹ دی۔ قلب کو اول لایا بعد میں کان اور بعد میں آنکھ۔ اس کی مثال یہ ہے کہ میاں فلاں کاغذ فلاں کلرک سے دستخط کرالاؤ۔ پھر فلاں سے دستخط کراؤ بعد آ کر ڈی سی یا کوئی اور آفیسر دستخط کرتا ہے تو بعد میں کام ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اصل طاقت کو پہلے لایا بعد میں کان کو لایا۔ کان کا مرتبہ بلند ہے یا آنکھ کا؟ اگر کوئی بہرہ ہے تو وہ آنکھ کے اندھے کی نسبت زیادہ نقصان دہ ہے۔ امام رازیؒ نے تو یوں تفسیر کی کہ جب اللہ تعالیٰ نے دل کے بعد کان کا ذکر فرمایا ہے معلوم ہو گیا کہ کان آنکھ سے بلند چیز ہے۔ یورپ اور امریکہ نے ابھی یہ اٹل فیصلہ کیا ہے کہ کان کا درجہ آنکھ سے بڑھ کر ہے کیونکہ کان والا سنتا تو ہے۔ آجکل انگریز اس بات پر مسلمان ہوا ہے کہ یورپ وغیرہ نے تو آج

[illegible] کا درجہ آنکھ سے بلند کیا ہے مگر محمد ﷺ نے آج سے تیرہ سو سال پہلے بیان کیا ہے۔
[illegible] دنیا کی صورت سے محروم ہے۔ حقیقت سے محروم نہیں۔ اور بہرہ حقیقت سے آگاہ
[illegible]۔ صورت دیکھتا ہے تو حقیقت کو صورت سے فضیلت ہے۔ اندھا حقیقت کو جان لیتا
[illegible] لوگوں سے پوچھ گوچھ کر حقیقت پالے گا مگر بہرہ نہیں پاسکتا۔ تو کان سے حقیقت
[illegible] اور آنکھ سے صورت شناسی ہوتی ہے۔ تو اس لیے قرآن نے دوم نمبر پر سمع کو بصر
[illegible] پہلے ذکر کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافر جو تبلیغ سے متاثر نہیں ہوتے تو عدم تاثیر کا
[illegible] تین چیزیں بیان کیں۔ ان میں قلب کو پہلے رکھا معلوم ہو گیا کہ ان کفار کی بنیادی
[illegible] قلب فاسد ہے۔ دین کا نقصان لازوال ہے اور دنیا کا نفع وضرر چند دن کے لیے
[illegible]۔ تو انسان کے دو مکان ہیں اور ایک دنیاوی جس میں ضروری سامان رکھتا ہے اور
[illegible] ایمان کا گھر ہے یعنی قلب اس میں ایمان رکھا ہے۔ دنیا کا نقصان یہ ہے کہ گھر میں
[illegible] گھس آئے اور جو سامان اندوختہ کیا ہے وہ چھین لے تو چور کو یا پولیس پکڑے گی اور یا
[illegible] مالکِ مکان تیار ہوتا ہے کہ اسے پکڑے گا۔

(۱۴۶) لبیدؓ شاعر!

لبید عرب کا مشہور شاعر گذرا ہے۔ اس کی عمر ایک سو ساٹھ برس کی تھی۔ ۸۰
[illegible] سال کافر رہا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں تھا مگر زیارت سے محروم
[illegible] رہا۔ جب اسلام لایا تو شعر پڑھنا بند کر دیا تو لوگوں نے کہا آپ اب شعر کیوں نہیں
[illegible] پڑھتے تو فرمایا کہ مجھے قرآن سے شرم آتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم زندہ
[illegible] تھے ایک شعر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچا تو آپ ﷺ
[illegible] نے فرمایا کہ سب شعراء میں سے صرف لبید کی بات سچی ہے۔ اس کے پہلے مصرع کا

ترجمہ۔ کہ خوب سن لو کائنات کا ہر ذرہ مٹ جائے گا ماسواء اللہ تعالیٰ کے کل شئی ماخلا اللہ باطل زائل ۔شارحین کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پہلے مصرع کو تو فرمایا تو دوسرے کا ذکر نہیں فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس فقرہ کا مضمون غلط ہے کیونکہ ایک نعمت جنت بھی ہے جو مٹنے والی نہیں۔ مگر اس نے مصرع یوں کہا۔ وکل نعیم لامحالۃ زائلہ تو بہرحال جب یہ معلوم ہوگیا کہ دنیا حق و باطل کا مجموعہ ہے۔ حق لازوال اور باطل زوال پذیر ہے۔ حق کا تعلق اللہ سے ہے اور جو باطل سے جڑا وہ اللہ سے کٹ گیا۔

(۱۴۷) جمالی گرسل کی موت!

ترکی کے سابق صدر جمالی گرسل کو نزع کی حالت لگے ہوئے چھ ماہ اور گیارہ دن ہوگئے ہیں کہ جان نہیں نکلی یہ عالم دنیا میں نزع کی حالت تاریخ انسانی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آج چھ ماہ گذر گئے مگر اللہ تعالیٰ اس کی جان نہیں نکالتا تو نہ جانے کس گناہ میں پکڑا ہوا ہے۔ ایک بات یہ ہے کہ وہ یورپ کا دلدادہ تھا ترک مسلمانوں کو مغربی رنگ میں ڈھالنا چاہتا تھا ممکن ہے کہ اس کے اندر نفسِ ایمانی کی وجہ سے یہ تکلیف ہوتا کہ وہ دھل جائے اور جنت کا مستحق بن جائے۔ ایک آدمی نے کہا کہ کافر پر خدا کی کوئی پکڑ نہیں۔ میں نے کہا کہ پھانسی والے کے لیے کوئی قانون نہیں کہ اگر وہ روزانہ صدر پاکستان کو گالی دیتا رہے تو اس کے لیے کوئی قانونی گرفت نہیں۔ اسی طرح کفار بھی پھانسی والے ہیں ان کو دیگر جرائم میں پکڑنے کی کیا وجہ ہے مگر ہم سے اب تک یہ فیصلہ نہ ہوسکا کہ یورپ سچا ہے یا اللہ حق پر ہے۔ کارخانہ جات وغیرہ کی بات نہیں بس یورپ کی ہر وہ بات جو اللہ سے ٹکراتی ہو تو اس کو چھوڑ دو۔

(۱۴۸) دھریہ پروفیسر سے گفتگو!

آج کل انسان عمل کرنے کی خاطر مسائل نہیں پوچھتے بلکہ دماغی فرحت کی خاطر مسئلہ تقدیر وغیرہ پوچھتے ہیں۔ کمال للبصر حداً لایتجاوزہ، کذلک العقل حد لایتجاوزہ. یہ دعویٰ کرنا کہ ہماری عقل کی پہنچ ہر جگہ ہوگی۔ یہ غلط ہے ہم اس آیت کی تفسیر میں نہ پڑتے مگر آجکل عقیدہ بگڑنے کا خطرہ ہے اس لیے جرأت کرتا ہوں۔ لیکن آپ کو ایک خاص مسئلہ واضح کرتا ہوں کہ تقدیر اور افعال کا مسئلہ یہ دونوں اسلام کے مسئلے ہیں۔ صرف مولوی سے پوچھنا چاہیے؟ نہیں بلکہ ہر مذہب والوں سے پوچھنا چاہیے۔ یہ دہریہ منکرِ خدا یہود وغیرہ سب کے ذمہ ہے۔ مطلب یہ کہ جو کوئی پوچھے ہم اسے یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ بھی اسے حل کردو۔ دہریہ کے متعلق میں ایک قصہ ذکر کروں۔ علی گڑھ کالج میں ایک مسلم سائنس دان تھا اس کو سائنس کے مطالعہ نے ایسے فلسفہ پر پہنچایا کہ خدا تعالیٰ کا انکار کرنے لگا۔ تو اسے معلوم تھا کہ انکار نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ علم یورپین ممالک کا ہے۔ تو وہ میرے پاس دارالعلوم دیوبند آیا ظہر اور مغرب کا درمیانی وقت تھا۔ میں نے کہا کہ وقت تو بہت تنگ ہے اس لیے اسلام کے خلاف جو سب سے بڑا مشکل سوال ہو وہ آج بیان کریں باقی کل کرلیں گے۔ تو اس نے کہا تقدیر اور افعال کا خالق تقدیر والا کیا۔ تو وہ فلسفی تھا۔ اور فلسفہ بغیر علت وسبب کے چل نہیں ہوسکتا ایک تو یہ اور دوسرا فلسفہ کے لیے قانون یہ ہے کہ ایک چیز اگر ایک مکان میں ہے اور اگر وہ دوسرے مکان میں ہو تو اس کے لیے خاص سبب کی ضرورت ہے اور اللہ والے نے رکھا ہے۔ اور فلسفہ کے لیے تیسرا قانون یہ کہ ایک چیز کسی مختلف زمانہ میں ہوسکتی ہے۔ تو خاص جگہ پر ہونا یہ بھی خاص سبب کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جس طرح

آپ روزانہ مسجد میں آتے ہیں مگر جمعہ اور اتوار کو خاص درسِ قرآن کی وجہ سے آ
ہیں۔ میں نے کہا کہاں سے تشریف لائے کہا علی گڑھ سے۔ میں نے کہا کب تشر
لائے کہا کہ فلاں دن۔ میں نے کہا کہ علی گڑھ سے آنا یہ ایک حرکت ہے۔ آپ خا
اس دن کیوں آئے کسی دوسرے دن آجاتے۔ کہا کہ دہلی علاج کروانے کے لیے۔
نے کہا کہ بیماری کیوں ہوئی؟ کہا کہ فلاں چیز کھائی تھی۔ میں نے کہا کہ وہ چیز آپ
وقت کے علاوہ اور وقتوں میں بھی کھا سکتے تھے۔ تو کیوں جو اس کے پیچھے لگا تو گھبرا گ
کہنے لگا کہ اس طرح تو کیوں میرا پیچھا نہ چھوڑے گا تو دس منٹ بعد کہنے لگا کہ میرا
مسئلہ تو حل ہو گیا۔ یعنی خدا کا قائل ہو گیا کیوں کہ (کیوں) کا جو دور چلا تھا آخر
تک جا پہنچتا اس لیے مان گیا۔ تو اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ یہ سوالات روس
دہریہ وغیرہ سے بھی کر سکتے ہیں۔ کہ یہ کام کیوں ہوا وغیرہ۔ تو تمام منکرینِ خدا اور
خدا کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر مسئلہ کو دیکھیں کہ اس کی آخری کڑی کہاں جا پہنچتی ہے۔ تو
مسئلہ عقلی و نقلی دونوں اعتبار سے مشکل ہے۔

(۱۴۹) تاریخ نفاق!

ابن کثیر نے پہلی جلد میں لکھا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی
شریف کی تیرہ برس کی زندگی جو گزری وہ پُر خار تھی مصیبتوں والی زندگی تھی۔ آپ ﷺ
بائیکاٹ کیا گیا۔ اس دوران بچے بھوک سے مرتے تھے۔ اور مکہ کی خطرناک گرمی میں گ
ریتوں پر لٹایا جاتا تھا وغیرہ۔ یہ سب کچھ ہوا مگر ایک فرد نے ایمان ترک نہ کیا۔ تو حضر
حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ مکہ کی تیرہ برس کی سخت زندگی کے عرصہ میں ایک منافق
نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی مکی سورتوں میں نفاق کا تذکرہ نہیں۔ اس کے

ﷺ نے مدینہ شریف ہجرت فرمائی اور مدینہ کی دس سالہ زندگی میں پہلے دو سال
کوئی منافق نہ تھا۔ مخلص مومن اور مخلص کافر تھے۔ مذبذب اور دورنگی والا کوئی شخص نہ
اوس اور خزرج یہ مدینہ کے قبیلے تھے اور باقی تین بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع یہ
قبیلے بھی آباد تھے۔ اوس و خزرج عرب قبائل تھے اور باقی تین یہ بنی اسرائیل تھے۔
اصل ملک فلسطین تھا۔ یہاں کیوں آئے۔ وہ اس لیے کہ جب تورات کا مطالعہ کیا۔
اس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے کمالات کا ذکر تھا۔ اور ساتھ ساتھ یہ
ذکر تھا کہ آپ ﷺ کا آخری ٹھکانہ مدینہ منورہ ہوگا۔ تو انہوں نے صرف ایمان
لانے کی وجہ سے اپنا وطن چھوڑا اور وطن بھی ایسا جہاں ہزاروں نبی مدفون ہیں۔ تو
نور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی کشش نے کھینچا۔ کہ کبھی تو آپ ﷺ پیدا ہونگے۔ ہم
ہماری اولاد تو ایمان لائے گی۔ لیکن جب وہ مقصد سامنے آیا تو اولین دشمن بھی یہی
لوگ بنے۔ یعنی بنونضیر اور بنوقینقاع وغیرہ۔ حالانکہ آپ ﷺ کی پیدائش
مبارک سے پہلے یہی یہود جنگوں میں دعا مانگتے تھے۔ کہ اللہ آخری نبی ﷺ کے صدقہ
ہمیں کامیابی دے دو۔ وکانوا من قبل یستفتحون فلما جاء هم ماعرفوا
کفروا به الخ۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ اگر یہود کے دس علماء ایمان لے آتے تو
سارے یہودی ایمان لے آتے۔ سب مسلمان ہو جاتے۔ لیکن صرف ایک عالم نے
ایمان قبول کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہودی علماء اسلام نہیں لائے۔ تو کیوں نہ اسلام
لائے؟ حالانکہ اپنا وطن فلسطین بھی صرف ایمان لانے کے لیے چھوڑا۔ وجہ یہ ہے کہ یہود
کے علماء اپنے علاقہ کے پیر ہوا کرتے تھے۔ اور لوگوں سے بہت زیادہ رقمیں کماتے تھے۔
کما یعرفون ابنائهم۔ کہ یہود کے علماء نبی کو اس طرح جانتے پہچانتے ہیں جس طرح

اپنے بیٹوں کو جانتے پہچانتے ہیں۔ تو ان علماؤں نے سوچا کہ ہیں تو وہی نبی مگر اگر ہم ان کے مرید ہو گئے تو یہ آمدنی ختم ہو جائے گی۔ تو اس وجہ سے یہ مخالف رہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر مولوی پیر ہو تو اسے ایک پیسہ بھی نہ دو۔ بہر حال یہ یہود کافر ہو گئے اور جنگ بدر تک تو ٹھیک کافر رہے۔ لیکن جنگ بدر کے بعد انہیں معلوم ہو گیا کہ اگر ہم ظاہراً کافر رہے تو ہمارا حال بھی قریش مکہ کی طرح ہو گا۔ تو انہوں نے یہ سوچا کہ دل میں کفر اور زبان سے ایمان کا اظہار کریں۔ کیونکہ مسلمانوں میں شمار ہو کر جان و مال کی حفاظت رہے گی اس سے معلوم ہوا کہ وہ مسلمانوں سے ڈر گئے تھے۔ اس صورت سے ۲ھ ہجری سے نفاق شروع ہوا۔

(۱۵۰) نفاق کے چار نقصانات!

۱۔ نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ ۲۔ اعتماد ختم۔ ۳۔ تنظیم بشری ختم۔ ۴۔ شجاعت ختم ہو جاتی ہے۔

(۱۵۱) صدق و خلوص!

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص کا معنی بھی خود اللہ تعالیٰ نے بیان کیا خالصاً سائغاً للشاربین ۔ کہ میں گوبر۔ خون اور گندگی والے پیٹ سے خالص دودھ نکالتا ہوں۔ تو امام صاحبؒ فرماتے ہیں جس طرح دودھ میں خون اور گوبر وغیرہ کی آمیزش نہیں اسی طرح عمل میں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہو اور کسی مقصد کی آمیزش نہ ہو۔ یہ تو خالص کا معنی ہوا۔ اور اخلاص یہ ہے کہ عمل صرف رضائے الٰہی کے لیے ہو۔ ایسے مومن کو مخلص اور صادق کہا جائے گا۔ صدق۔ حقیقت میں اس چیز کا نام ہے کہ جب آدمی اخلاص کے تحت کام کرے تو اسے عمدہ سے عمدہ کرے۔ کیونکہ جو کام اخلاص اور

صدق کے ساتھ کرے گا اس میں کھوٹ نہ ہو گا۔ اگر ہم دین کے کام میں مخلص اور صادق ہو کر دینی کام کی وجہ سے اسے اعلیٰ سے اعلیٰ صورت میں سرانجام دیں گے۔

حضرت تھانویؒ نے شریعت طریقت نامی کتاب میں لکھا ہے کہ ایمان میں خلوص یہ ہے کہ۔ نظریات اور بدیہیات۔ بدیہیات وہ باتیں ہیں جو قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہیں۔ نظریات وہ ہیں جو بدیہیات کی طرح صاف طور پر معلوم نہ ہوں بلکہ کسی دلیل کے ساتھ معلوم ہوں۔ اب ذرا آسان لفظوں میں سمجھاتا ہوں کہ جو چیزیں اپنی آنکھ سے دیکھیں یہ بدیہیات ہیں۔ اور جو اللہ تعالیٰ فرما دیں کہ جنت و جہنم ہو گی۔ عذاب قبر ہو گا وغیرہ۔ یہ نظریات ہیں۔

تو حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ محققین کی رائے یہ ہے کہ اخلاص اور صدق یہ ہے کہ نظریات بدیہیات بن جائیں۔ یعنی نظریات آنکھوں دیکھی بن جائیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ عبادات عادات بن جائیں۔ دیکھو جب انسان میں اخلاص اور صدق ہو تو پھر عبادت عادت بن جاتی ہے۔ جس طرح سانس لینا ایک عادت ہے۔ کیا سانس لینے میں کسی کو تکلیف ہوتی ہے۔ بھوک کے وقت کھانا کھانا یہ انسان کی عادت ہے۔ کیا کھانا کھاتے وقت تکلیف ہوتی ہے؟ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا ہے کہ جو چیزیں حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمائی ہیں اگر انہیں آنکھ سے دیکھ لوں تو ذرا برابر بھی یقین میں اضافہ نہ ہو گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر اتنا اعتماد ہے کہ ان کا فرمان آنکھ کے دیکھے برابر ہے۔ تو خلوص کی شرط یہ ہے کہ نظریات بدیہیات بن جائیں۔ اور عبادات عادات بن جائیں۔ رسالہ قشیریہ میں منقول ہے کہ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہے کہ جنت میں اللہ کی طرف سے کوئی عبادت

نہیں کیونکہ وہ عمل کی جگہ نہیں بلکہ وہ تو عمل کے ثمرہ کا مقام ہے۔ مگر چونکہ وہاں عبادت کی ممانعت بھی نہیں ہوگی تو ہم نماز پڑھتے رہیں گے۔

(۱۵۲) اللہ کے قانون میں کسی کو ترمیم کی اجازت نہیں!

حضرت تھانویؒ کا مقولہ ہے کہ قانون اللہ تعالیٰ کا ہے اس میں کسی کو ترمیم کرنے کا حق نہیں۔ آپؒ نے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ ایک افغانستان کا پٹھان گدھے میں ایک من سامان لیکر جا رہا تھا۔ گارڈ نے زائد وزن کی رقم مانگی۔ وہ کہنے لگا کہ یہ قانون تمہارے لیے ہے کہ تم ہندوستانی ہو تم صرف پندرہ سیر وزن اٹھا سکتے ہو ہم طاقت ور ہیں ہم ایک من وزن اٹھا سکتے ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ کیا حکومت اس وضاحت کو تسلیم کرے گی؟ نہیں بلکہ جواب ملے گا تم کون ہو قانون ہم بنائیں اور توضیح و تشریح کرو۔

قانون اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اور تشریح ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور پرویز کر رہے ہیں۔ نیکی و بدی کی وضاحت وہ کرے گا جس نے قانون بنایا ہو۔ یہ تو نہیں کہ خدا تعالیٰ سود کو حرام فرمائیں اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن سود کو حلال کر دے تو جائز ہو گیا۔

کل ایک صاحب آئے کہنے لگے میرا پڑوسی بہت غریب ہے کیا اسے سود کا پیسہ دے سکتا ہوں۔ میں نے اسے کہا کہ یہ بھی جائز نہیں وہ حیران ہو گیا۔ میں نے کہا اگر یہ ناجائز نہ ہوتا تو کل کہو گے کہ چوری کر کے ان غریبوں میں تقسیم کر دیں۔ اگر چور چوری کرتے وقت پکڑے گئے۔ تو کیا عدالت معاف کرے گی؟ کہنے لگا نہیں۔ میں نے کہا اسی طرح اللہ رب العزت بھی معاف نہیں کریں گے۔ (آپ نے ایک مرتبہ یہ مسئلہ بیان فرمایا تھا کہ بینک سے سود کا پیسہ لے لو۔ مگر کسی غریب کو دے دو اور دیتے وقت

کہہ دو کہ یا اللہ میں اپنے سر سے گناہ اتار رہا ہوں) مطلب یہ کہ اگرچہ ظاہر بگڑا ہوا ہو مگر باطن درست ہو۔ بلکہ یاد رکھو ہر نیکی میں ظاہر و باطن دونوں درست ہوں۔ عبادت کی شکل بھی فرمودہ خدا کے مطابق ہو اور باطن بھی فرمودہ خدا کے مطابق ہو۔

(۱۵۳) علاماتِ قیامت اور عورت!

رات تہجد کے وقت جمع الفوائد کی حدیث نظر سے گذری۔ حیران ہوا کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو آئندہ زمانہ کا کس قدر علم دیا تھا۔ صنفان امتی۔ میری امت کے دو قسم کے لوگ لم ارھما آگ میں ہوں گے میں نے اب تک ان کو نہیں دیکھا۔ قوم بایدیھم ایک قوم ہے کہ ان کے ہاتھ میں چابک ہوگا۔ کاذناب البقر گائے کی دم کی طرح۔ یضربون الناس۔ کہ وہ اس سے لوگوں کو مارتے ہوں گے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ پولیس والے ہیں جو ظالم ہیں۔ ہم نے انگریز کی پولیس کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں چابک ہوتے تھے پھر معلوم ہوا کہ بنی عباس کے وقت جو پولیس بنی تھی ان کی ہیئت شکل اسی طرح تھی۔ ونساء۔ اور دوم وہ عورتیں جو کاسیات عاریات۔ کپڑے پہنے ہوں گی اور ننگی ہوں گی۔ میں حیران تھا کہ کپڑوں کے باوجود ننگی ہوں گی یہ کیا؟ تو آجکل دیکھو کہ لباس ہی ایسا ہے کہ ننگی نظر آتی ہیں۔

اس سے حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اور کیا دلیل ہوگی کہ جو کام ۱۴ سو سال بعد ہونے والا ہے وہ پہلے فرمایا جا رہا ہے۔ آگے ہے مائلات۔ کہ مردوں کی طرف مائل ہوں گی۔ مُمِیلات۔ اور مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہوں گی۔ بن ٹھن کر نکلیں گی کہ اس سے کسی نوجوان کا دل ہماری طرف کھچ جائے۔ آج کے اپوا وغیرہ اس ضمن میں آتے ہیں۔ اور مرد و زن کو ایک جگہ اکٹھی تعلیم دی جا رہی ہے۔ یہ تو آگ

اور پانی کو اکٹھا کیا۔ اے خدائے آسمان تو ان کو ہدایت دے۔ عشق گناہ اور عشق زنا ہے۔ مائلات و مُولات. مردوں کی طرف جھکنے والی اور مردوں کو اپنی طرف جھکا والی ہوں گی۔ رئوسھن کاسنام النجت۔ ان کے سر کے بال اونٹ کی کوہان مانند ہوں گے۔ یعنی بال کتروائیں گی۔ قربان ہو جاؤں اس پیغمبر ﷺ پر جس کے میں اللہ نے ۱۴ سو سال پہلے یہ بات رکھی۔

تو عورتوں کے حسب ذیل اعمال جہنمیہ ہیں۔

۱۔ غیر شرعی لباس۔ یعنی لباس کے باوجود ننگا پن۔ ۲۔ مرد و زن کا ناجائز اختلاط۔ ۳۔ بالوں میں خلاف شرع تصرف۔ یہ بال اور سارا وجود اللہ کی امانت ہے۔ تو ان میں تصرف مالک کے حکم کے مطابق ہوگا۔ ہاں حج کا احرام باندھے تو تھوڑے بال کٹوالے۔ تو عجیب بات ہے کہ حج میں مرد کے لیے سر منڈوانا ہے مگر عورت کے لیے تھوڑے سے بال کتروانا ہیں۔ تاکہ محرم اور غیر محرم کا پتہ چل جائے۔ تو سر منڈوانا یا بال کتروانا تو عورت کو حج میں بھی اجازت نہیں۔ اور حج جیسی عبادت میں بھی حکم ہے کہ محرم کے بغیر نہیں جاسکتی۔ اس سے آپ اللہ کی ذات اور ان کے انداز کو تو معلوم کر سکتے ہو دیکھو حج کا سفر بذاتِ خود ایک پاک سفر ہے اور جانے والے بھی نیک ہوتے ہیں۔ پھر بھی اللہ کا حکم ہے کہ محرم نہ ہو نہ جاؤ۔ اور جب کہ یہ بدمعاش لوگوں کے ساتھ کلب میں ناچ کرے تو اس کو شریعت برداشت کرے گی؟

(۱۵۴) مجذوب تکوینی و تشریعی!

ایک مسئلہ یاد آ گیا کہ کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت شرعی اور دنیاوی کاموں کے لیے مقرر کرتا ہے مگر تصرف اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے۔ انہیں صاحب تکوینی

صاحب خدمت کہتے ہیں۔ ان میں جو شریعت کے کام کریں انہیں صاحب یا مجذوب تشریعی کہتے ہیں اور جو دنیا کے کام کریں انہیں صاحب یا مجذوب تکوینی کہتے ہیں۔ کہتے ہیں حضرت تھانویؒ مجذوب تشریعی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے شریعت کا بہت کام لیا ہے۔

ایک مرتبہ آپ مجلس میں تشریف فرما تھے ایک ناخواندہ کسان آیا اس نے ایک اکنی پھینک کر کہا مولبی جی یہ ایک اکنی ہے اس میں سے ایک پیسہ لیکر تین پیسے مجھے واپس کردو۔ کچھ لوگوں نے اعتراض کیا مگر حضرتؒ نے فرمایا کہ اس کے اخلاص کی وجہ سے میں لے رہا ہوں۔

(۱۵۵) مقامِ سیدنا حضرت فاروقِ اعظمؓ!

حضرت عمرؓ کو مغیرہ بن شعبہ کے غلام ابولولو نے عین نماز کی حالت میں خنجر مار کر شہید کر دیا۔ حدیث پاک میں ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دن جبرائیلؑ آیا اور کہا کہ اسلام عمرؓ کی وفات پر ضرور روئے گا۔ عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اگر دس برس اور زندہ رہتے تو کرہ ارض پر کافر کا وجود نہ ہوتا۔ مگر آج ہمارے بھی صدر ہیں۔ جو حرام خوار و شراب خوار ہیں۔

(۱۵۶) قرآن نے تھوڑی پڑھی لکھی عورت کی تعریف کی ہے!

حضرتؒ نے فرمایا میرے پاس کوئٹہ میں ایک انگریزی تعلیم یافتہ گریجویٹ آیا۔ حضرتؒ میری شادی کے لیے دو رشتے ہیں ایک گریجویٹ ہے دوسری کم تعلیم یافتہ ہے میں کس سے نکاح کروں۔ میں نے کہا کم تعلیم یافتہ سے مگر اس نے گریجویٹ سے کرلی۔ تین ماہ بعد آیا۔ حضرتؒ آپکا فرمان نہیں مانا بہت پریشان ہوں۔ وہ تو گھر کا کوئی

کام نہیں کرتی۔ کھانا تک نہیں ملتا۔ وہ خود اچھے عہدہ پر ملازمہ ہے صبح چلی جاتی ہے۔ مکان کی چابی ایک اس کے پاس ہے ایک میرے پاس میں صرف یہ پوچھتا ہوں کہ آپ نے کس وثوق سے فرمایا کہ کم تعلیم یافتہ سے۔ میں نے کہا جس قرآن کو تم نہیں سمجھتے یہ بات بھی اس نے ہمیں بتائی اور وہ یہ ہے الذین یرمون المحصنٰت الغٰفلٰت المئومنات لعنوا فی الدنیا والاخرہ قرآن نے غافلات تھوڑی پڑھی لکھی عورت کی تعریف کی ہے۔

فرمایا اس زمانہ کی جہالت تعلیمی ہے اس کی اصلاح ممکن نہیں۔ ولا تبرجن تبرج الجاھلیتہ اُولیٰ، اُخریٰ کی طرف اشارہ ہے۔ تو آج کل کی تعلیمی جہالت اخریٰ کے ضمن میں آتی ہے۔

(۱۵۷) رشوت کی اسلامی سزا!

صدر محمد ضیاء الحق نے رشوت کی اسلامی سزا طلب کی تو کونسل کا اجلاس کراچی میں ہوا آپ کے بڑے صاحبزادہ صاحب حضرت حافظ نور الحق صاحب مدظلہ العالی ہمراہ تھے یہ بیان گاڑی میں سنا۔ فرمایا میں نے اجلاس میں ہر ایک سے پوچھا کہ تمہارے پاس رشوت کی پاس کوئی سزا ہے۔ تقی عثمانی نعیمی صاحب اور ایک جج صاحب کا نام لیا غالباً جو کونسل کے چیئرمین تھے سب نے کہا ہمیں تو نہیں آتی علم محدود ہے۔ میں نے کہا رشوت کی ایک صورت تو یہ ہے کہ جج قاتل سے رشوت لیکر اسے چھوڑ دے تو گویا وہ قتل کا مرتکب ہوا۔ یا اتنی بڑی سازش کی جائے رشوت لیکر کہ اس نقصان کی تلافی نہ ہو جس طرح مشرقی پاکستان علیحدہ ہوا۔ تیسری صورت یہ کہ دفتروں میں کلرک صاحبان رشوت لیکر غلط فیصلے کر کے ملک وملت ومعاشرہ میں فساد کا سبب بنیں تو پہلی اور دوسری صورت میں من

قتل نفساً بغیر نفس اوفساد فی الارض ۔ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی سزا پھانسی ہے یعنی راشی جج جس نے رشوت لیکر قاتلوں کو بری کیا یا لیڈروں اور جرنیلوں نے عظیم سازش کی ان کی سزا پھانسی ہے۔ تیسری صورت میں جس نوعیت کی غلطی ہوگی اسی کے مطابق جج صاحب سزا دے گا۔ جرمانہ یا جیل خانہ کی سزا یا کوڑے وغیرہ جس نوعیت کا کام ہوگا۔ اس نوعیت کی سزا ہوگی۔

نوٹ: حضرت جیؒ جب بھی حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا نام لیتے تھے تو بڑی بے تکلفی اور کچھ چہرے پر خوشی کے آثار بھی ہوتے تھے (صرف یہ فرماتے تھے میں نے تقی عثمانی سے کہا یا پوچھا وغیرہ) تو میں نے بھی اسی طرح لکھ دیا کیونکہ حضرت جیؒ اور حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ کا آپس میں تعلق باپ بیٹے والا تھا۔

(۱۵۸) اُمراء علماء کو دھوکہ دیتے ہیں!

آج کے عوام علماء کو سادہ سمجھ کر آگے دھکیلتی ہے اور خود پھر گورنمنٹ کا ساتھ دیتے ہیں۔ میں ایک مرتبہ مردان گیا تو مردان میں خوانین جاگیردار جمع تھے مارشل لاء کا زمانہ تھا قانون نکلا ہوا تھا کہ جس کی زمین پانچ سو ایکڑ سے زائد ہوگی کچھ حصہ ضبط کر لیں گے تو کھانا کھا رہے تھے ایک خان ایک سادہ مولوی صاحب سے کچھ باتیں کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا مولوی صاحب کیا بات ہے۔ کہا کہ مولوی صاحب یہ خان صاحب کہتے ہیں کہ زرعی اصلاحات کے تحت گورنمنٹ نے جو قانون نافذ کیا ہے یہ شریعت کے خلاف ہے تو مولوی لوگ کیا کر رہے ہیں۔ میں نے کہا خان صاحب ادھر میرے پاس آجاؤ میں نے کہا خان صاحب شاید پوری دنیا میں کسی مولوی کی پانچ سو ایکڑ زمین نہ ہوگی تو مولوی کا اس مسئلہ کے بیان نہ کرنے میں کوئی دنیا کے لحاظ سے ایک ذرا بھر بھی نقصان نہیں اور

دین کے لحاظ سے اگر آپ کہتے ہیں کہ مولوی کیا کر رہے ہیں تو چلو میں کل جلسہ کا اعلان کر دیتا ہوں صدارت آپ کی ہوگی تقریر میں کروں گا۔ مگر آپ تقریر سے قبل صرف ایک لفظ کہہ دیں کہ زرعی اصلاحی قانون شریعت کے منافی ہے بس باقی دو گھنٹہ میں تقریر کر دوں گا۔ بس اتنا کہنا تھا کہ خاموش ہو گیا۔

یہ دنیادار ایسے کم بخت ہیں کہ مولوی اگر حق گوئی کی خاطر جیل میں چلا جائے تو یہ کہتے ہیں کہ مولوی حاسد ہے حکومت کرنے کی خواہش کرتا ہے۔ اب جب اپنا مسئلہ آیا تو کہتے ہیں کہ مولوی کچھ نہیں کرتے، یہ ایسے بد بخت ہوتے ہیں کہ اگر مولوی غریب جیل میں چلا جائے تو اس کے گھر والوں کا حال تک نہیں پوچھتے کہ آخر ان کے بچوں کا گزارہ کس طرح چل رہا ہوگا۔ بلکہ الٹا یہی عوام گورنمنٹ کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آج عوام علماء کا ساتھ دے تو دنیا میں کوئی بُرا عمل نہ ہوگا۔

(۱۵۹) لباس کا اخلاق و کردار پر اثر!

مکان پر حضرتؒ نے لباس پر بیان فرمایا۔ فرمایا کہ لباس میں جنس کا خیال رکھا گیا کہ مرد کے لیے ریشم منع ہے۔ رنگت منع ہے۔ یعنی لال رنگ نہ ہو۔ صنعت کا لحاظ رکھا گیا یعنی ضرورت سے زیادہ نہ ہو۔ ساخت کا لحاظ ہو کہ وضع و قطع لباس کی مسلمانوں کے طریقہ پر ہو نہ کہ انگریزوں وغیرہ کے طریقہ وغیرہ پر ہو۔ فرمایا کہ لباس کا اثر انسان کے اعمال پر پڑتا ہے۔ فرمایا کہ جب مسلمانوں کی بدقسمتی سے عیسائیوں نے اندلس پر قبضہ کیا تو عیسائیوں نے آرڈر نکالا کہ یا تو مسلمان عیسائی مذہب قبول کریں یا قتل ہونا منظور کریں یا پھر جلاوطن ہو جائیں تو مسلمانوں نے قتل ہونا اور جلاوطن ہونا منظور کیا مگر مذہب تبدیل نہ کیا۔ تو انگریز دوبارہ کمیٹی بنا کر بیٹھے تو یہ تجویز پاس ہوئی۔ کہ مذہب تو ہر ایک اپنا

مگر لباس ہمارا پہننا پڑے گا تو جس سے بعض مسلمانوں پر اتنا اثر پڑا کہ دین و شریعت رفتہ ختم ہو گئی اور یہ نوبت آ گئی جو آج کل ہم دیکھ رہے ہیں۔ ہمیں تو چاہیے تھا کہ انگریز کے لباس کو دیکھتے ہی نہ، مگر ہم نے تو اس لباس کو اتنا مقبول سمجھا ہے کہ دین بیچ کر بھی وہ لباس خرید رہے ہیں۔

(۱۶۰) مسئلہ جہاد!

۷ محرم الحرام ۱۳ھ 18۔ اپریل 1967ء۔ بعد نماز عصر حضرتؒ کے مکان پر حاضر ہوا تو تین اسم نامعلوم طلباء جامعہ اسلامیہ مسئلہ جہاد پر تقریر سُن رہے تھے بدقسمتی سے درمیان میں جا پہنچا۔ گذشتہ کلام کا ربط حضرتؒ قبل بیان کر چکے تھے۔ عین اس وقت فرما رہے تھے کہ دین میں جبر نہیں۔ لا اکراہ فی الدین فرمایا ایمان سے مراد تصدیق اختیاری ہے تصدیق جبری نہیں۔ اگر جبری کرائی جائے تو وہ ایمان ہی نہیں۔ تو فرما رہے تھے کہ اسلام کا دائرہ اخلاق کے ذریعے وسیع تر ہوتا ہے۔ فرمایا کہ ۶ھ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تیرہ سالہ مکی زندگی اور چھ سالہ مدنی زندگی جس میں بڑی بڑی فتوحات بھی ہوئیں۔ گویا بمع جنگ انیس سالہ زندگی میں جہاد ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دائرہ اسلام میں کل ڈیڑھ ہزار مسلمانوں کی تعداد تھی اس کے بعد صلح حدیبیہ باندھی گئی۔ گویا مسلمانوں کی تلوار نیام میں بند ہو گئی۔ تو ۷ھ و ۸ھ ہجری صلح کے دو سال گذرے ۹ ہجری میں فتح مکہ کے وقت مسلمانوں کی دس ہزار تعداد تھی تو اس سے معلوم کر لو کہ دو سال امن کی زندگی میں بذریعہ اخلاق دین کتنا پھیلا۔ خود محمد بن قاسمؒ کے وقت سے لیکر سلاطین برطانیہ کی آمد تک مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت میں صرف اڑھائی کروڑ مسلمانوں کی تعداد تھی وہ بھی اکثر باہر سے

آ کر آباد ہوئے تھے مثلاً افغان لوگ عرب وغیرہ اور جب سلاطین برطانیہ آئے تو مسلمانوں کی تلواریں نیام میں بند ہوگئیں۔ تو برطانیہ نے سو سال راج کیا مگر آج صرف پاکستان کی دس کروڑ آبادی ہے۔ دیگر یہ فرمایا کہ جہاد مدافعانہ ہو یا جارحانہ ہو دونوں درست ہیں فرمایا کہ اگر چند شریروں کو قتل کر کے امن قائم کر دیا جائے اور اکثریت محفوظ ہو جائے تو اس میں کیا قباحت ہے۔ فرمایا کہ ڈاکو ایک شخص کا جنگل میں ہاتھ یا پاؤں کاٹ دیتا ہے اور ادھر ڈاکٹر آپریشن کر کے ہاتھ یا پاؤں کاٹ دیتا ہے تو قطع ید یا قطع رجل میں دونوں شریک ہیں۔ مگر ڈاکو مجرم قرار دیا جاتا ہے اور ڈاکٹر کو الٹا فیس دیکر اس کا احسان مانتے ہیں۔ تو بات یہ ہے کہ دیکھنا یہ ہے کہ جہاد کس چیز پر ہے یہ نہیں کہ کیوں ہے۔ ڈاکٹر کو فیس کیوں دیتے ہیں اور اس کا شکریہ ادا کیوں کرتے ہیں محض اس لیے کہ اس نے ایک گندہ عضو کو کاٹ کر باقی تمام اعضاء کو امن میں لے آیا ہے تو اسی طرح اگر جہاد کے ذریعہ چند شریروں کو قتل کر کے امن قائم کیا جائے تو کیا قباحت ہے۔ بلکہ کفار کو تو ڈاکٹر کی طرح مسلمانوں کو فیس اور شکرانہ ادا کرنا چاہیے کیونکہ انہوں نے اصلاح کر دی۔

دوسری بات یہ ہے کہ جن علماؤں نے مدافعانہ جہاد پر زور دیا ہے۔ انہوں نے دین اسلام کو مفلوج کر دیا ہے۔ مثلاً شبلی نے بھی مدافعانہ جہاد پر زور دیا ہے۔ میں جب کسی مسلمان کی اردو کی تاریخ وغیرہ میں مدافعانہ جہاد پر بحث دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ اس نے مسلمانوں کو آگ میں دھکیلا ہے۔

ایک صاحب نے سوال کیا کہ جارحانہ جہاد کی کوئی مثال فرمائیں آپؒ نے فرمایا کہ جنگ موتہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تیس ہزار صحابہ کرام کا لشکر لیکر تشریف لے گئے تھے یا حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کے وقت میں

شام و مصر و عراق پر یا حضرت معاویہؓ کے عہد میں قبرص و اندلس وغیرہ پر جو حملے ہوئے ان میں کفار کی طرف سے کوئی حملہ نہ تھا۔ شام اور مصر یہ دونوں روم کے تحت تھے اور عراق کسریٰ کے تحت تھا اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس یمن، نجد اور حجاز کا علاقہ تھا۔ ان پر قیصر و کسریٰ نے خود کوئی حملہ نہیں کیا۔ مگر مسلمانوں نے ان کو ایسا مٹایا کہ روم وغیرہ یعنی قیصر و کسریٰ کی شاہی کا نام بھی نہ رہا۔

(۱۶۱) امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا!

۲۸۔ اپریل ۱۹۶۶ء کو کسی صاحب نے مغرب کی نماز کے بعد چند سوال کیے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا یا نہ پڑھنا درست ہے؟

فرمایا ہمارے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے باقی اماموں کے نزدیک جہری نمازوں میں بلا اتفاق مکروہ ہے اور سری میں جواز سمجھتے ہیں کیونکہ قرآن میں کہیں یہ ثابت نہیں پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھی جائے بلکہ قرآن میں آیا ہے۔ واذا قری القرآن فاستمعوا له، وانصتوا کہ جب قرآن پڑھا جائے مطلقاً جس حالت میں تو اسے سنو اور خاموش رہو۔ امام حنبلؒ اور باقی علماء اس آیت پر متفق ہیں کہ یہ آیت نماز کی خاطر اتاری گئی ہے۔ یعنی نماز میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا اشارہ ہے فاستمعوا کہ جہری نماز میں جب امام پڑھے تو تو سنتا رہے۔ اور سری نماز میں تجھے سنائی تو نہیں دیتا تو تُو وانصتوا خاموش رہ۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میری تمنا اور خواہش ہے کہ امام کے پیچھے پڑھنے والے کے منہ میں انگارے بھر جائیں۔ مؤطا امام محمد صفحہ نمبر ۹۸۔ باقی رہا یہ کہ غیر مقلد صاحبان یہ جو تاویلیں بناتے ہیں کہ یا تو امام الحمد لله رب العلمين

کہہ کر خاموش ہو جائے تا کہ مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھ لیں یا یہ کہ وہ پورا الحمد پڑھ لے اور بعد میں ٹھہر جائے تا کہ مقتدی پڑھ لیں تو ان سورتوں میں امام پر مقتدی کی تقلید آ جاتی ہے۔ حالانکہ مقتدی کو امام کی تقلید ضروری ہے۔ تو یہ تعصب میں پڑے ہوئے ہیں۔

حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے فاذا کبر الامام فکبروا جب امام تکبیر کہے تم تکبیر کہو فاذا قراء فانصتوا اور جب پڑھے تو تم خاموش رہو۔ فاذا رکع فارکعوا جب رکوع کرے تو تم رکوع کرو فاذا قال سمع اللہ لمن حمدہ قولوا ربنالک الحمد. او کما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کہ رکوع اور سجدہ کے متعلق فرمایا کہ امام جو کرے تو تم وہی کرو اور قرأت کے متعلق فرمایا کہ امام جب پڑھے تو فانصتوا پھر تو اس کا مطلب ہوا کہ ان چاروں اصحابؓ کی نمازیں غلط ہوئیں نعوذ باللہ من ذالک۔

(۱۶۲) مجتہد کی تقلید!

پھر اس شخص نے دوسرا سوال کیا کہ اہل حدیث یعنی غیر مقلد کہتے ہیں کہ مجتہد کی تقلید شرک ہے؟

تو فرمایا کہ ہر ماہر فن کی تقلید اس انسان کی فطرتی چیز ہے مثال دی کہ تعزیرات پاکستان جو قانون ہیں اسے جو وکیل بتلائے گا۔ تو ہم تو وہی مانیں گے کیونکہ وہ ہم سے ان میں زیادہ واقفیت رکھتا ہے۔ اب اگر اس وکیل کی بات کو ایک بگی کا کوچوان یا اسٹیشن بہاول پور کا قلی یا بہاولنگر کا کسان کہے کہ اس قانون کا مطلب یہ ہے اور جو وکیل کہتا ہے وہ غلط ہے۔ تو کیا تم وکیل کی بات مانو گے یا ان تین میں سے کسی کی مانو گے؟

تو اسی طرح قرآن اور سنت یہ اللہ کے قانون ہیں اور اس بات پر ہر ایک متفق ہے کہ سب اماموں کا تقویٰ علم و فہم ہم سے کئی گنا زیادہ ہے۔ تو اجتہاد یہ ہوا کہ قرآن و سنت کی بات سمجھ کر ہمیں سمجھانا۔ نہ کہ اپنی باتیں بنانا۔ فقہ کی عبارت ہے القیاس مظہر لامثبت کہ قیاس امام قرآن و سنت کی بات کو ظاہر کر دیتا ہے۔

میں یہ پوچھتا ہوں کہ قرآن اور حدیثوں میں جب تعارض آ جائے اور ہم ان اماموں کو تھوڑی دیر کے لیے نہ لیں تو کون حل کرے گا؟ مثلاً حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے رفع یدین کی روایت منقول ہے اور عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ صرف اول مرتبہ رفع یدین کیا۔ یعنی پہلی تکبیر کے ساتھ پھر کسی صورت میں رفع یدین نہیں کیا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ غیر مقلد یہ سمجھا دیں کہ آخر ایک حدیث پر عمل کریں گے اور دوسری کو غلط ثابت کریں گے اور صحابیؓ دونوں ہمارے نزدیک مقبول ہیں تو دنیا کا یہ قاعدہ ہے کہ ہر کمسن یا کم علم اپنے سے بڑے کی تقلید کرتا ہے تو اماموں نے ہمارے لیے قرآن و سنت کو آسان بنا دیا ہے اور ہم ان کی تقلید کرتے ہیں۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جب صحابہ کرامؓ کو باہر ملکوں میں حاکم بنا کر بھیجا تو حضرت معاذ بن جبلؓ سے دریافت فرمانے لگے کہ یا معاذؓ بما تقضیہ کہ اگر تیرے پاس کوئی فیصلہ آ جائے تو تُو کیا کرے گا فرمایا من کتاب اللہ کہ قرآن سے حل کروں گا فرمایا کہ فان لم تجد کہ اگر تو اس سے نہ حل کر سکے۔ تو پھر عرض کی کہ من السنۃ یعنی حدیث سے حل کروں گا فرمایا فان لم تجد کہ اگر تو اس سے بھی نہ حل کر سکے تو پھر کیا کرے گا فرمایا یا حضور ﷺ حضرت معاذؓ نے عرض کی اجتھد برائی اجتہاد کروں گا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ

الحمدللہ کہ میرے اصحابؓ کی بات میری بات کے متفق اتری اگر اجتہاد غلط ہوتا تو نعوذ باللہ یہ نہ فرماتے تو اجتہاد کا معنی ہے دین کو سمجھانا یعنی قرآن وسنۃ کو ہمیں سمجھانا قیاس مظہر لامثبت۔

میں یہ کہتا ہوں کہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث ہے کہ پانی میں کوئی ناپاک چیز پڑ جائے تو ناپاک نہیں ہوتا اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ اگر دو مشکیزوں سے کم ہو تو ناپاک ہوگا ورنہ نہ ہوگا۔ اور ایک تیسری حدیث میں ہے کہ جتنا پانی ہو ناپاک چیز گرنے سے سب کا سب ناپاک ہو جائے گا۔ اب اگر ہم اماموں کی امداد نہ لیں گے تو مسئلہ کیسے حل ہوگا۔ اس لیے تقلید ضروری ہے ورنہ دھکے لگیں گے۔ میں نے تو علم کی رو سے بات بتلائی ہے اگر تعصب نہ ہو تو بس اتنا ہی کافی ہے۔

(۱۶۳) مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم!

پھر اس شخص نے سوال کیا کہ مودودی صاحب مرحوم کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

فرمایا کہ پہلے تو میں نے ان کی تحریریں نہیں پڑھی تھیں اور کچھ نہیں کہتا تھا اب بھی کافر نہیں کہتا۔ مگر ان کی تحریر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ سلف صالحین کے فہم پر اعتماد نہیں کرتے۔ جس طرح ہمارے اور خدا کے درمیان نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا تعلق ہے۔ اسی طرح ہمارے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے درمیان سلف صالحین کا تعلق ہے۔ اب اگر ایک مسئلہ آپ کو صحابہ کرامؓ دیں اور ایک مودودی صاحب دے تو ہم تو صحابہ کرامؓ کا مسئلہ لیں گے۔ کیونکہ قرآن نے صحابہ کرام کے لیے

۱۔ فرمایا رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ، کہ میں ان سے راضی اور وہ مجھ سے راضی ہیں اور

فرمایا اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون۔

حبب الیکم الایمان کہ ان کے دلوں میں ایمان جما دیا ہے اور بدی نکال دی ہے۔ تو نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا کہ میں ان سے راضی پھر تو یہ غلط ہوا۔ کیونکہ مودودی صاحب کے نزدیک وہ معتبر نہیں ہیں۔ اور اللہ کا یہ فرمانا کہ وہ حزب اللہ ہیں نعوذ باللہ پھر تو یہ آیت بھی غلط ہوئی حالانکہ اللہ نے فرمایا ہے کہ میں نے ان کے دل سے بدی نکال دی ہے اور بھلائی پر پختہ کر دیا ہے تو اب ہم اللہ کی بات مانیں یا مودودی صاحب کی؟

باقی رہا یہ کہ مودودی صاحب خود غیر معتبر شخص ہیں۔ کیونکہ ایک مرتبہ انہوں نے لکھا کہ عورت حکمران یعنی برسر اقتدار نہیں بن سکتی پھر مس فاطمہ جناح کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔

اور ایک مرتبہ لکھا کہ جب قانون اسلامی نہ ہو تو سیاست بھی اسلامی نہ ہوگی اور جب سیاست اسلامی نہ ہو تو کسی سیاست میں حصہ لینا حرام ہے اس کے باوجود وہ سیاست میں حصہ لے رہے ہیں۔ ہیں تو خود غیر معتبر اور پھر صحابہ کرامؓ پر تنقید کرنا یہ کتنی غلط بات ہے میں نے تو علمی بحث بتلائی۔ مگر یہی سوال سید عطاء اللہؒ شاہ بخاری سے بھی ہوا تھا۔ تو وہ فرمانے لگے میں کوئی عالم تو نہیں قیامت کے دن امام ابوحنیفہؒ وغیرہ مولانا قاسم نانوتویؒ، حضرت تھانویؒ وغیرہ کی صف بھی ہوگی اور مودودی صاحب کی صف بھی ہوگی۔ تو اللہ میاں فرمائیں گے کہ عطاء اللہ تو کس صف میں کھڑا ہوگا تو میں عرض کروں گا۔ یا اللہ میں تو ان حضرات کی صف میں کھڑا ہوں گا نہ کہ مودودی صاحب کی صف میں۔

حضرت جیؒ نے فرمایا کہ مولانا خیر محمد صاحب جو حضرت تھانویؒ کے خلیفہ ہیں

انہوں نے فرمایا کہ ایک بار حضرت تھانویؒ کی خدمت میں بیٹھے تھے کسی نے ایک رسالہ دیا تو مولانا نے کسی مرید کو کہا کہ پڑھ کر سناؤ۔ مرید یہ تھوڑا سا پڑھا۔ فرمایا۔ بس بس اس تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ایک دینی بات لیکر اس میں ہزاروں غیر دینی باتیں شامل کرنا چاہتا ہے تو یہ شخص کبھی دین کے لیے فتنہ بنے گا۔ بعد میں جب دیکھا تو رسالہ مولوی مودودی صاحب کا تھا۔

(۱۶۴) لعنت بر یزید!

پھر سوال کیا کہ یزید پر لعنت ڈالنا درست ہے یا نہیں؟

فرمایا کہ حضرت امام حسینؓ شہید ہیں حق پر ہیں یہ درست ہے اور یزید مجرم ہے یہ درست ہے مگر وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ جس کا کافر ہونا یقینی ہو تو اس کو لعنت دے سکتے ہو اگر نہ ہو تو نہ۔ کیونکہ لعنت بہت بُری چیز ہے اور اگر کفر یقینی ہو تو لعنت دو گے تو خود دینے والے پر لوٹے گی اور کفر یقینی صرف ابلیس ابولہب۔ فرعون کا ثابت ہے ان کے علاوہ دوسروں کا یقینی نہیں کیونکہ شاید وہ موت سے کچھ دیر پہلے مسلمان ہو گیا ہو۔

حضرت جیؒ اسی موضوع پر درس بیان فرما رہے تھے ایک غیر مقلد عالم مولوی عبدالقادر مرحوم چک لوہاراں والوں نے اعتراض کیا کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے یزید پر لعنت جائز قرار دی ہے۔ حضرت جیؒ نے فوراً فرمایا کہ وہ تو نماز کے تارک کو کافر کہتے ہیں پھر ادھر بھی آؤ نا! مولوی عبدالقادر صاحبؒ نے جواب سن کر خاموشی اختیار کی۔

(۱۶۵) حضرت مولانا عبدالعزیز پرہارویؒ!

آپ حضرت حافظ خواجہ جمال اللہ ملتانیؒ کے شاگرد اور خلیفہ مجاز ہیں۔

حضرت مولانا محمد صادقؒ سے سنا تھا کہ آپ کی عمر صرف ۳۵ سال تھی مگر آپ نے دو سو علوم پر کتابیں لکھی ہیں جبکہ ایک ایک علوم پر کئی جلدیں لکھی گئی ہیں۔ ان کی قبر مظفر گڑھ میں ہے۔

ان کے بارے میں حضرت افغانیؒ نے دوران درس ایک دفعہ فرمایا۔ الفاظ یہ تھے۔

(یہ جو تمہارا عبدالعزیز پرہارویؒ مظفر گڑھ میں پڑا ہے اگر یہ شخص دہلی میں ہوتا تو یہ شاہ ولی اللہؒ کے پائے کا شخص تھا)

ان کی نبراس کتاب ازہر یونیورسٹی مصر میں نصاب تعلیم میں شامل ہے۔

(۱۶۶) حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور مولانا مودودی صاحبؒ!

جب حضرت جیؒ رئیس الجامعہ (وائس چانسلر) کے عہدے پر فائز ہوئے تو اس وقت آپؒ کی رہائش گاہ (وائس چانسلر) والی کوٹھی تھی۔ عصر اور مغرب کے درمیان باہر گراؤنڈ میں حضرت جیؒ کرسی پر تشریف فرما تھے میں اور عبدالحفیظ صاحب حضرت جیؒ کے پاؤں دبا رہے تھے۔ عبدالحفیظ صاحب کہنے لگے حضرت جیؒ! حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے اپنے رسالے میں لکھا ہے کہ بھٹو کے خلاف جو (قومی اتحاد) بنا ہے میں اس میں شامل نہیں ہوا کہ اس قومی اتحاد میں (مودودی) شامل ہے۔ اس پر حضرت افغانیؒ نے فرمایا کہ ہزاروی صاحبؒ سے کہو کہ تمہارے اکابر نے انگریز کو نکالنے کے لیے ہندو سے اتحاد کیا تھا مودودی صاحب مسلمان تو ہیں۔

(۱۶۷) وسعتِ قلبی اور نیاز مندی کا سبق آموز واقعہ!

استاذیم حضرت مولانا عبدالحمید رضوانیؒ۔ یہ حضرت مولانا غلام محمد گھوٹویؒ (شیخ

الجامعۃ العباسیہ بہاول پور) اور شیخ الفقہ حضرت مولانا محمد صادقؒ کے پروردہ شاگرد تھے۔ انتہائی قابل شخصیت تھے ہر فن کی کتاب پڑھانے کی خوب صلاحیت ان میں تھی۔ اوصاف کے مالک تھے انتہائی موحد شخص تھے۔ جامعہ عباسیہ میں نائب الشیخ کے عہدہ پر فائز تھے۔ انتہائی خوش خوراک وخوش پوشاک شخصیت تھے۔ افہام وتفہیم کے ماہر مالک تھے۔ تعلیم سے فارغ ہوتے ہی انہیں جامعہ عباسیہ میں مدرس تعینات کر دیا گیا تھا۔ حضرت مولانا سلیمان ندویؒ جامعہ عباسیہ کا معائنہ فرما رہے تھے رضوانیؒ صاحب اس وقت اپنی جماعت میں سلم العلوم پڑھا رہے تھے۔ ندوی صاحبؒ ساتھ آ کر بیٹھ گئے اور سبق سنا۔ ندوی صاحبؒ نے جاتے وقت رائے بک میں لکھا کہ میں نے آج ایک نوجوان عالم کو سلم العلوم پڑھاتے سنا جس نے مجھے بہت متاثر کیا۔ حضرت علامہ مولانا غلام محمد گھوٹوی صاحبؒ حضرت ندویؒ کو روانہ کر کے آئے تو اپنے شاگرد رضوانیؒ صاحب کو گلے لگا کر کئی بار فرمایا (میدے آج توں میری لاج رکھ لئی)۔

بہاول غلہ منڈی کی جامع (حاجی اشرفؒ) والی مسجد کے نام سے موسوم ہے۔ حضرت جیؒ نماز عصر پڑھنے مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حضرت جیؒ کے بالکل قریب بائیں طرف حضرت رضوانیؒ صاحب سنت ادا کر رہے تھے۔ ایک شخص نے آ کر حضرت جیؒ سے مسئلہ دریافت کیا۔ سنت کی ادائیگی سے فارغ ہو کر رضوانی صاحبؒ نے حضرت جیؒ کے مسئلہ کے جواب سے اوہا! تخالف کیا۔ حضرت رضوانیؒ حضرت افغانیؒ کے شاگرد ہونے کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے اس تخالف سے حضرت جیؒ کے متعلقین رضوانی صاحبؒ سے خفا ہونے لگے۔ حضرت جیؒ نے انہیں سختی سے منع فرمایا۔ دوسرے دن جامعہ میں بیضاوی شریف کا درس پڑھا کر حضرت جیؒ نے لائبریری سے کچھ کتب منگوا کر مطالعہ کیا۔

حضرت جیؒ اوپر والی منزل سے نیچے اپنے کمرے میں تشریف لانے کے لیے چلے حسب دستور سابقہ تمام طلباء، معززین شہر و دیگر علماء کرام جو درس سننے شہر سے آتے تھے وہ سب حضرات حضرت جیؒ کو کمرے تک پہنچانے کے لیے ساتھ تھے جب سیڑھیوں سے اترے تو حضرت جیؒ فرماتے ہیں کوئی رضوانی صاحب کا پتہ! اتفاق سے رضوانیؒ صاحب مشرق کی جانب سے برآمدے میں ذرا دور سے آ رہے تھے۔ حضرت جیؒ ان کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ رضوانی صاحبؒ سمجھ گئے کہ حضرتؒ میرے لیے کھڑے ہیں تو رضوانی صاحبؒ تیزی سے چلنے لگے۔ جب قریب آئے تو حضرت جیؒ نے اپنے تمام متعلقین میں کھڑے ہو کر بآواز بلند فرمایا رضوانی صاحبؒ آپ کا مسئلہ درست ہے۔ بس اتنا کہہ بھی سکتے ہی ہم نے کیا دیکھا کہ رضوانی صاحبؒ جیسا موحد شخص اپنی قراقلی ٹوپی پہنے ہوئے گھٹنے زمین پر ٹیکے ہوئے ہیں اور اپنے دونوں ہاتھوں سے حضرتؒ کے پاؤں مبارک پکڑ کر اپنا سر حضرتؒ کے پاؤں مبارک پر رکھے ہوئے ہیں۔

(یوں منظر پیش تھا کہ یہ اپنی جگہ کہ میرا مسئلہ درست ہے۔ مگر من کجا تو کجا۔ میری آپ کے سامنے کیا حیثیت ہے) تیری شان تیرے ساتھ ہے۔ کچھ حضرات آبدیدہ تھے۔ حضرت جیؒ نے رضوانی صاحبؒ کو بازوؤں سے پکڑ کر اپنے سینے مبارک سے لگایا حضرت جیؒ پر وجد کی کیفیت غالب تھی معلوم ہوتا تھا حضرت رضوانی صاحبؒ کو انشراح صدر ہو رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت رضوانی صاحبؒ کو چھوڑتے ہوئے فرمایا رضوانی صاحبؒ! اللہ آپ کو علم نصیب کرے۔ (اللہ رب العزۃ یہ وسعتِ قلبی اور نیاز مندی ہم سب کو نصیب کرے۔ (آمین)

اطلاع!

قارئین کرام! حضرت جیؒ مجھے از خود واقعات وغیرہ سنایا کرتے تھے تو ان
سے دو واقعات میں نے کتابوں میں مصلحتاً نہیں لکھے۔ ایک مرتبہ ایک بزرگ سندھ کی
جانب سے تشریف لائے میں نے انہیں یہ مصلحتاً ذکر نہ کرنے والی بات سنائی انہوں نے
فرمایا کہ حضرت جیؒ صاحب کشف بزرگ تھے وہ تجھے اس لیے سناتے تھے کہ تم انہیں
کتابوں میں لکھو گے۔ تو یہ چیزیں تمہارے پاس امانت ہیں اگر تم نے نہ لکھیں تو تم خائن
رہو گے۔ تو اس لیے میں نے موقعہ مناسب سمجھا کہ ان دو واقعات کو یہاں لکھ دیا جائے۔

(۱۶۸)ا:۔ حضرت علامہ افغانیؒ اور عبدالغفار خان صاحب مرحوم سرحدی!

حضرت جیؒ کے الفاظ یہ ہیں (عبدالغنی! تم عبدالغفار خاں کو جانتے ہو میں نے
کہا جی۔ فرمایا وہ مجھ سے عمر میں بڑا ہے میرا شاگرد ہے۔ گھر آیا تھا آخری چند صورتوں کا
ترجمہ پڑھ کر مجھ سے سند لی تھی۔ پاکستان کا خیر خواہ نہیں)۔

(۱۶۹)مولانا مودودی مرحوم اور ان کی تصنیفات!

میں حضرت جیؒ کے مکان پر ان کے پاؤں مبارک دبا رہا تھا حضرت جیؒ از خود
فرمانے لگے۔ (الفاظ مندرجہ ذیل ہیں)

(عبدالغنی جب میں قلات سے عرب ریاستوں کے سرکاری دورے پر گیا تھا
اظہر یونیورسٹی مصر میں میں نے اخوان المسلمین کے علماء کرام کی کتب کا مطالعہ کیا
تو مودودی صاحب نے ان کا ترجمہ کر کے نیچے اپنا نام لکھ دیا ہے۔)

(۱۷۰)قرآن اور ہسپتال کا فطری جوڑ ہے!

ونزل من القرآن ماھو شفاء۔ اس آیت میں شفاء کا بیان ہے۔

ہسپتال اور قرآن میں خاص مناسبت ہے۔ ہسپتال بدنی امراض کے لیے
لازمی ہے اور قرآن روحانی امراض کے لیے لازمی ہے۔

مُستشفی:۔ صحت حاصل کرنے کی جگہ۔ عرب علاقے میں سب سے پہلے
اندلس، بغداد اور مصر میں ہسپتال کھولے گئے۔ انسان کی فطرت کا تقاضا ہے کہ بدن بھی
درست ہو اور روح بھی درست ہو۔ مگر آج انسان کی یہ کم بختی ہے کہ روحانی امراض کی
طرف اس کی کم توجہ ہے۔

(۱۷۱)زندگی متحرک ہے۔!

یایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملاقیہ.

وقت آجکل بہت قیمتی ہے۔ بے قدری کے اعتبار سے بے قیمت بنا ہوا ہے۔
مسلمان کے بدلے ہوئے دماغ میں یہ بات سما گئی ہے کہ جو وقت دنیا کے کاموں میں
صرف ہو وہ قیمتی ہے۔ اور جو دین کے کام میں صرف ہو وہ بے قیمت ہے۔ حالانکہ زندگی
کا جو حصہ دین میں صرف ہو وہ دراصل قیمتی ہے۔

یا اللہ! ہم گواہ ہیں کہ تو نے اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بالکل سچ
فرمایا ہے کہ دین کے حاصل کرنے کے لیے صبح یا شام کا وقت صرف کیا جائے۔ یہ کمائی
کل دنیا کی کمائی سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے آج یہ قیمتی مضمون بیان کرنا تجویز کیا۔ وہ ہے
(زندگی)۔

تمام کاروبار زندگی کے لیے ہیں۔ دکاندار زندگی کے لیے کماتا ہے۔ کسان

زندگی کے لیے ہل جوتتا ہے۔ فوج زندگی کے لیے لڑتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ پوری کائنات میں ہر شئی کی حرکت زندگی کے لیے ہے۔ اگر زندگی نہ ہوتی تو دنیا کا سارا کارخانہ درہم برہم ہو جاتا۔ نہ کالج ہوتے نہ یونیورسٹیاں۔ نہ صدر ہوتے نہ چپڑاسی وغیرہ۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات بتلاتی ہیں کہ یہ سب کچھ زندگی کے لیے ہے۔ مگر زندگی کس چیز کے لیے ہے۔

(۱) مقصدِ حیات، (۲) زندگی کیا چیز ہے؟ (۳) کیفیتِ حیات یا کیفیتِ زندگی۔ کہ زندگی اپنی جگہ ٹھہری ہوئی ہے یا چل رہی ہے۔ ساکن ہے یا متحرک ہے۔ اگر عمل کے اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ زندگی ساکن ہے۔ آخر دم تک ٹھہری رہے گی۔ یہ دنیا کے اسٹیشن پر ہمیشہ ٹھہری رہے گی۔ ایک چیز اگر حرکت کرتی ہے۔ سوال ہوتا ہے کہ اس کی منزلِ مقصود کیا ہے؟ خچر میل وغیرہ چلتی ہیں تو ان کی منزل مقصود بھی ہے۔ تو سب سے بڑا فیصلہ یہ کرنا کہ زندگی ساکن ہے یا کہ متحرک ہے؟

قرآن نے اس پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ زندگی فانی ہے یہ ایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملاقیہ. فرماتا ہے کہ خواہ کوئی ہو سب کی زندگی متحرک ہے کہ تو تکلیف اٹھا اٹھا کر دوڑ رہا ہے اور منزلِ مقصود کیا ہے؟ الی ربک کدحا فملاقیہ. چیز جہاں سے آتی ہے وہاں ہی جاتی ہے۔

(۱۷۲) دنیا کی تباہی!

اللہ تعالیٰ اپنے کام کو عجیب انداز سے سرانجام دیتے ہیں۔ ہماری طرح اسے کسی فوج کی ضرورت نہیں وہ جنہیں تباہ کرنا چاہتا ہے تو خود انہیں کے ہاتھوں تباہی کا سامان تیار کرا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمیں کسی فوجی خدمت کی ضرورت نہیں۔ ہم

خود ان ہی سے یہ کام لے سکتے ہیں۔ یہ ارشاد سورۃ یٰسین میں ہے کہ بڑے بڑے آدمی یا قوموں کی تباہی کے لیے ہمیں کسی کی خدمت کی ضرورت نہیں بلکہ یہ کام ہم خود انہیں سے لے سکتے ہیں۔ آج عظیم الشان بڑی بڑی طاقتیں جو سائنس کے نام پر ابھر رہی ہیں۔ درحقیقت یہ اپنی تباہی و بربادی کا خود سامان تیار کر رہی ہیں۔ حقیقت میں سائنسی چیزوں کا موجد اللہ تعالیٰ ہے۔ سائنس دان کا تو صرف اتنا کام ہے کہ ایک تصور کی طرف دماغ متوجہ کرے۔ آگے راستہ اسے قدرت عطا کرتی ہے۔ تو یہ ایٹم بم یا ہائیڈروجن بم بنانے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔

یہ بم کسی جشن منانے کے لیے نہیں بنائے گئے بلکہ انسان کی ہلاکت و بربادی کے لیے بنائے گئے ہیں۔ جب سے بارود ایجاد ہوا ہے اور دنیا کی گذشتہ جنگوں میں جو بارود استعمال ہوا ہے۔ وہ تمام کا تمام آج کے ایک ہائیڈروجن بم سے طاقت میں کم ہے۔ انسانی ہلاکت کا سامان تیار پڑا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہے گا دس منٹ میں دنیا غائب ہو جائے گی۔ جہاں ایسا بم پڑے گا وہاں ایک لاکھ سال تک نہ کوئی درخت اُگ سکے گا نہ کوئی غلہ کی پیداوار ہو سکے گی۔

دیکھو! زندگی مٹنے والی ہے۔ اس پر خوشی مت مناؤ جانا ضروری ہے وقت آچکا ہے۔ عجب نہیں کہ ہم بھی یہ تباہی دیکھ لیں گے۔ یہ دین سے تمسخر اُڑانے کا انجام ہے۔ اب آسمان سے لشکر اتارنے کی ضرورت نہیں جن کو آج عقلمند کہا جاتا ہے۔ ان بیوقوفوں نے دنیا کی تباہی کا سامان تیار کر رکھا ہے۔

(۱۷۳) انسان خسارے میں ہے!

والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا وعملو الصلحت

وتواصوا بالحق و تواصو ابالصبر ۔ یہ قرآن پاک کے آخری پارہ کی مختصر سورۃ ہے۔ اس میں انسانی زندگی کی کوششوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ انسان جب سے دنیا میں آیا ہے وہ معطل اور بیکار نہیں ہے بلکہ کسی نہ کسی کام میں مشغول ہے اور سنِ شعور کے بعد وہ اس قدر مشغول رہتا ہے کہ اس کی تمام قوتیں زندگی کے مشاغل میں صرف ہو جاتی ہیں اور موت کے بعد جا کر کہیں فارغ ہوتا ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی کبد ۔ کہ میں نے انسان کو تکلیف میں پیدا کیا ہے۔۔

تو مرتے وقت تک ہر انسان کام سے فارغ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں ایک کام بتلاتا ہے کہ دنیوی دھندوں کے علاوہ تمہیں ایک بات بتلاتا ہوں اور میں تمہارا خالق ہوں۔ تم کو مجھ جیسا کوئی مہربان نہ ملے گا۔ تو میں ایک کام کی چیز بتلاتا ہوں۔ یورپ ہم سے زیادہ مشغول ہے اور وہ اللہ کی مخلوق بھی ہے مگر اسے انسانی زندگی کا آغاز و انجام معلوم نہیں۔

بہرحال پوری دنیا کی زندگی مشغولیت کی ہے۔ ایک صاحب نے لکھا ہے کہ یورپ کے پاس وقت نہیں۔ یعنی وعظ و نصیحت سننے کے لیے وقت نہیں اس لیے وہ راستے پر نہیں آ سکتے۔ یعنی حضرت عیسیٰ کی بات سننے کے لیے وقت نہیں۔ ہم کبھی ایسی بات سے حیران تھے کہ یورپ کی تہذیب کی وجہ سے کہیں مسلمان بھی یہ نہ کہہ دے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بات سننے کو وقت نہیں۔

عیسائی دنیا اعتراف کرتی ہے وہ کہتی ہے کہ تم عربی مدارس کو حقیر و ذلیل نہ سمجھو دیوبند اور سہارنپور کے عربی مدارس تو دین کے پہلوان تیار کر رہے ہیں۔ یہ کافر اقرار کر رہے ہیں۔ تو بتلانا یہ تھا دنیا میں مشغل ہے۔ مگر قیامت میں پرسش ہوگی اللہ میاں

پوچھیں گے کہ عمر کہاں صرف کی۔

اولم نعمر کم مایتذکر فیہ من تذکر وجاء کم النذیر:

کہ قرآن و حدیث اور اُن کے سنانے والے آ چکے تھے۔ عمر بڑی قیمتی چیز ہے۔ عمر حلال روزی کمانے کے لیے بھی ہے۔ مگر روزی کمانا ضمنی مقصد ہے۔

دنیا میں دو مقاصد ہیں (۱) اصلی مقصد، (۲) ضمنی مقصد اور اللہ تعالیٰ اس بات کو یہ بیان کرتا ہے کہ شیطان شک نہ ڈال دے تو قسمیہ بیان دیتا ہے کہ والعصر میں زمانے کی قسم کھاتا ہوں کہ ان الانسان لفی خسر سب کے سب انسان تباہی میں ہیں ماسوا ان کے جنہوں نے زندگی میں چار کام کیے۔

(۱) خصلت الاالذین امنوا ایک ایمان کہ اس کو سیکھو یہ سیکھنے سے آئے گا۔ وکیل کا بیٹا جب تک تعلیم نہ پائے وکیل نہیں بن سکتا اسی طرح مومن کا بیٹا جب تک تعلیم حاصل نہ کرے مومن نہ ہوگا۔

(۲) خصلت و عملوا الصلحت (نیک اعمال) اور نیک اعمال وہ نہیں جنہیں یورپ و امریکہ یا امریکہ کی کھوپڑی والوں نے بنائے ہوں بلکہ وہ نیک اعمال ہیں جنہیں اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرمائیں۔ اس لیے نیکی عالم سے پوچھو کہ درست ہے کہ غلط ایمان ہوا تو عقیدہ کی پختگی ہوگی اور عمل ہوا تو کردار کی پختگی ہوگی۔ انسان کے لیے یہ دو چیزیں ہوئیں۔ یہ نہیں کہ ٹانگ پھیلا کر پڑے رہو بلکہ محنت و کوشش کا نام ہے۔

(۳) خصلت وتواصوا بالحق کہ لوگوں تک بھی یہ بات پہنچاؤ۔ صحابہ کرامؓ نے عرب سے یہاں اور چین تک دین پہنچایا مگر ہم نے اپنے قریبی ہمسایہ ہندو

تک نہیں پہنچایا۔

یاد رکھو آج کے نئے حق اور نئی پارٹی کے حق سے بچو۔ بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا حق۔ جو قدیم زمانے اور کئی صدیوں سے چلا آ رہا ہے وہی حق ہے اور اسی پر جنت کا ثمرہ ملے۔ اور یہ تینوں کام آسان نہیں۔

(۴) **خصلت وتواصوا بالصبر** کہ صبر کرنا۔ میں نے اسلامی قانون کے بارے میں خواجہ ناظم الدین سے بحث کی تو کہنے لگے کہ اردا گرد کے لوگ اسلام نہیں چاہتے۔ میں نے کہا آپ ووٹ ڈلوائیں پھر معلوم ہو جائے گا۔ کہ کون اسلامی قانون نہیں چاہتا۔ میں نے کہا کہ یہ ایک ہماری بے ہمتی ہے کہ مسلمانوں کی تعداد ۷۰ ستر کروڑ ہے ان میں پینسٹھ ۶۵ کروڑ اب بھی اسلام پر یقین رکھتی ہے۔

حضرت امام اعظمؒ نے فرمایا کہ اگر مکمل قرآن نازل نہ ہوتا اور صرف یہی چھوٹی سی سورۃ نازل ہوتی اور مسلمان اس پر عمل کرتا تو مسلمانوں کی نجات ہو جاتی۔

تو اصل مقاصد صرف یہی چار ہیں باقی ضمنی مقاصد ہیں۔ مگر آج مسلمان ضمنی مقاصد پر زندگی صرف کر رہا ہے اور اصل مقصد ختم کر دیا ہے۔

ایک مسئلہ کہ قسم کیوں کھائی؟ اللہ تعالیٰ کی قسم کھانا بطور استدلال ہوتا ہے۔ یعنی بطور دلیل استعمال ہوتا ہے تو **والعصر** کہ زمانہ گواہ ہے کہ انسان نقصان میں ہے اور وہ زمانہ بتلایا کہ زمانہ گواہ ہے۔ کہ کیا معنی۔ کہ وہ وقت آ جائے گا کہ جس میں آخرت آ جائے گی اور انجام سامنے ہوگا۔ اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ جنہوں نے زندگی میں ان چار کاموں کو ترک کیا وہ نقصان اور خسارہ میں ہیں۔

(۲) ایک دوسرا اندیشہ تھا اس لیے زمانہ کی تخصیص کی گئی۔ اعتراض یہ ہے کہ

نظر آتا نہیں اور خسارہ بتلاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک چیز نظر نہ آتی ہے مگر اس کے اثرات عالمگیر ہوں گے۔ کیا زمانہ نظر آتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے یہ صرف ہمارے سمجھانے کے لیے مہربانی کی کہ زمانہ محسوس نہیں لیکن متاثر ہے۔ مثلاً جون اور مئی کا زمانہ نظر نہیں آتا مگر لوگوں کو گرمی اور پسینہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ موسم خزاں میں پوری دنیا خزان سے متاثر ہوتی ہے یہ زمانے کا اثر نہیں کہ یا تو کا پہلوان تھا اور یا بوڑھا اور کبڑا بن چکا ہے؟ کوئی چیز بمع انسان زمانہ کے اثر سے خالی نہیں۔ لیکن زمانے کو آنکھ سے کسی نے نہیں دیکھا۔

ایمان کو بھی اسی طرح جانو کہ لوگوں نے اسے نہیں دیکھا لیکن زمانے کی طرح اثر پذیر ہے اور اثر عالمگیر اور ناگریز ہے اور تیسرا نکتہ یہ کہ عصر۔ دہر اور زمانہ یہ سب زمانے کے نام ہیں۔

عصر بمعنی نچوڑنے کے آتے ہیں۔ تو یقینی بات ہے کہ کپڑے کو نچوڑو تو پانی واپس نہیں آتا۔ تو **والعصر** کہ انسان نچوڑ کی طرح زمانہ سمٹ رہا ہے۔ تو مفت میں جانے والی چیز کو بدبختو لازوال چیز میں کیوں نہ کھپاؤ۔

(۱۷۴) سلاطین کے خوشی کے دن!

ہم نے دیکھا ہے کہ انسان کو کسی دور میں خوشی نصیب نہیں ہوئی۔

نپولین ایک جزیرے میں تنہائی میں مرا۔ اس نے موت کے وقت کہا کہ سلطنت ملی اور چھن گئی مرنے تک مجھے خوشی نصیب نہیں ہوئی۔ ہارون الرشید کی سلطنت سرائش سے کشمیر تک تھی۔ اس نے اپنی قبر اپنی زندگی میں بنوائی۔

اس میں ختم قرآن کئے اس کے بعد حکم دیا کہ مجھے مردہ لاش کی طرح اس میں

لٹا دو۔ تو قبر میں ڈالتے وقت اس نے کہا میں نے بہت بڑی سلطنت کی حکمرانی کی ہے تو سلطنت کے دوران کوئی ایسا دن نہیں آیا جس میں غمی نہ ہوئی ہو۔

حاکم اندلس عبدالرحمٰن نے موت کے وقت کہا کہ میں نے اندلس پر سلطنت کی مگر معلوم ہوا کہ حاکمیت تو مصیبت ہے۔ یہی الفاظ عبدالملک کے ہیں کہ سوچا تھا کہ سلطنت میں خوشی نصیب ہوگی مگر نصیب نہ ہوئی۔

سکندر اعظم کی تاریخ میں لکھا ہے کہ میری زندگی میں خوشی کے صرف ۱۳ تیرہ دن ہیں۔

(۱۷۵) دین کی خدمت اللہ تعالیٰ جس سے چاہے لے سکتا ہے!

اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت نہ کی تو اللہ کوئی اور مخلوق اپنی خدمت کے لیے پیدا کر دے گا۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے عربوں سے کام لیا۔ ان میں سستی پیدا ہوئی۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے عجمیوں سے کام لیا۔ حضرت امام بخاریؒ عجمی ہیں۔ ابن ماجہؒ عجمی ہیں۔ نسائیؒ کے سوا ابن جریرؒ عجمی ہیں۔ صاحبؒ قاموس عجمی ہیں۔ شیخ عبدالقادرؒ جیلانی عجمی ہیں۔ بایزیدؒ بسطامی عجمی ہیں۔ پھر عجمیوں میں سستی پیدا ہوئی۔ تو ہندوستان سے کام لیا۔ جہاں حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی پیدا ہوئے۔ ان کے برابر کا کوئی عالم ہی نہیں۔

پانچ سو سال عربوں نے حکومت کی۔ پھر ہو پانچ سو سال ان کی حکومت رہی۔ چنگیز اور ہلاکو اسلام مٹانے کے لیے آئے۔ تاتاری بھی اسلام مٹانے کے لیے آئے۔

علماء دین، انگریز نے جن کو گالی دینے کے لیے لوگوں کو گالی دینا سکھایا۔ حالانکہ جس مقام پر یہ حکمران حکومت کر رہے ہیں۔ یہ علاقہ بھی علماء کی بدولت ملا ہے۔

ایک انگریز مؤرخ نے تفصیل سے لکھا ہے۔ کہ علماء دین نے بغیر تنخواہ و اُجرت اسلام کیا۔ ہلاکو اور چنگیز کی اولاد کو مسلمان کیا۔ تیمور ان کی اولاد میں سے تھا۔

(۱۷۶) تبلیغ دین!

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ..... اولٰئک هم المفلحون.

یہ آیت تبلیغ کے متعلق ہے۔ تبلیغ کا معنی پہنچانا کے ہیں۔ اگر آدمی نے خیر پہنچائی تو تبلیغ اچھی ہے نہ تو بُری تبلیغ ہوئی۔ ورنہ نفسِ تبلیغ نہ اچھی ہے نہ بُری۔ اس کا معیار اس چیز پر ہوگا جس کی تبلیغ کی جائے گی۔ مثلاً مسلمان اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں اور عیسائی کفر کی تبلیغ کرتے ہیں عیسائی ہدایت نہیں پہنچاتے بلکہ ضلالت پہنچاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں چند باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔

(۱) امت: مسلمانوں کا پہلا نام امت ہے۔ یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ امت نہیں بلکہ خیر الامت ہے۔ تو خیر الامت کا خطاب ملا۔ امم جمع ہے۔ امت اس گروہ یا جماعت کا نام ہے۔ جس گروہ کا بنیادی مسئلہ نصب العین ایک ہو۔ جن کا مطلب اور نصب العین مختلف ہو یا بدل جائے وہ امت نہیں۔ اگر مسلمانوں کا مقصد ایک ہے تو ان کو امت کہا جائے گا۔ حیوانات میں بھی اگر زندگی کا مقصد ایک ہوتا تو انہیں بھی امت کہا جاتا۔ چوپائے گھاس کھاتے ہیں۔ اور درندے گوشت کھاتے ہیں بعض پرندے گھر بنتے ہیں جیسے مکڑی کا جالا۔ اس مکڑی کی جماعت کے افراد کا یہ بھی مقصد ہے۔ بھڑ کی طرح ایک مکھی ہے جو مٹی اٹھا اٹھا کر گھر بناتی ہے۔ یہ اسی کا کام ہے دوسری کا نہیں۔ چیونٹی سال

بھر کی روزی اپنے بل میں جمع کرتی ہے۔ اُڑنے والے پرندے ایک دن سے زیادہ روزی جمع نہیں کرتے۔

معلوم ہوا کہ تمام افراد ایک خاص مقصد رکھتے ہیں۔ جانوروں کا کوئی گروہ ایسا نہیں کہ وہ امت ہے۔ کیونکہ ان کا مقصد ایک نہیں ہے۔ امت کے لفظ نے بتلایا کہ تمہارے بنیادی نصب العین کا ایک ہونا ضروری ہے۔ ورنہ امت کے مطلب سے خارج ہو جاؤ گے۔

تمام مسلمانوں میں سے چاہیے کہ ایک امت ہو۔ یعنی ایک جماعت ہو۔ جس کا مقصد ایک ہو۔ اس میں تبلیغ کی نوعیت کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔ اگر تمام لوگ تبلیغ کے لیے نکلیں تو زراعت یا زندگی کے دوسرے مختلف شعبوں وغیرہ کا کام کون کرے گا۔

(۲) فرض کفائی: یہ ایک عین فریضہ ہے۔ کہ تم مسلمان ضرور ایک ایسی جماعت بناؤ جس کا کام صرف دین پہنچانا ہو۔ انہیں دیگر کاموں سے فارغ رکھو۔ اسے فرض کفائی کہتے ہیں۔ جس کی ذمہ داری سب مسلمانوں پر ہو اور ادائیگی ایک خاص گروہ پر ہو۔ تعلیم عمل کے مطابق ایک تبلیغی جماعت ہونی چاہیے۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ جواب طلبی کریں گے کنتم خیر امة أخرجت للناس۔

تمام مسلمانوں سے ایک گروہ ہونا چاہیے جو اسلام کی تبلیغ کرے۔

(۳) نتیجہ تبلیغ: اس جگہ تبلیغ کا جو نتیجہ بتلایا گیا ہے۔ اس سے تبلیغ کی قیمت کا اندازہ ہوگا۔

ایک (آرنلڈ) نامی انگریز نے لکھا ہے کہ عربوں کا قدم جہاں جہاں گیا وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہوئی۔ سندھ، کشمیر، بنگال میں عرب پہنچے وہاں مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اسلام تبلیغ سے پھیلتا ہے۔ جہاں بادشاہوں نے ہاتھی نچائے اور تبلیغ

ہاں کفرستان رہا۔ اگر مسلمانوں میں تبلیغ موجود رہی۔ تو پھر کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ ت ہماری تمام مصیبتیں اور پریشانیاں صرف تبلیغ نہ کرنے کی وجہ سے ہیں۔

(۴) فلاح: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو تبلیغ کا نتیجہ بیان فرمایا ہے۔ اسے ح کہتے ہیں۔ قرآن نے اسے فلاح کہا۔

انسان چاہتا ہے کہ ہر راحت نصیب ہو اور ہر دُکھ درد دُور ہو۔ خالق فطرت اس تمنا کا کیا انتظام کیا ہے۔ پوری انسانیت میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں کہ اسے دنیا ہر فائدہ حاصل ہو اور ضرر سے محفوظ ہو۔ امریکہ کا صدر اور روس کا وزیر اعظم اس دنیا کے بڑے بت ہیں۔ کیا ان کی یہ فطری خواہشیں پوری ہوگئی ہیں؟ ہرگز ں۔ جوانی فائدہ ہے بڑھاپا نقصان۔ تندرستی فائدہ ہے بیماری نقصان۔ زندگی فائدہ ہے مرنا نقصان۔

فلاح اتنی بڑی دولت ہے کہ یہ دنیا کے تنگ پیالے میں نہیں آسکتی۔ ایک پیالے کی پیالی میں اگر سمندر نہیں سما سکتا۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ سمندر موجود نہیں۔ وہ چیز تنگ پیالے میں کیسے آسکتی ہے۔ فلاح اگر دنیا میں نہیں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ فلاح موجود نہیں۔

آخرت کی حیثیت پیغمبرؐ سے پوچھ، ایک بقاء ہے جس میں فنا نہیں اور زندگی ہے مرنا نہیں اور تندرستی ہے بیماری نہیں اور ایسی خوشی ہے جس میں غم نہیں۔

غم کا تنگ پیالہ۔ دنیا ہے اور خوشی کا کشادہ پیالہ۔ جنت ہے۔

(۵) تدبیر حصول فلاح: صوفیوں کا مقولہ ہے کہ دنیا مطلوب ہے آخری مقصود ں۔ دنیا آخرت کمانے کا ایک ذریعہ ہے۔

حلال روزی کماؤ کہیں اس کو آخری مقصود نہ بناؤ۔ کافر اور یورپ نے ا
آخری مقصود سمجھا۔ جو تنگ چیز پہ نظر رکھے وہ تنگدل ہے یورپ اور امریکہ تنگدل ہیں
مولوی تنگدل ہے؟

(۶) فلاح کے اسباب: اگر تم نے اسلام کی تبلیغ کی تو تمہیں فلاح ملے گی۔
مسلمانوں سے ایک خصوصی جماعت کا ہونا لازمی ہے۔ جو دنیا کو اسلام کی دعوت دے
اسلامی تبلیغ سے بُرائیوں کا خاتمہ کرے۔ ایسی تبلیغ کرنے والے فلاح پائیں گے۔

(۷) حاکم سے تبلیغ کا مطالبہ: الذین ان مکنھم فی الارض اقام
الصلوۃ واتوا الذکوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر ولله
عاقبۃ الامور.

ترجمہ: ہم جنہیں اپنی زمین پر حاکمیت عطا کرتے ہیں تو انہیں چاہیئے کہ وہ نماز قا
کریں۔ زکوٰۃ ادا کریں اور نیکی پھیلائیں اور بُرائی روکیں۔

تو اس سے معلوم ہوگیا کہ حکومت کو چاہیے کہ سرکاری طور پر ایک گروہ ایک
جماعت یا ایک امت متعین کرے جو ملک وغیرہ میں صرف اور صرف دین کی تبلیغ
کرے۔ اور ان کی مالی ضروریات سرکاری خزانہ سے ادا کی جائیں۔ کیونکہ یہ حکومت کا
فریضہ ہے۔

جس طرح حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم اصحابؓ صفہ کو تعلیم دیکر دور دراز
علاقوں میں تبلیغ کے لیے بھیجا کرتے تھے۔

بصورت دیگر اگر حاکموں نے اس فریضہ سے کوتاہی برتی۔ ان چار مطالبوں کو
پورا نہ کیا۔ تو پھر آگے انجام کی آیت بھی فٹ کردی۔ وللہ عاقبۃ الامور کہ سب کا مو

ل ہمارے ہاتھ میں ہے۔ کہ جب اور جس وقت۔ جہاں اور جس صورت میں
حکومت چھین لیں گے۔

(۱۰) عیسائی مذہب تبلیغی نہیں!

عیسائی مذہب تبلیغی نہیں۔ انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ صرف یہودیوں کے
بچانے کے لیے ہیں۔ عیسائی غیر تبلیغی مذہب ہو کر پاکستان میں تبلیغ کر رہے ہیں۔

جس قوم کے مذہب میں تبلیغی نصاب یا مقصد نہیں وہ تو بڑھ چڑھ کر تبلیغ میں حصہ
لیتی ہے اور جسے تبلیغ کی وجہ سے خیر الامت کا خطاب ملا۔ وہ ٹانگیں پھیلا کر عیش وعشرت
میں پڑے ہیں۔ بلکہ جو اس فریضہ کو ادا کر رہے ہیں ان کا مذاق اُڑایا جاتا ہے۔

۲۴ فروری ۱۹۵۷ء کے ایک رسالے میں لکھا ہے۔ کہ عیسائی قوم اپنے مذہب
کے لیے ۲۵ دسمبر کو قربانی کرتے ہیں۔

امریکہ نے ۲۵ دسمبر ۱۹۵۷ء میں ۱۳ کروڑ، ۴۲ ہزار، ۴۹۷ اشتہارات تقسیم
کیے۔ دو کروڑ، ۵۲ ہزار، ۷ سو تبلیغی کتابیں شائع کیں۔ دو کروڑ، ۸۷ ہزار بڑے بڑے
ہوائی جہاز کے ذریعے گرائے گئے اور دیواروں پر چسپاں کیے گئے۔

ایک کروڑ چھوٹی انجیل تقسیم کی گئی۔

ایک لاکھ بائیبل تقسیم کی گئی جو بڑی انجیل ہے اور جس میں نیا اور پرانا عہد نامہ ہے۔

دو ہزار، ۳۵۶ پادری، چھ ہزار لیکچرز دیئے۔ امریکہ کی ایک دن کی یہ کاروائی
ہے جان فیئر۔ عیسائی نے ساڑھے سات کروڑ روپے تبلیغ کے لیے چندہ دیا۔

مگر پاکستان میں تبلیغی کام کرنے والوں کا مذاق اُڑایا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ
لوگ بھی اپنے خرچہ پر کرتے ہیں۔ جو حکومت کا فریضہ ہے۔

(۱۷۸) پوپ کے مقرب شاگرد فرامرشو نے اسلام قبول کیا!

مسیحی مذہب میں تحریف۔ پولس یہودی، سینٹ پال اور لوتھر کے ذر
ہوئی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مسیحی مذہب کو حضرت مسیح علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں رہا۔
اس کو پولس یہودی مذہب قرار دینا ہی زیادہ موزوں ہوگا۔ مشہور مسیحی محقق البستانی
المعارف میں لکھتا ہے۔ جو کٹر مسیحی ہے کہ تثلیث کا لفظ سب سے پہلے سینٹ پال
پولس سے سنا۔ جو متعصب یہودی تھا اور اس نے مسیحی توحید کو شرک سے آلودہ کر
کامیابی کا سانس لیا۔

انجیل کا حال یہ ہے کہ وہ ایک تھی اور اب چار ہیں۔ نجار مصری "قصص
الانبیاء" میں لکھتے ہیں کہ ابتدائی تین صدیوں میں ایک سو سے زائد انجیلیں تھیں جو
میں ان سے چار کا انتخاب کر کے باقی کو ترک کر دیا گیا اور یہ فیصلہ بھی نالیسیا کونسل
ایک فال کے بنا پر کیا۔ پھر ان چار اناجیل کا یہ حال ہے کہ پوپ سکسٹس کے قدیم کت
خانہ سے انجیل برنابا برآمد ہوئی۔ جس کے مضامین دوبارہ ولادت مسیح علیہ السلام ا
بشارت پیغمبر علیہ السلام کی رسالت پر مشتمل تھی۔ پوپ کا مقرب شاگرد فرامرشو اس کو پ
کر مسلمان ہوا۔ یہ انجیل اصلی تھی۔ المنار پریس میں چھپ گئی ہے۔

(۱۷۹) قضاء وقدر!

اختصار سے کہ تقدیر میں دو چیزیں ہیں۔ قضاء وقدر۔ ان دونوں میں فرق
ہے کہ پوری کائنات اوّل سے آخرت تک اور کائنات کے تمام واقعات کائنات کی
پیدائش سے قبل ہو اللہ نے اپنے علم ازلی میں طے کیے ہیں۔ وہ تمام کے تمام کائنات کی

ر ہیں۔ اور وہ مقدارات جب وجود میں آ جائیں تو یہ قضاء ہے۔ تو حقیقت میں قضاء
ر کی شرح ہے۔

(۱۸۰) معنی تقدیر!

آجکل کوئی شخص دین سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ دیگر مسائل تو واضح اور کھلے
ں۔ مگر یہ مسئلہ پیچیدہ ہے۔ مگر جہاں تک ہو سکے اسے سمجھنا چاہیے۔ تقدیر کا معنی یہ ہے
کہ انسانی علم اور خدائی علم میں فرق؟ انسان کا علم اس وقت ہے جب وہ چیز موجود ہو۔
مثلاً جب آدمی کا بیٹا پیدا ہو جائے تو اسے پتہ چلتا ہے۔ یا مرض آنے والا ہے تو اس کا
اسے پتہ نہیں۔ جب پڑے گی تو اسے پتہ چلے گا کہ مرض آ گئی ہے۔ تو انسانی علم کی شان
یہ کہ چیز معلوم ہو تو علم ہو تو ورنہ نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کا علم موجود کے ساتھ خاص
نہیں۔ مثلاً ہمیں اتوار کے درس کا علم آج ہوا۔ لیکن آدم کی پیدائش سے کئی عربوں سال
پہلے اللہ تعالیٰ کو ایسے معلوم تھا کہ جس طرح آج معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ماضی۔ حال۔
مستقبل سب چیزوں کا نام برابر ہے۔ اس کا علم ازلی۔ ذاتی اور قدیم کہا جاتا ہے۔ حضور
نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیغمبری کی عطا کے بعد جب تبلیغ شروع کی تو حضرت
صدیق اکبرؓ ایمان لائے۔ اور ابوجہل ایمان نہ لایا لیکن عربوں سال قبل اللہ تعالیٰ کو معلوم
تھا ابوجہل ایمان نہ لائے گا۔ اب جب یہ بات ہوئی تو کائنات کے شروع سے آخر تک
سارے واقعات جو کسی چیز سے واقع ہونے والے تھے یہ کائنات سے کئی سال قبل اللہ
کے علم میں تھے۔ چاہیے آسمان میں یا زمین میں واقع ہونے والے تھے۔ اس خدائی علم کا
نام تقدیر ہے۔

(۱۸۱) تقدیر جبری واختیاری!

اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں دو قسم ہیں۔ انسان اور غیر انسان۔ جن انسان میں شامل ہیں۔ انسان اور جن کے علاوہ عالم بالا و زیریں میں تقدیر جبری چل رہی ہے۔ انسان کی زندگی کے دو حصے ہیں۔ (۱) جبری تقدیر، (۲) اختیاری تقدیر۔ جبری تقدیر یہ ہے کہ انسان بڑھتا ہے جوان۔ بوڑھا وغیرہ ہوتا ہے۔ تو اپنا اختیار نہیں۔ یہ انسان کی زندگی کا جبری تقدیر کا حصہ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ادھر بھی اپنی گرفت رکھی ہے تا کہ انسان باغی ہو کر خدائی کا دعویٰ نہ کرے۔ یورپ نے جتنی ترقی کی ہے وہ حیوانی ترقی ہے۔ نہ کہ انسانی ترقی۔ ایک آدمی نے کہا کہ یورپ تو بہت اونچا ہو گیا۔ میں نے کہا اس کو چھوڑو دیکھو یورپ دور کیوں جاتا ہے۔ ہمیں صرف اتنا کر دے کہ دانت نہ اکھڑیں۔ بڑھاپا نہ آئے۔ بال سفید نہ ہوں۔ یہ جبری تقدیر ہے۔ یہاں یورپ کا باپ بھی عمل نہیں کر سکتا۔ باقی اڑنا تو اختیاری تقدیر ہے۔ پرندے بھی اڑتے ہیں وغیرہ۔ اب بات تو سمجھ آ گئی کہ کائنات پر ہم نے تقدیر کو منطبق کیا کہ پوری کائنات میں انسان کا ایک حصہ اختیاری تقدیر کے ساتھ ہے اور دوسرا حصہ جبری تقدیر کے تحت ہے۔

(۱۸۲) اقسام تقدیر!

تقدیر کے بہت حصے ہیں۔ (۱) تقدیر علمی، کئی بار انسان کی تقدیر کا فیصلہ ہو گیا ہے۔ (۲) تقدیر لوحی۔، (۳) تقدیر میثاقی۔ انسان سے جو معاہدہ لیا گیا ہے۔، (۴) تقدیر رحمی۔ کہ رحم مادر کے اندر تقدیر، (۵) تقدیر سنوی کہ سالانہ تقدیر، (۶) تقدیر یومی۔ روزمرہ کی تقدیر۔ کتاب وسنت سے ان چھ تقدیروں کا علم ہو جاتا ہے۔

۱۔ ایک قسم تقدیر علمی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب صرف اللہ تعالیٰ تھا۔ کائنات نہ تھی۔

اس وقت تک کائنات میں جو کچھ ہونا تھا۔ ایمان۔ کفر۔ اطاعت۔ معصیت۔ خیر و شر۔ وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں تھے۔ یہ کائنات کی علمی تقدیر ہے۔ اس کی طرف قرآن کا اشارہ ہے۔ واللہ بکل شئ علیم کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ واحاط بکل شئ علما کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر شئے پر محیط ہے۔ واحصی کل شئ عددا کہ ہر چیز کی گنتی کا علم اللہ کے پاس ہے۔ خاک کا ایک ایک ذرہ اور ریت کے اعداد شروع سے آخر تک اس کی گنتی میں ہے۔ یہ کائنات کی علمی تقدیر ہے۔

۲۔ تقدیر لوحی۔ کائنات کا ایک صدر دفتر ہے کہ بعض معلومات الہیہ اس دفتر میں تحریر میں آ جاتے ہیں۔ اسلام کی اصطلاح میں اسے لوح محفوظ کہتے ہیں۔ تو جو اللہ کی شان کے مطابق ہے ویسی ہی تحریر ہو گی۔ گویا قلم تقدیر نے ان معلومات الہیہ کو لوح محفوظ میں لکھا۔ حدیث کتب اللہ مقادیر الخلائق اللہ تعالیٰ نے پوری مخلوقات کے کارناموں کے اندازوں کو لوح محفوظ میں لکھوایا۔ قبل ان یخلق السموت والارض بخمسین الف سنة ۔ زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے تحریر کی گئی۔ یہ وہ لوحی تقدیر ہے جو پوری کائنات کی تقدیر ہے۔ انسان کی قسمت کا فیصلہ ہے۔

۳۔ تقدیر میثاقی۔ یہ حضرت آدمؑ کی پیدائش کے بعد پیدا ہوئی۔ پہلی دو تقدیریں۔ تقدیر عمومی ہیں اور باقی سب تقدیریں انسانی تقدیریں ہیں۔ خاص تقدیریں ہیں۔ الست بربکم قالوا بلی۔ آدمؑ کی پشت مبارک کو قدرت نے چھوا تو باریک ذرات کی شکل میں نورانی صورتیں نکلیں۔ دوبارہ چھوا تو غیر نورانی ذرات نکلے۔ یہ فرما کر پھر فرمایا کہ الست بربکم یعنی عہد لیا گیا۔ پھر فرمایا گیا کہ نورانی شکل کے ذرات جنت

والے ہیں اور تاریک شکل والے ذرات جہنمی ہیں۔ جو دنیا میں جا کر اپنے ارادہ سے جہنم کمائیں گے۔

۴۔ تقدیر رحمی۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان خلق احد کم یجمع فی رحم امہ اربعون نطفۃً ۔ پھر چالیس دن بعد خون بنتا ہے۔ ثم تکون مضغۃً کذالک پھر گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے۔ فیبعث اللہ الیہ ملکاً تو پھر ایک فرشتہ بھیج دیتا ہے۔ تو فرشتہ پوچھتا ہے اذکر انثی کہ یہ مذکر بنائیں یا مونث۔ یھب لمن یشاء اناثا و یھب لمن یشاذکورا کسی کو دونوں عطا کرتا ہے اور کسی کو بانجھ بنا دیتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ نے صرف اس لیے کیا کہ لڑکی لڑکا میرے ہاتھ میں ہے۔ ہم اولاد کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کا در وزاہ چھوڑ دیتے ہیں۔ معاذ اللہ یا تو یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ جھوٹا ہے اور پیر سچا ہے۔ ہمارے علاقہ میں ایک پیر آیا شہرت ہوگئی کہ لڑکا دیتا ہے۔ ایک کو تعویذ دیا اس کی لڑکی ہوئی کہا تعویذ لاؤ دیکھا تو لکھا ہوا تھا لڑکا نہ لڑکی۔ کہ میں نے لکھا تھا کہ لڑکا نہ لڑکی ہو۔ دوسرے کو دیا تو لڑکا پیدا ہوا کہا کہ تعویذ پر لکھا تھا لڑکا نہ لڑکی۔ تیسری کو کہا کہ تمہاری اولاد نہیں ہوتی۔ تو اس کے تعویذ پر لکھا تھا نہ لڑکا نہ لڑکی۔ تو وہاں سے جو آرڈر ملے وشقی اوسعید ۔ کہ قسمت کیا بناؤں یعنی مومن یا کافر لکھوں۔ فما الرزق و مالاجل عمر اور رزق کتنا لکھوں۔ انسان آجکل تو خدائی ہدایات سے پوری طرح محروم ہوگیا ہے۔ روزی کا فیصلہ تو پہلے ہو چکا ہے۔ تقدیر رحمی کے ماتحت مخفی تحریر کے ذریعے۔ یا پیشانی یا جسم کے کسی دوسرے حصے پر (تقدیر غیبی ہے) لکھی ہوئی ہے۔ یہ تقدیر غیبی ہے اسے کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ انسان کا مال وہ ہے جو کھالے نہ کہ وہ جو بینک میں جمع ہے یہ بات حدیث شریف سے ثابت ہے۔ تو یہ تقدیر رحمی ہے یہ چار ہوگئے۔

۵۔ تقدیر سنوی۔ سالانہ تقدیر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اشارہ کیا ہے انا انزلنا فی لیلۃ مبارکۃ ہم نے قرآن کو برکت والی تاریخ میں اتارا ہے۔ وہ ہے لیلۃ القدر ۔ جس رات میں انسان کی سالانہ قسمت کے فیصلے طے ہوں گے اور فرشتوں کو سال کا بجٹ حوالہ کیا جاتا ہے۔ کہ فلاں کا رزق ۔ عمر وغیرہ اتنا ہے۔ مرض اتنی۔ فتنے اتنے۔ نیکیاں اتنی وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ کائنات میں سالانہ جو کچھ ہوگا وہ لیلۃ القدر کی شب کو فرشتوں کی بتلا دیا جاتا ہے۔ اور شب قدر رمضان کے آخری حصہ میں ہے۔

۶۔ تقدیر یومی۔ کہ روزمرہ کی تقدیر۔ دیکھو کتنے انسانوں کی یومیہ تقدیر۔ قرآن نے اس کو ذکر کیا ہے۔ کل یوم ھو فی شان ۔ کہ روزانہ فیصلوں میں خدا حکم دے رہا ہے۔ جس دن سے امریکہ نے اسرائیل کو عرب پر اکسایا ہے۔ تو مغضوب قوم سے تعاون کیا تھا۔ تو ہم نے کہہ دیا تھا کہ اب اس کے زوال کا زمانہ آ گیا ہے۔ آج پوری دنیا میں ذلیل ہے۔ حقیقت تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے مگر کتاب وسنت کے ذریعہ ہم نے جو بتایا ہے تھوڑا بہت اس کا علم ہمیں ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو تو مکمل علم ہے۔ چھ قسم کے تقدیر علم ہوگئے اور علم معلوم کو گھیرتا ہے۔ یعنی جس طرح آسمان زمین نے گھیرے میں لیا ہے۔ اس طرح چھ قسم کی تقدیریں اس کائنات پر محیط ہیں۔ یعنی کائنات میں جو کچھ ہے یہ چھ تقدیریں اس پر چھائی ہوئی ہیں۔ اور جس طرح آسمان اور زمین تم سے مجبوراً کچھ نہیں کرواتے اس طرح اللہ کی تقدیر بھی تم کو مجبور نہیں کرتی۔

(۱۸۳) فوائد تقدیر!

(۱) مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو عقیدے رکھے ہیں ان کا فائدہ انسان کو ہے نہ کہ اللہ کو۔ تقدیر کے اندر فائدے ہیں۔ ہم اس وقت تک مومن نہیں بن سکتے جب

تک یہ ایمان نہ ہو کہ جو کچھ ہے یہ اللہ کی تقدیر میں ہے۔ دو فائدے قرآن نے کہے ہیں۔ ما اصابکم من مصیبت فی الارض ۔ اگر تمہیں کوئی مصیبت زمین یا تمہاری جانوں میں پہنچتی ہے۔ مگر یہ علم الٰہی کے علاوہ ہم نے لوح محفوظ میں لکھ دی ہے بہت پہلے۔ ہم نے یہ معاملات پہلے کیوں لکھے تا کہ تمہیں کسی مصیبت پر غم نہ ہو۔ لکیلا تاسوا علی مافاتکم ولا تفرحوا بما اتکم ۔ اور اس نعمت پر مغرور نہ ہو جو ہماری طرف سے ملے۔ وذالک علی اللہ یسیر اور یہ پہلے سے لکھنا اللہ کے لیے آسان ہے۔ اب اس آیت کی شرح یہ کہ دنیا میں ہر آدمی کا فطری جذبہ ہے کہ غم نہ ہو اور خوشی ہو۔ عقیدہ تقدیر انسان کے دل سے ہر غم کو مٹا دیتا ہے بشرطیکہ پختہ یقین ہو۔ غم آخر انسان کرتا ہی ہے۔ اور غم اس لیے نہ ہوگا کہ آپ سمجھیں گے کہ یہ سب کچھ تقدیر کی وجہ سے ہوا ہے۔ اور اگر پورا عالم میرا مددگار ہوتا تو یہ تقدیر ٹلنے والی نہ تھی۔ تو غم تو پھر بیوقوفی ہے۔ انما اصابک لم یکن لیخطئک ۔ مصیبت ٹلنے والی نہ تھی۔ یہ سب مومن کے لیے ہیں نہ کہ کافر کے لیے۔ جب فیصلہ تقدیر پر یقین ہو جائے کہ یہ فیصلہ اللہ رحیم اور مالک اور حکیم کا فیصلہ ہے۔

(۲) کہ انسان کے اندر خالق کا خوف رہے۔ اور تمام اخلاق رذیلہ کی جڑ خوف مخلوق ہے۔ اخلاق رذیلہ میں سے مثلاً ایک پست خلق کینہ و بغض رکھنا ہے وغیرہ۔ اس سے باہمی اتفاق پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ کینہ اس لیے رکھتا ہے کہ فلاں شخص کسی وقت مجھے کوئی نقصان پہنچائے گا۔ ۲۔ بُری عادت نفاق اور مکر و فریب ہے۔ یہ اس لیے کرتا ہے کہ ڈر کے مارے کھل کر بات نہیں کرتا۔ گویا وہ شخص دل میں قابل تعریف نہیں اور زبان پر اس کی تعریف کر رہا ہے۔ منافقت کا پورا خوف مخلوق سے اگتا ہے۔ اگر مخلوق کا ڈر نہ ہو تو

نکتہ دار پر بھی سچ کہے گا۔ اس میں مسلمان دوسری قوموں سے بہت زیادہ تعداد میں مبتلا ہے۔

۳۔ بہت بُری عادت جھوٹ بولنا ہے۔ جھوٹ کا سرچشمہ بھی مخلوق کا خوف ہے۔ کہ اگر ایک آدمی کو سچ بات کہیں تو ناراض ہو جائے گا چاہے اللہ تعالیٰ ناراض بھی ہو۔ خالق کی ناراضگی نظر انداز کی گئی۔ اور مخلوق کی ناراضگی کو جھوٹ کے ذریعے روکیا گیا۔

(۱۸۴) سپاسنامہ!

جو تمہارے سامنے منہ پر تعریف کرے تو اس کے منہ پر مٹی ڈالو۔ حضرت مدنیؒ ایک جگہ تشریف لے گئے۔ ایک آدمی جلسہ میں تعارف کروانے لگا۔ اس نے مدحیہ الفاظ شروع کیے تو مولانا نے بہت منع کیا کہ شرع کے خلاف نہ کرو۔ کہ منہ سامنے تعریف نہ کرو بلکہ غائبانہ کرو۔ تو مولانا نے مٹی اس کے منہ پر پھینکی اور فرمایا میں اپنے آقا کا فرمان ادا کر رہا ہوں۔

دوسرے حضرت شاہ جیؒ کشمیری سورت کے مقام پر ایک بہت بڑے جلسہ میں تشریف لے گئے۔ جلسہ والوں نے سپاسنامہ بھی لکھ رکھا تھا اور قابلِ تعریف بھی تھے کیونکہ علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ چھ سو سال پہلے ان جیسا عالم نہیں گزرا۔ جب سٹیج پر تشریف لائے تو ایک آدمی تعارف کروانے لگا فرمایا ٹھہرو۔ لوگو! میں انور شاہ ہوں بس اتنا تعارف کرا کے فرمایا نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اور تقریر شروع کر دی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کتب کی قدر مصر اور عرب میں بہت ہے۔ مگر دہلی کے بدمعاش لوگوں نے انہیں نہ رہنے دیا۔ شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ عبدالقادرؒ، شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالغنیؒ ان چار بیٹوں اور والد کی مزار دہلی کے قریب ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی حجۃ اللہ البالغہ۔ دوست و دشمن دونوں کہتے ہیں کہ اس جیسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت شاہ عبدالقادرؒ قرآن کا ترجمہ نہ لکھتے تو کوئی عالم اچھی

طرح ترجمہ وتفسیر نہ کرسکتا۔ تو شاہ عبدالقادرؒ نے اپنے والدؒ کی تعریف میں صرف اتنا لکھتے ہیں کہ میں عبدالقادر بن شاہ ولی اللہؒ ہوں اور وہ میرے والد عالم تھے۔ بس اتنی تعریف کی۔

ایک بار میں دیوبند گیا تو طلباء نے سپاسنامہ پڑھا میں ان کو روک تو نہ سکا۔ ایک واقعہ سنایا کہ اسلام میں سب سے بڑی ہستی حضرت خالد بن ولیدؓ ہیں جن کی خستہ تلوار نے قیصر وکسریٰ کی حکومتوں کو الٹ دیا۔ اس کے بعد جب فاتحانہ انداز میں واپس آئے تو چاہیے تو تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ کیا کچھ نہ کرتے۔ اطلاع مل چکی تھی کہ خالد بن ولیدؓ ان عظیم سلطنتوں کو فتح کرکے آرہے ہیں۔ تو تمام صحابہ کرامؓ مسجد میں جمع ہوئے۔ جب خالد بن ولیدؓ آئے جوتوں کی جگہ پہنچے ہیں تو کوئی صحابیؓ بھی استقبال کے لیے نہ کھڑا ہوا۔ جب اندر تشریف لائے تو پھر صرف فاروق اعظمؓ بے اختیار کھڑے ہوئے اور معانقہ کیا اور بیٹھ گئے۔ تو سیدنا فاروق اعظمؓ نے ایک جملہ فرمایا جو پورا سپاسنامہ ہے۔ البشر ما خالد بخیر یوم منذ حا شا یوم الاسلام۔ خالدؓ تمہارے اس سفر میں جو تم جہاد کے لیے گئے ہیں اللہ کی جانب سے خوشخبری سناتا ہوں کہ ولادت سے آج تک بخیر تیرے اسلام کے لانے کے اور کوئی دن اس جہاد کے دن سے بہتر نہیں ہے۔ جواب میں کیا کہتے ہیں وماھذا لک وما انا الا جندی جنود۔ بشارت تو آپ کی ہی ہے میں تو ایک سپاہی تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا کیا معاملہ ہے۔ وہ یہی اسلام تھا جس نے عرب کے پاک خطہ میں تعلیم چھوڑی تو کافی عرصہ اس کا اثر رہا۔

سلطان عبدالعزیزؒ تو فوت ہوگئے ہیں اب ان کی اولاد ہے۔ حضرت لاہوریؒ حج پر تشریف لے گئے فرمایا ایک بات پر بہت خوشی ہوئی ہے کہ سلطان ابن سعودؒ ہر سال مخصوص آدمیوں کو دعوت دیتے ہیں۔ دعوت میں ایک بدو آیا اور کہا اسمع یا ابن

عبدالعزیز۔ بس اتنا ہی کہنا کوئی القاب اور نہ ہی بادشاہ کا اونچ نیچ۔

(۱۸۵) فائدہ تقدیر (احراث شجاعت)!

(۴) فائدہ احراث شجاعت۔ عام طور پر لوگ عربی اور دینی تعلیم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ مسلمان کا تقدیر پر بھروسہ بیکاری ہے۔ لہذا تم ترقی تب کروگے کہ تقدیر کا عقیدہ ترک کردو۔ یہ یورپین کا اعلان ہے۔ اس کا جواب ہے لعنت اللہ علی الکذبین۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ کا تقدیر کا عقیدہ ہم سے زیادہ تر مضبوط تھا۔ اگر تقدیر کا عقیدہ کمزور کرنے والا ہے تو صحابہ کرامؓ کو سست بنا دیتا حالانکہ انہوں نے تقدیر کی قوت سے بڑے بڑے شہنشاہوں کی سلطنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے۔ تو تقدیر کے عقیدہ کا دوسرا فائدہ شجاعت اور بہادری ہے۔

مسلمان کی ہر قوم سے جنگ ہوئی ہے۔ عرب خود عربوں سے لڑے تو کامیاب ہوئے۔ یعنی مسلمان کامیاب اور کفار شکست کھا گئے۔ یہ صرف عقیدہ تقدیر تھا کہ پوری بہادر قوموں کو شکست دی۔

(۱۸۶) وحی الٰہی اور بارش میں مناسبت!

(او کصیب من السمافیہ ظلمت ورعدو برق ..... من الصواعق حذر الموت)

(۱) کہ پانی ذریعہ حیات ہے۔ اگر پانی نہ ہو تو کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا۔ وجعلنا من الماء کل شئی حی۔ کہ پانی سے ہر چیز کو زندگی بخشی ہے۔

(۲) پانی کی دوسری خاصیت یہ ہے کہ وہ پوشیدہ طاقت کو کھولتا ہے۔ مثلاً ہمیں یہ معلوم نہیں کہ زمین میں کیا ہے؟ مگر جب بارش برسی پانی پڑا تو جو تخم اس میں

پوشیدہ ہے اس کا پودا نکل آیا۔

(۳) پانی کی تیسری صفت یا خاصیت یہ ہے کہ پانی عموماً پستی پسند ہے۔ نشیبی زمین میں جاتا ہے۔

(۴) پانی کی چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ آگ کا دشمن ہے اور یقینی بات ہے کہ جو پانی آگ نہ بجھائے وہ پانی نہیں۔

(۵) پانی کی پانچویں صفت یہ ہے کہ پانی موجب رقت ہے۔ یعنی نرمی پیدا کرنے والی چیز ہے۔ سختی کو نرمی میں تبدیل کرتا ہے۔

وحی کی صفتیں۔

(۱) وحی الٰہی بھی ذریعہ حیات ہے۔

وحی الٰہی تو دونوں جہانوں کی زندگی کا ذریعہ ہے۔ فلنحیینہ حیوۃً طیبۃً۔

وحی کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) وحی متلو۔ کہ جس وحی میں کلام اور عبارت دونوں خدا تعالیٰ کی ہوں۔

(۲) وحی غیر متلو۔ (یعنی حدیث پاک) جس میں بات خدا تعالیٰ کی اور کلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ہو۔

تو قرآن پیغامِ خدا ہے بالفاظ خدا اور حدیث پاک مضمون خدا ہے بالفاظ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔

مہمات دین و توضیع حدیث پاک۔

حدیث پاک کی تعداد سات لاکھ پچاس ہزار ہے۔ اگر یہاں بھی پیغام خدا بالفاظ خدا ہوتا تو وہ بھی قرآن ہوتا تو کرہ ارضی پر ایک حافظ بھی موجود نہ ہوتا

اور تحریف شروع ہو جاتی۔

تو اس لیے مہمات دین۔ قرآن میں ذکر کر دیں تا کہ امت کے لیے قرآن کا حفظ آسان ہو اور اس کی وضاحت حدیث پاک میں کر دی۔

(۲) یہ کہ پانی پوشیدہ جگہ سے آتا ہے۔ اس طرح وحی کی بارش بھی شروع میں مکہ شریف میں برسی اور بعد میں مدینہ شریف میں برسی اور یہ بارش قلوب کی زمین پر برسی۔

بوبکرؓ و عمرؓ و علیؓ و دیگر صحابہ کرام حضرات کے قلوب پر برسی ان کے قلوب میں جو نیک اعمال کے تخم تھے وہ اُبھر آئے۔

اور دوسری طرف بولہب و ابوجہل وغیرہ پر برسی تو ان کے قلوب میں کفر اور دین الٰہی کی دشمنی کے جو تخم تھے وہ نکلے۔ بصورت جنگ بدر و احد۔

اگر قرآن کی وحی نازل نہ ہوتی تو ان کا پتہ کیسے چلتا؟

(۳) تیسرا یہ کہ پانی کا میلان پستی کی طرف ہوتا ہے۔ تو معلوم ہو گیا کہ قلوب کی زمین کی سطح میں فرق ہے۔ کوئی بلند ہیں جیسے غرور اور تکبر والے کا قلب۔ کہ جس طرح اونچی جگہ پر پانی اثر نہیں کرتا اسی طرح تکبر بھرے قلب پر وحی بھی اثر نہیں کرتی۔ اور جو قلب متواضع ہو، پست ہو تو وحی الٰہی اس پر اثر انداز ہوتی ہے۔

حدیث قدسی ہے۔ انا عند المنکسرۃ قلوبھم۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندوں کو پیغام دے دو کہ میں ان دلوں میں پہنچ جاتا ہوں جہاں تواضع ہو۔

(۴) پانی آگ کا دشمن ہے۔ شریعت کے خلاف جو خواہشاتِ نفسانی ہیں سب آگ ہیں۔

شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں کہ ہر گناہ آگ ہے اور آتشی مواد کو جہنم میں جمع کر دیا گیا۔ وحی الٰہی اس آگ کے لیے پانی کا کام دیتی ہے۔ انسان شریعت کی پیروی کر کے آدم جہنم کی آگ سے بچ سکتا ہے۔

(۵) پانی نرمی پیدا کرتا ہے۔ اور وحی الٰہی کا بھی یہی اثر ہے۔ ثم تلین جلودھم و قلوبھم الیٰ ذکر اللہ۔ کہ پھر مسلمانوں کی کھالیں اور قلوب قرآن سننے سے نرم پڑ جاتے ہیں۔ جب قاری قرآن سناتا ہے تو مطلب سمجھیں یا نہ سمجھیں مگر دل پر اثر انداز ہوتا ہے۔ دل نرم ہو جاتا ہے۔ (تو پانی اور وحی الٰہی میں عملی مناسبت ہے)

(۱۸۷) متعلقاتِ بارش!

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بعثت کی وجہ سے قرآن کی بارش ہوئی ہر بارش کے ساتھ کچھ متعلق چیزیں ہوتی ہیں۔

منافقوں کے متعلق قرآن کی بارش سے چار چیزیں نازل ہوئیں۔ ظلمٰت، رعد، برق، صواعق۔ ان میں دو چیزیں تو صیغہ جمع میں لائی گئیں ظلمٰت اور صواعق اور رعد و برق صیغہ واحد میں لائے گئے۔ یہ جمع اور واحد کے صیغے لانے کا حکم بعد میں بیان ہوگا۔ لیکن یہ تعین کرنا پڑے گا کہ ظاہری بارش کے ساتھ یہ چیزیں روزمرہ مشاہدہ میں آتی ہیں۔ تاریکیاں بھی اور مابعد آیت کے فقرے رات کی بارش ہونے کے متعلق اشارہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ رات میں چلنا بجلی پر موقوف ہے۔

رات کی بارش میں تاریکیاں!

رات کی بارش میں تین تاریکیاں ہوتی ہیں۔

(۱) بارش کی ظلمت یعنی تاریکی، (۲) رات کی تاریکی، (۳) اجتماعِ قطرات کی تاریکی۔

یہ تجربہ میں آیا ہے کہ اگر زور سے بارش ٹپکنے لگے تو تاریکی زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس لیے ظلمٰت جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔ کائنات میں سب کی زندگی بارش سے وابستہ ہے۔ وھو الذی ینشر رحمتہ۔ قرآن میں متعدد جگہ بارش کو رحمت بیان کیا گیا ہے۔

وحی کی بارش کا برسنا!

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سینہ مبارک سے اللہ تعالیٰ کی وحی کی بارش برسی اس بارش سے منافقوں کے آگے کئی قسم کے ظلمات آ گئے۔ کئی قسم کی تاریکیاں آ گئیں۔

(۱) تاریکی حب النفس۔ کہ اپنی ذات سے محبت کی تاریکی آ گئی۔

(۲) حب المال۔ کہ مال و دولت کی تاریکی آ گئی۔

(۳) حب الجاہ۔ کہ عزت اور نام آوری کی محبت کی تاریکی آ گئی۔ یہ تین قسم کی تاریکیاں ان کے سامنے آ گئیں۔

اگر ہم قرآن کی بارش سے نفع اٹھاتے ہیں تو ہمارے راستے سے یہ تینوں تاریکیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

(۱۸۸) حب المال! یعنی مال کی محبت۔

اسلام کے دائرے میں آنے کے بعد مال بھی قربان کرنا پڑتا ہے۔

تو اسلام قبول کرنے کے بعد۔ عشر و زکوٰۃ، جانور، اور زمین کی پیداوار

زکوٰۃ دینی پڑے گی۔ یہ چیز یعنی حب المال ان کے لیے رکاوٹ بنی۔

(۱۸۹) حب الجاہ! یعنی شہرت کی محبت۔

کبھی انسان نام نہاد عزت کو بڑی چیز سمجھنے لگتا ہے۔ اس کے لیے وہ حق

محروم ہو جاتا ہے۔

جس طرح عبداللہ بن ابی منافقوں کے سردار کا حال ہوا۔

(۱۹۰) رعد! گرج کو کہتے ہیں۔ رعد معنی خوف۔

جس طرح آسمانی بارش کے اندر گرج ہے تو اسی طرح وحی الٰہی کی بارش

منافقوں کو گرج معلوم ہوئی۔ اور وہ اس سے ڈر گئے۔ خوفزدہ ہو گئے۔

(۱) مثلاً جہاد کے خوف سے ڈر گئے۔ کیونکہ اس میں جان پر کھیلنا پڑتا ہے

اس خوف نے انہیں اسلام سے روکا۔

(۲) یعنی مفسرین کا خیال ہے کہ منافقوں کے لیے ایک اور بھی رعد تھا۔ وہ

منافقوں کو یہ خوف تھا کہ بذریعہ وحی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو یہ بتا

جائے کہ فلاں فلاں منافق ہے مسلمان نہیں۔ یہ ان کے لیے رعد ہے۔

شان رب العالمین!

اللہ تعالیٰ کی شان تو دیکھو کہ جب تک قیامت نہ آئے پردہ رکھتا ہے۔ قرآ

میں منافقوں کا اکثر جگہ ذکر ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ذکر عام کیا ہے کہ کسی کا نام

لیکر تخصیص نہیں کی۔ تو اس سے علماء کرام کو یہ سبق ملتا ہے کہ جب منہیات و

مامورات کی تبلیغ کریں تو شخصی تعین نہ ہو۔ تعمیم ہو۔ شخصی تعین سے ضد بڑھ کر

تبلیغ بے اثر بن جاتی ہے۔

(۱۹۱) برق! یعنی بجلی۔

بارش میں بھی بجلی ہوتی ہے۔ جب یہ چمکتی ہے تو راہ کھل جاتی ہے۔

تو وحی الٰہی کی بارش میں کبھی قرآنی دلیل ایسی آجاتی تھی کہ منافقین کے دل کو

معلوم ہوتی تھی۔ تو پھر کہتے کہ یہ درست ہے۔ **کلما اضاء الھم مشوا فیہ۔**

چمک آجاتی تو چلتے تھے۔ **واذا اظلم علیھم قاموا۔** اور جب محبت دنیا و خودغرضی

تو رک جاتے تھے۔

یا برق سے مالی مفاد مراد ہے!

کہ جب دیکھتے تھے کہ جہاد میں مسلمان کو کتنا زیادہ مال غنیمت ملا ہے کہ

مسلمان امیر بن جائیں گے۔ تو اس خواہش کو برق کہا گیا ہے۔ مگر خودغرضی یہ آجاتی کہ

اگر جہاد میں مر گئے تو پھر کیا رہا۔ یہ رکاوٹ تھی۔

(۱۹۲) صواعق!

یجعلون اصابعھم من الصواق حذر الموت۔ یہ لوگ کان میں انگلی

ڈال کر بند کر لیتے تھے تاکہ قرآن نہ سنیں۔ اگر واقعی یہ کان میں انگلی ڈال لیتے تھے۔ تو یہ

درست ہے۔ ورنہ یہ ہے کہ قرآن نہ سنتے تھے اور نہ اس پر عمل کرتے تھے۔ تو گویا کان

میں انگلی ڈالے ہوئے بن گئے۔

شیخ بوعلی سینا!

شیخ بوعلی سینا نے لکھا ہے کہ اشرفیوں سے بھرا ہوا ایک ریشم کا تھیلا تھا آسمان سے ایک کڑک پڑی کہ اشرفیاں تو خاک بن گئیں مگر ریشم کا تھیلا محفوظ پڑا رہا۔ تو معلوم ہوا کہ کڑک سخت چیز پر اثر انداز ہوتی ہے نرم پر نہیں ہوتی۔

(نکتہ) تو اس سے ایک نکتہ یہ پیدا ہوا کہ موت ایک کڑک ہے۔ دل جب سخت ہو جاتا ہے تو موت کا خوف پیدا ہوتا ہے اور جب دل نرم ہوتا ہے تو پھر موت کا خوف نہیں ہوتا۔ اس لیے حذر الموت لایا گیا۔

(۱۹۳) قرآنی وحی کی بارش کے تاثرات!

جب قرآن اور وحی الٰہی کی بارش ہوئی تو مومنین نے تو بارش کو لیا مگر منافقوں نے۔ تاریکی، گرج، چمک، کڑک کو لیا۔

(۱۹۴) بارش کے پہلو!

بارش کے دو پہلو ہوتے ہیں۔

(۱) بارش سے آبادی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ زمیندار بہت فائدہ اٹھاتے ہیں۔ گرج اور چمک وغیرہ تو چند منٹ کے لیے ہوتی ہے۔ تو تکلیف تھوڑی اور فائدہ زیادہ۔

تو اللہ تعالیٰ یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ اگر دین کے کاموں میں کچھ تکلیف ہو تو اسے بارش کی طرح تصور کرو۔ اس لیے بارش کو بارانِ رحمت کہا جاتا ہے۔

(۱۹۵) قرآن کی بارش!

قرآن اور وحی الٰہی کی بارش ذات معلّٰی کی طرف سے ہوئی اس لیے اس کے فوائد لامحدود ہیں۔ مگر کچھ نہ کچھ تکلیف تو ہوگی۔ مثلاً سردیوں میں نماز کے لیے وضو کرنا۔ اور نماز کی روزانہ پابندی اور حج و دیگر امور وغیرہ۔

(۱۹۶) شبہ کا ازالہ!

او کصیب من السماء۔ سماء کا لفظ استعمال ہوا ہے کہ زوردار بارش جو آسمان سے نازل ہو۔ تو شبہ یہ پیدا ہوا کہ بارش تو بادل سے ہوتی ہے نہ کہ آسمان سے۔ عربی میں سماء کا لفظ آسمان اور بلند چیز پر بولا جاتا ہے۔

ابو منصور ثعلبیؒ کی فقہ اللغات میں ہے کہ جو چیز اونچی ہو وہ سماء ہے۔

(قرآن) خود قرآن نے بیان کیا ہے۔ فلیمدد بسبب السماء ثم لیقطع۔ کہ جس کا دل اس لیے جلتا ہے کہ مسلمان کو امداد کیوں ملتی ہے تو وہ چھت سے رسی باندھ کر خودکشی کر لے تو پھر بھی یہ امداد نہ ٹلے گی۔ تو بادل کا لفظ تو خود قرآن نے بھی لیا ہے۔

(۱۹۷) سائنسدان اور بادل!

اب تو سائنسدان بھی حیران ہیں کہ بادل کس طرح بن جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے شعاعوں والے کلیے تو اب محض خیال تصور کرتے ہیں۔

قاضی بیضاویؒ لکھتے ہیں کہ بادل اگر ہلکا ہو تو اسے اوپر چڑھنا چاہیے اور اگر وزنی ہو تو اسے نیچے آنا چاہیے۔ لیکن کسی خاص ہستی جو اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے اس

نے اسے زمین و آسمان کے درمیان لٹکا رکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری کاروائی ملکی نظام سے ہے۔

(۱۹۸) فرشتوں کے آلات!

درمنثور میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بادلوں کے نظام میں فرشتے مقرر کر رکھے ہیں۔ تو اس سلسلے میں فرشتوں کو آلات کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً بگھی کا کوچوان گھوڑے کو کسی وقت کوڑا مارتا ہے اور کسی وقت آواز دیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو ایک چابک دے رکھا ہے جب مارتے ہیں تو اس سے بجلی پیدا ہوتی ہے اور جب آواز دیتے ہیں تو گرج پیدا ہوتی ہے۔ اور جب چابک سے بجلی کا ٹکڑا ٹوٹ پڑا تو گر پڑتی ہے۔

(۱۹۹) نایاب کتاب!

میدانیؒ ایک عالم گذرے ہیں انہوں نے (ضرب القرآن) پر ایک کتاب لکھی یعنی قرآن کی مثال پر کتاب۔ جو آجکل نایاب ہے۔

میں نے جو کچھ بیان کیا ہے یہ متحدہ ہندوستان کی مطبوعہ تفاسیر سے نہیں کیا بلکہ مکہ شریف میں میدانیؒ کے حوالہ سے دیکھی تھیں۔

دوسری قلمی کتاب (تفسیر) حدائق ذات بھجہ جو مکہ شریف کی لائبریری میں پڑی ہے جو سات جلدوں پر مشتمل تھی جبکہ ایک جلد ہزار صفحہ کی تھی۔ صرف بسم اللہ پر پچیس جلدیں تھیں۔ اس کے مصنف عبدالسلام قزوینیؒ ہیں۔ یہ مقام قزوین ترکی اور ایران کی سرحد پر ہے۔ دیکھو سات سو جلدیں قلمی تحریر ہوئی پڑی ہیں۔

یہ ہمارے زمانے کے مصنف کی طرح نہیں تھے جو آج صرف اردو جانتا ہے اور قلم اٹھا کر پچھلے بزرگوں کو گالی دینا شروع کر دیتا ہے۔ ایسی لکھی گئی تمام تفاسیر شیطان کی تفاسیر ہیں۔

(۲۰۰) تعلیم اسلام!

اسلام کی پوری تعلیم یہ ہے کہ عیاش کے لیے نہ دنیا ہے نہ آخرت اور طوفان [illegible] والا اور تکلیف برداشت کرنے والا دنیا بھی لے لیتا ہے اور آخرت بھی پالیتا

اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لیے کچھ تکلیف رکھی ہے تاکہ عیش و عشرت [illegible] بلکہ تکلیف کا مادہ پیدا ہو اور مسلمان مجاہد بنے۔ مگر آج ہم پوڈر اور کریم وغیرہ لگا [illegible] کی بننا چاہتے ہیں۔

عارفؒ کے شعر کا معنی ہے۔ کہ اے اللہ تو نے روح کے بازار میں آخرت کی [illegible] ہے۔ اور تو نے ہر موتی کو تکلیف کی جیب میں رکھا ہے۔

(۲۰۱) فرمان حضرت فاروق اعظمؓ!

یا معاشر العلماء اکتسبوا ولا تکونوا کلا علی الناس فان [illegible] الفضة لا ینصبان من السماء۔

(ترجمہ) اے جماعت علماء کی تم روزی کمایا کرو اور لوگوں پر بوجھ نہ بنے [illegible] سونا چاندی آسمان سے نہیں برستے۔ (سیرت عمرین) علامہ ابن جوزیؒ۔

(۲۰۲) حرکت طبعی وارادی؟!

بارش کے متعلق فلاسفروں کا قول ہے کہ سورج کی شعائیں سمندر وغیرہ پر [illegible] ہیں تو اس سے بارش بنتی ہے۔ اب ایک بنیادی چیز بیان کرتا ہوں تاکہ ہم ہمیشہ [illegible] لیے شریعت اور فلسفہ کی ٹکر سے محفوظ ہو جائیں۔

سنو! جب ایک کام طبعی یا مادی طریقے پر ہو تو اس میں اختلاف نہیں ہوتا۔ مثلاً پانی کا طبعی طریقہ ہے کہ وہ اونچی جگہ سے پستی کی طرف بہتا ہے۔ اور آگ کی طبعی کیفیت ہے کہ وہ اوپر کو چڑھتی ہے۔ تو طبعی تقاضاؤں میں یکسانیت ہوتی ہے۔ مگر انسان کا کام طبعی کیفیت کے تحت نہیں بلکہ ارادہ کے تحت ہے۔ جب پستی کا ارادہ کیا تو پستی میں چلا گیا اور جب بلندی کا ارادہ کیا تو بلندی پر چڑھ گئے۔ تو اب یہ دیکھیں گے کہ بارش میں یکسانیت ہے تو پھر سائنس کا قول مانیں گے اور اگر یکسانیت نہیں تو پھر کہیں گے کہ یہ کام کسی قہار و جبار کے حکم کے تحت ہے۔

مثلاً دیکھو کہ کبھی بادل اوپر جا رہا ہوتا ہے اور کبھی نیچے آ رہا ہوتا ہے۔ اور کبھی شمال سے جنوب اور کبھی جنوب سے شمال وغیرہ کو پھرتا رہتا ہے۔ اسی طرح کسی میں گرج چمک ہوتی ہے اور کسی میں نہیں۔ پھر بارش کو دیکھو کبھی کم اور کبھی زیادہ اور کبھی ہوتی بھی نہیں۔ اگر یہ طبعی چیز ہوتی تو اس میں کچھ کم و بیشی ہے۔ تو معلوم ہو گیا کہ کاروائی طبیعت کے ماتحت نہیں بلکہ مشیت اور کسی کے ارادہ کے تحت ہے۔

درمنثور میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بادلوں کے نظام میں فرشتے مقرر کر رکھے ہیں تو اس سلسلہ میں فرشتوں کو آلات کی ضرورت ہے۔ جس طرح کوچوان کبھی لکڑی مارتا ہے اور کبھی آواز دیتا ہے۔ تو فرشتوں کو ایک چابک دیا گیا ہے جب مارتے ہیں تو بجلی پیدا ہوتی ہے اور جب آواز دیتے ہیں تو گرج پیدا ہوتی ہے اور چابک سے بجلی کڑاٹوٹ پڑا تو گر پڑتی ہے۔ ملکی نظام بہت مضبوط نظام ہے۔

(۲۰۳) عظمتِ قرآن پاک!

آج بڑے بڑے علماء قرآن پڑھانا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم تو معقولات وغیرہ کی بڑی بڑی کتابیں پڑھاتے ہیں۔ کیا خدا کے قرآن سے اوپر بھی کوئی کتاب ہے؟

(۱) حضرت معین الدین اجمیریؒ وظائف کم پڑھتے تھے اور لاہور کے بچوں کو قرآن پڑھایا کرتے تھے۔

(۲) شاہجہانؒ جیل میں بچوں کو قرآن پڑھاتا تھا۔

(۳) حجاج گورنر جیسا ظالم کسی پیغمبرؑ کی امت میں نہیں گذرا۔ یہ صبح کے وقت کچھ دیر محلے کے بچوں کو قرآن پڑھاتا تھا اور پھر لطف یہ کہ پیدل چل کر جاتا تھا۔

(۴) خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم قرآن شریف پڑھاتے تھے۔ یتلوا علیهم آیاته۔

حدیث شریف:۔ اشد الناس عذاباً یوم القیمة عالم لم ینفعه علمه۔

ترجمہ:۔ قیامت میں سب سے زیادہ عذاب اس عالم کو ہوگا جس کے علم نے اسے نفع نہ دیا ہو۔

(۲۰۴) منافق قیامت کے دن منہ کے بل چلیں گے!

ونحشرهم یوم القیمة علی وجوههم عمیا وبکما و صما۔

قیامت کے دن ایسے لوگوں کو منہ کے بل چلائیں گے۔ معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ دنیا میں

قرآن کے خلاف الٹے چلتے تھے۔یعنی ان لوگوں نے باطل کو اوپر اور حق کو نیچے رکھا تو آج ہم بھی انہیں الٹا چلائیں گے۔

اس آیت کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہؓ نے پوچھا کہ سر کے بل کس طرح چلیں گے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا جو خدا پاؤں کے بل چلا سکتا ہے وہ سر کے بل بھی چلا سکتا ہے۔

(۲۰۵) عزت کا مدار دین پر ہے!

ان العزة لله ولرسوله و للمومنين ۔یقیناً عزت اللہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور مومنین کے لیے ہے۔

فرعون، نمرود اور شداد کے پاس مال تھا مگر اللہ تعالیٰ کے قہر میں تھے۔اور حضرت بلالؓ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزیز تھے مگر ان کے پاس مال نہ تھا۔تو عزت کا دارو مدار مال پر نہیں دین پر ہے۔

(۲۰۶) اسلام کا نچوڑ!

الف، لام، م سے یاایھاالناس اعبدو تک مکلفین یا اولاد آدم کی تین قسمیں بیان ہوئی ہیں۔متقین، کافرین، منافقین۔مکلفین کے بعد احکام متکلفہ بیان ہوئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔توحید فی العبادت، نبوت، آخرت۔کل تین ہوئے۔

(۱) توحید جو یاایھا الناس اعبدو سے تعلمون تک بیان ہوئی ہے۔

(۲) وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا سے نبوت کا بیان ہے۔

(۳) فان لم تفعلوا ولن تفعلوا سے کلما رزقوا تک آخرت کا بیان ہے۔

گویا یہاں تک سارے اسلام کا نچوڑ بیان کیا گیا ہے۔یہ قرآن کا اپنا ایک نرالا انداز ہے۔

(۲۰۷) لیلۃ القدر!

حضرت علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ اس سورۃ میں لیلۃ القدر کا لفظ تین مرتبہ آیا ہے اور لیلۃ القدر میں ۹ حروف ہیں اور ۹ کو ۳ سے ضرب دیں تو ۲۷ بنتے ہیں۔تو اس لحاظ سے ۲۷ کی شب۔شب قدر بنتی ہے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جبرئیل کا اس دنیا میں آنا بند ہو گیا مگر اس رات کو آتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں نور بھرتے ہیں اور یہ برکات صبح تک رہتے ہیں۔

(۲۰۸) یا ایھا الناس اعبدو!

یہاں تک قرآن نے غائبانہ انداز میں کلام کیا ہے مگر یاایھاالناس اعبدو سے رب تعالیٰ آمنے سامنے کلام فرما کر عبادت کی اہمیت بیان کر رہے ہیں تاکہ کہیں انسان عبادت میں غفلت نہ کر بیٹھے۔

لفظ بھی الناس فرمایا بنی آدم نہیں فرمایا۔

عربی میں الناس کے دو معنی نکلتے ہیں (۱) انس سے ماخوذ ہے۔(۲) نسیان سے مشتق ہے۔

تو الناس فرما کر یہ بیان کیا کہ یہ انس اور الفت سے مشتق ہے۔تمہاری فطرت الفت اور محبت رکھتی ہے۔اور فطری تقاضا یہ ہے کہ جس سے زیادہ نعمت ملے اس سے محبت زیادہ ہونی چاہیے۔تو سب سے زیادہ نعمتیں دینے والا اللہ تعالیٰ کی ذات

اقدس ہے۔تو جو زیادہ محبوب ہو اس کے حکم کی سب سے زیادہ تعمیل کی جاتی ہے۔

(النساس کا دوسرا پہلو) نسیان کا ہے۔یعنی بھول یہ بھی انسان کی فطرت میں داخل ہے۔

(الانسان مرکب من الخطاء والنسیان) تو الناس فرما کر بھول کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اے انسان تیری فطرت میں بھول تو ہے لیکن تو عبادت کو نہ بھولنا۔

(۲۰۹) فلسفہ اور شرعی اعتبار سے زمین گول ہے!

اگر زمین گول نہ ہوتی تو طلوعات اور غروبات میں فرق نہ ہوتا جہاں سورج پوری دنیا میں نکلتا۔مگر ایسا نہیں ہے۔

(۲۱۰) مسئلہ وراثت!

وراثت کے مسئلہ سے وضاحت کرتا ہوں۔(فتح العزیز) میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر ایک بھائی چین اور دوسرا اندلس میں رہتا ہو تو چین مشرق اور اندلس مغرب کے قریب ہے۔دونوں کا مقام الگ الگ ہے۔اب دونوں عین طلوع آفتاب کے وقت مر گئے۔ظاہری طور پر تو دونوں ایک ہی وقت میں مرے ہیں۔تو اس صورت میں دونوں ایک دوسرے کے وارث نہیں بنتے ہیں۔اگر آگے پیچھے مریں تو پھر وارث ہیں۔تو حضرات فقہاء کرام اس بات پر متفق ہیں چین والا بھائی پہلے مرا اور اندلس والا بعد میں مرا تو اندلس والا وارث بنا۔کیونکہ چین میں سورج پہلے نکلا۔

(۲۱۱) بلغار میں چار نمازیں ہیں!

بلغار ایک علاقہ ہے وہاں جب سورج ڈوب جاتا ہے تو چند منٹ کے

اثرات کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں تو فقہاء لکھتے ہیں کہ وہاں عشاء کی نماز نہیں کیونکہ وہاں عشاء کا وقت ہی نہیں۔

(۲۱۲) نہ روزہ نہ نماز!

پوری اولاد آدم دنیا کے شمالی حصے پر آباد ہے (یہ ہے پوری دنیا) تو جو خط استواء انڈونیشیاء سے گذرتا ہے اس سے شمال جانب میں ۹۰ درجہ پر قطب کے قریب چھے ماہ رات اور چھے ماہ دن ہے آدمی ۶۶ درجہ پر رہ سکتا ہے۔

اگر آدمی اس سے آگے چلا جائے تو ٹھنڈ کی وجہ سے مر جائے۔

(۱) تو فقہاء کرام کا ایک قول ہے درمختار ردالمحتار میں کہ اس جگہ پر نہ روزہ ہے اور نہ نماز ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ عام ملکوں کی پابندی کرے۔گھنٹوں کا حساب بنا کر نماز اور روزہ ادا کرے۔

حضرات فقہاء کرام نے دیکھا کہ یہاں آدمی جا تو نہیں سکتا فرض کرو کہ اگر کوئی مشین کے ذریعے وہاں پہنچ جائے تو مسئلہ واضح ہو۔مگر آج کل جو لوگ اردو بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے وہ فقہاء کرام پر معترض ہیں۔

(۲۱۳) روح اور بدن کا تعلق!

انسان بحیثیت کل اس وقت ترقی کرے گا جب اس کی روح اور بدن دونوں جز اعلیٰ و عمدہ ہوں۔بلکہ روح کا اعلیٰ اور کامل ہونا بہت ضروری ہے ورنہ تو پھر بہت نقص ہے۔

مثلاً موٹر کار تو عمدہ ہو مگر اسے چلانے والا ڈرائیور اناڑی اور ناقص ہو
تباہی کا باعث بنے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا کی باگ ڈور ان ہاتھوں میں ہے
روح ناقص ہے۔ اس لیے پوری دنیا میں فساد برپا کر رکھا ہے۔ آج دنیا ترقی
ہے مگر ان کی روحیں ناقص ہیں۔ تو ان ناپاک روحوں کے بارے میں حضرت
رومؒ نے آٹھ سو سال پہلے فرمایا ہے۔

بدگہر را علم و فن آموختن دادن تیغ است بدست راہ

معنی:۔ بدفطرت اور ناقص روح والے کو علم و فن کی تعلیم دینا ایسے ہے جیسے ڈاکو
کے ہاتھ میں تلوار دیدینا۔

(۲۱۴) زمین کا کل وجود!

زمین کا قطر سات ہزار نو سو میل ہے اور پوری زمین تقریباً ۲۴ سو ہزار
ہے۔ امریکہ اور یورپ اتنی تنگ زمین کے لیے انسانیت کو تباہ کر رہے ہیں کیا ان
روحیں ناقص نہیں؟

(۲۱۵) سورج کا حجم!

سورج اتنا بڑا ہے کہ ہماری زمین جیسی ۱۳ لاکھ زمینیں اس کے پیٹ
آسکتی ہیں۔

ستاروں کی ایک دنیا ایسی ہے جس میں ایک ستارہ کے سامنے سورج
حیثیت ایسے ہے جیسے پورے ریگستان میں ریت کے ایک ذرہ کی حیثیت

وما یعلم جنود ربک الاھو۔ اللہ ہی اپنے لشکر کو جانتا ہے۔

(۲۱۶) یورپ اور امریکہ کی مثال!

یورپ اور امریکہ کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے بکری پال رکھی تھی اور
اس کے پاس ہی ایک گھڑا رکھا ہوا تھا یہ گھڑا تاریخ کو ایک مینگنی اس میں ڈال دیتا یہ روزانہ کا
معمول تھا جب کوئی اس سے تاریخ پوچھتا تو مینگنیاں شمار کر کے بتا دیتا آج فلاں تاریخ
ہے۔ ایک دن بکری نے آنکھ بچا کر گھڑے میں مینگنیاں کر دیں۔ جب کسی نے تاریخ
پوچھی تو گن کر کہتا ہے آج ۳۵ تاریخ ہے۔ اس نے کہا ۳۵ کیسے؟ جواب دیتا ہے
خاموش رہو اگر پوری تاریخ بتا دی تو وہ تو ۶۵ سے بھی زیادہ بنتی ہے۔

(۲۱۷) زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا گیا!

الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناء۔ خدا تعالیٰ وہ ذات
اقدس ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے فرش کی طرح اور آسمان کو چھت کی طرح
بنایا۔

قرآن کا بیان اس طرح ہے کہ جہاں آسمان و زمین کی پیدائش کا تذکرہ ہوتا
ہے تو آسمان کا لفظ پہلے آتا ہے لیکن اس جگہ زمین کا ذکر پہلے کیا ہے۔

غالباً حکمت یہ ہے (کہ ہر متکلم کے کلام کا ہر موقعہ پر الگ مقصد ہوتا ہے)
تو اللہ تعالیٰ کا مقصد بھی ہر موقعہ پر الگ الگ ہوتا ہے۔ تو جہاں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا
اظہار کرتا ہے تو وہاں آسمان کا لفظ پہلے لاتا ہے۔

اور جہاں احسان اور فیض نعمت کا ذکر ہو تو وہاں زمین کا ذکر پہلے لاتا ہے کیونکہ انسان کو زمین سے زیادہ نعمتیں حاصل ہیں۔

(۲۱۸) زمین و آسمان کسی سیٹھ کی ملکیت نہیں!

زمین و آسمان کسی سیٹھ کی ملکیت نہیں بلکہ کل اقوام عالم کا حق ہے۔

(۱) کیونکہ یا ایھا الناس ۔ناس کا لفظ آیا ہے۔نہ کسی مسلم یا کسی دیگر قوم کی خصوصیت کا ذکر ہے۔الناس کا لفظ لے کر سب کے لیے عمومیت کی۔کسی خاص چوہدری یا امراء کے لیے نہیں۔دیگر آیات سے واضح کرتا ہوں۔

(۲) وجعلنا لکم فیھا معایش: ۔کہ ہم نے تم سب کے لیے اس زمین میں معیشت رکھی۔

(۳) ولکم فی الارض مستقر و متاع الی حین۔تم سب نے زمین میں رہنا ہے اور تم سب کے لیے زندگی بسر کرنے کے لیے سامان مہیا کر دیا ہے۔

(۴) وقدر فیھا اقواتھا: ۔کہ ہم نے اس زمین میں تمام جانوروں کے لیے روزی رکھی ہے۔

مگر یہ امراء کیوں ٹھیکے دار بنتے ہیں۔غریب کا حق کیوں مارتے ہیں۔

(۲۱۹) اسلام غریب نواز مذہب ہے!

یہ مضمون تو بہت طویل ہے مگر یہاں اختصار سے ذکر کرتا ہوں۔معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی صرف غریب پر نظر ہے۔

(۱) حضرت امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ زمین کا وہ حصہ جو کسی کی شخصی ملکیت نہ ہو۔بنجر پڑی ہوا سے جو کاشت کرے وہ اس کا حق ہے۔

(۲) حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں حکومت سے پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں۔

(۳) مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حکومت سے پوچھے اور حکومت کو چاہیے کہ وہ اسے ضرور اجازت دے۔

(۴) زمین کے اندر جو کانیں ہیں۔پٹرول، سونا اور چاندی وغیرہ یہ سب کا حق ہے مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی میں حکومت کو پانچواں حصہ دینا پڑے گا۔

(۵) فضائی اور جنگل کے جتنے شکار ہیں وہ کسی صاحب کے لیے مختص نہیں وہ سب کے لیے برابر ہیں۔گورنمنٹ شکار کرنا بند نہیں کر سکتی۔اسلام میں شکار ٹھیکے پر دینا حکومت کے لیے جائز نہیں۔

(۶) کتاب الخراج میں ہے کہ زمین کی پیداوار سے جو ٹھیکہ اور آبیانہ وغیرہ لیا جائے وہ سب کا سب غریب کا حق ہے۔کیا اس پر عمل ہو رہا ہے؟ کبھی نہیں ہوا۔

(۲۲۰) سود خور کے لیے سخت سزا کا اعلان!

قرآن نے سود خور کے لیے باقی مجرموں کے مقابلے میں سخت اعلان کیا

ہے۔فأذنوا بحرب من اللہ و رسولہ۔کہ اگر تم سود سے باز نہ آئے تو میرا اور میرے (رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کا اعلان جنگ ہے۔

ہم سوچتے تھے کہ اللہ کی طرف سے اعلان جنگ کا کیسے ظہور ہوگا؟ آخرت میں تو ہوگا مگر دنیا میں کیسے ہوگا؟

مناظر احسن گیلانی نے (اسلامی معاشیات) نامی کتاب لکھی ہے۔اس میں یورپ کا حال لکھا ہے کہ موجودہ جنگیں ہوئی ہیں یہ سودی کاروبار کی وجہ سے ہوئی ہیں۔ کہ لڑائی جب ہوتی ہے کہ سامانِ جنگ ہو۔اور سامانِ جنگ تب ہوتا ہے جب دولت ہو۔اور دولت سود خوری سے بڑھتی ہے۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا جو اعلان جنگ ہے! تو جنگ کے لیے فرشتے تو اوپر سے نہ اتریں گے۔ بلکہ اس سود کی دولت سے تم بم بنا کر خود اپنی گردن کاٹو گے۔

جنگ عظیم میں سود کی وجہ سے جو بم بنے ان سے چودہ کروڑ انسان تباہ ہوئے۔نہ جانے آگے کیا ہوگا۔

(۲۲۱) ہندو سود خور کا دلچسپ واقعہ!

حضرت تھانویؒ قصہ سنایا کرتے تھے۔کہ ایک لاکھ پتی ہندو بیمار ہوا۔کئی دن گذر گئے اس نے علاج نہیں کیا۔آخر لوگ اسے کہنے لگے کہ لالہ جی غریب بھی علاج کراتے ہیں۔تم کیوں نہیں کراتے۔تو ایک دو مہینے تو اس نے ٹال مٹول کر کے گذار دیئے۔مگر جب لوگوں نے مجبور کیا تو دیکھا کہ آپ کچھ کئے بغیر ان سے جان

چھڑانا مشکل ہے۔تو کہنا لگا میرے علاج پر کتنا پیسہ خرچ ہوگا؟ تو اسے تخمینہ بتایا گیا۔ پھر کہتا ہے کہ مر کر جلایا جائے گا تو کتنا خرچ ہوگا؟ تو اس کا تخمینہ بھی بتایا گیا تو مر جانے میں دو آنہ کم خرچ تھا۔تو جواب دیا کہ مر جانا اچھا ہے۔یہ ہے سود خوری کی لعنت۔

(۲۲۲) سودی نظام سے سیاسی نقصان!

یوں تو یہ نظام مکمل نقصان دہ ہے مگر یہاں صرف سیاسی نقصان کا ذکر کیا جاتا ہے۔اس نظام میں چوری، ڈاکہ، قتل اور دنگا فساد کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

یہ فطری تقاضا ہے کہ جب غریب کی پروانہ کی جائے تو وہ تنگ ہو کر بغاوت کرے گا۔یہ ہڑتالیں، سٹرائیکیں اور یونینیں اس وقت ہوتی ہیں جب کسی کی حق تلفی کی جائے۔اسلامی دور میں یہ چیزیں نہیں تھیں۔

جب نظام غلط ہو تو نتیجہ بھی غلط نکلے گا اور سیاسی حالت بگڑ جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ سودی نظام سے ایک طرف آدھی دنیا بھوکی ہے اور دوسری طرف ۲۳ سو ارب ڈالر کی جوابازی اور ۷۵ سو ارب کی شراب چلتی ہے۔ایک طرف انسان بھوک سے مر رہے ہیں دوسری طرف امراء کے کتے کیک پیسٹریاں وغیرہ کھاتے ہیں۔یہ عیاشی قانون حضرت پیغمبر علیہ السلام کے خلاف ہے۔

(۲۲۳) حب دنیا و کسب دنیا!

(۱) کسب دنیا مقصود ہے اس پر نظام عالم چل رہا ہے۔

(۲) حب دنیا کہ دنیا کی محبت اس قدر غالب آجائے کہ آخرت بھول جائے۔ ایسی محبت کو قرآن وحدیث نے انسانیت کے لیے تباہ کن فرمایا ہے۔

حدیث پاک:۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

حب الدنیا راس کل خطیۃ۔

ترجمہ:۔ ہر برائی کی چیز دنیا کی محبت ہے۔

(۲۲۴) تخلیق آدمؑ اور ظہور عدل!

انسان کی پیدائش سے پہلے پوری دنیا کا ظہور تھا صرف ایک صفت باقی تھی (عدل) تو عدل اس وقت قائم ہوگا جب بے انصافی ہوگی۔ مثلاً مریض ہونگے تو علاج ہوگا۔ اسی طرح جب بے انصافی ہوگی تو اللہ تعالیٰ کا انصاف ظاہر ہوگا۔ اگر زمین پر سب ملائکہ بستے تو نہ عدالت نہ مدعی اور نہ مدعا علیہ ہوتے۔ تو اسی لیے آدمؑ کی تخلیق فرمائی۔

(۲۲۵) رشوت اور عذاب خداوندی!

جس ملک میں رشوت آجائے اس ملک میں عدل وانصاف نہیں رہتا کیونکہ پھر تو انصاف منڈی بن گئی کہ جو بولی زیادہ لگائے گا اسی کے حق میں فیصلہ ہوگا اور جب انصاف ختم ہو جائے تو پھر اللہ کا قہر آتا ہے جو جنگ یا مرض یا قحط کی صورت میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب سب سے زیادہ بے انصافی پر آتا ہے تو رشوت عذاب خداوندی کا سبب بنی۔

(۲۲۶) استفسار ملائکہ و انکار ابلیس!

(۱) اتجعل فیھا من یفسد فیھا۔ ملائکہ نے شبہ پیش کیا کہ ایسے لوگوں کو خلافت دے رہے ہو جو فساد کریں گے۔ یہ اعتراض نہیں بلکہ استفسار ہے

یعنی شبہ دور کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہمیں سمجھ نہیں آتی تو اللہ سے سوال کر کے پوچھ لیں۔

جواب شبہ!

تو اللہ تعالیٰ نے اس پر اجمالی جواب دیا انی اعلم مالا تعلمون۔ کہ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

تم نے دنگا فساد اور خون بہانے کو خلافت میں رکاوٹ سمجھا ہے اور میں جانتا ہوں کہ یہی چیز خلافت بننے کا سبب ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کو (ظہور عدل) مقصود تھا تو اسی لیے تخلیق آدمؑ فرمائی۔

(۲) ابی واستکبر و کان من الکافرین۔ شیطان نے انکار اور تکبر کیا شبہ نہیں کیا۔ یہ ہے استفسار اور انکار میں فرق۔

اسی لیے شیطان راندہ درگاہ ہوا۔

(۲۲۷) سجدہ، قسم اور نذر اور طواف صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے!

یاایھا الناس اعبدو ربکم الذی خلقکم۔ اے لوگو! عبادت کرو تم اپنے رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا وغیرہ۔

توحید فی العبادت کا معنی یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ سے خاص ہو اور کوئی شریک نہ ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معمولی تعظیم مراد نہیں۔ کیونکہ معمولی تعظیم مخلوق کے لیے بھی ہو سکتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی انتہائی تعظیم ہو۔

(۱) مثلاً سجدہ!

مثلاً سجدہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے غیر اللہ کو نہیں ہو سکتا۔

(۲) قسم!

لوگ معاملات میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے ہیں یہ بھی انتہائی تعظیم ہے۔ یہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔

حدیث پاک:۔ من حلف بغیر اللّٰہ فقد اشرک ۔ کہ جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا۔

(۳) نذر!

تیسری چیز نذر و منت ہے۔ آدمی جب مشکلات میں گھر جاتا ہے تو نذر اور منت مانتا ہے۔ تو تمام مذاہب حنفی وغیرہ کا قول ہے کہ نذر خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اس کا ثواب بزرگوں کو پہنچاؤ۔ جتنی مقدس ہستیاں ہو گزری ہیں وہ ساری عمر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے ہیں۔ جو حصن حصین، کتاب الاذکار اور مناجات مقبول میں مذکور ہیں۔

حدیث پاک:۔ وانی لاستغفر اللّٰہ کل یوم مأۃ من ۔ کہ میں ہر روز اپنی بخشش کے لیے سو بار دعا مانگتا ہوں۔

دعائیں وہی کرتا ہے کہ چیز اس کے پاس نہیں کسی اور کے پاس ہے۔ یہ ہے بندگی کی تکمیل کہ ہم اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں۔ جس سے مانگا جاتا ہے چیز اس کی قدرت میں ہوتی ہے۔ تمام حضرات انبیاءؑ، تمام حضرات صحابہ کرامؓ، تمام قطب و غوث

مانگنا صرف اللہ تعالیٰ سے ہی رہا ہے۔

(۴) طواف!

طواف یعنی کسی مقام کا چکر لگانا یہ بھی صرف بیت اللہ شریف کے ساتھ خاص ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے گھر کے علاوہ کسی مقام کا طواف جائز نہیں۔

(۲۲۸) یورپ کی اکثریت بے علم ہے!

ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ کہ یورپ کے اکثر لوگ بے علم ہیں۔ آج لوگ کہتے ہیں کہ یورپ و امریکہ اپنے علم کی وجہ سے دنیا میں ترقی یافتہ ہیں۔ مگر جس وقت قرآن اترا تھا تو اس وقت یورپ اور امریکہ قینچی بنانا نہیں جانتا تھا۔ لیکن خدا تعالیٰ کو تو یورپ و امریکہ کہ ترقی کا علم تھا کہ بم وغیرہ بنائیں گے۔ تو آنے والے زمانے کے لیے قرآن فرماتا ہے۔ یعلمون ظاھرا من الحیوۃ الدنیا وھم عن الآخرۃ ھم غفلون ۔ (ترجمہ) وہ لوگ ظاہری دنیاوی زندگی کا علم رکھتے ہیں اور وہی آخرت سے غافل ہیں۔ تو اس سے معلوم ہو گیا کہ دنیا کے تمام علوم جاننے کے باوجود قرآن نے یورپ اور امریکہ کے لوگوں کو لا یعلمون فرمایا۔ کہ جاہل ہیں۔

(۲۲۹) زیادہ فائدہ والی چیز بہتر ہوتی ہے!

قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ دین کے سلسلے میں کوتاہی اور غفلت برتتے ہیں۔ وھم فی الاخرۃ من الخسرین۔ کہ وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔

نکتہ!

حالانکہ اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی سے دنیا و آخرت دونوں میں نقصان ہوتا ہے۔

مگر اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ دنیا کا فائدہ اور نقصان آخرت کے فائدہ و نقصان کے مقابلے میں بہت کم ہے بہت معمولی ہے۔ اس لیے دنیاوی نقصان آخروی نقصان کے مقابلے میں ذکر کے قابل ہی نہیں۔ والآخرۃ خیر و ابقیٰ۔ کہ آخرت بھلی ہے اور باقی رہنے والی ہے۔

(۲۳۰) کیا حضرت خضرؑ زندہ ہیں کہ نہیں؟!

سب سے پہلے یہ ذکر کردوں کہ حضرت خضرؑ پیغمبر ہیں۔ باقی رہا یہ کہ آپؑ زندہ ہیں کہ نہیں؟ راجح قول یہ ہے کہ آپؑ اپنی زندگی گزار کر وفات پا گئے ہیں۔ تصوف کی کتب میں بعض بعض حضرات ان کی زندگی کے قائل ہیں۔ مگر واذا اخذ اللہ میثاق النبیین۔ کہ میں نے سب نبیوں پیغمبروں سے وعدہ لیا ہے کہ جس کے زمانے میں محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم مبعوث ہوں تو ان پر ایمان لے آئیں۔ اور ان کی امداد کریں۔ تو اگر حضرت خضرؑ زندہ ہوتے تو یقینی بات ہے کہ مدینہ منورہ میں آتے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے بعیت کرتے اور غزوات بھی لڑتے تو ایسا واقعہ نہیں ہوا۔

(۲۳۱) حضرات صوفیاء کرامؒ کا قول بھی برحق ہے؟

مثلاً جو صوفیا کرامؒ حضرت خضرؑ سے اپنی ملاقات کے واقعات سناتے ہیں وہ بھی درست ہیں۔

ایک مرید نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو خط لکھا کہ کیا حضرت الیاسؑ اور حضرت خضرؑ زندہ ہیں کہ نہیں؟ جواب میں فرمایا کہ تحقیق کی گئی مسئلہ واضح نہ ہو سکا اس

اب میں تاخیر ہوئی ہے۔ چنانچہ مراقبہ میں گیا دونوں حضراتؒ کی روحوں سے ہوئی ان سے تمہارا سوال کیا آپ حضرات نے فرمایا کہ ہم اموات میں سے اللہ تعالیٰ ہم سے کوئی کام لینا چاہتا ہے تو ہمیں انسانی شکل میں بھیج کر کام لے تو جو بعض اولیائے کرامؒ آپؑ کی ملاقات کا ذکر کرتے ہیں۔ تو اس واقعہ سے ہی تصدیق ہوگئی۔

(۲۳۲) عقلمند کون ہے؟!

ان فی ذالک لایات لاولی الالباب۔ کہ اس میں عقل والوں کے عبرت و نشانی ہے۔

پورے قرآن شریف میں صرف اسی ایک جگہ پر عقل کی تعریف کا ذکر ہے۔

عقل کے متعلق یہ مسلم مسئلہ ہے کہ کل انسان بے عقل نہیں اور کل انسان عقلمند ہیں۔ کچھ عقلمند ہیں اور کچھ بے عقل۔

اب یہ معلوم کرنا کہ عقلمند کون ہیں اور بے عقل کون ہیں۔ تو اگر ہر شخص فیصلہ کرنے والا بن جائے تو کوئی اپنے آپ کو بے عقل نہیں کہے گا۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے ہاں عقلمند کون ہیں؟

خالق کائنات نے فرمایا عقل والے وہ ہیں الذین یذکرون اللہ قیاما و قعودا۔ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں بیٹھ کر، کھڑے ہو کر اور لیٹ کر۔

(۲) عقلمند کارخانہ کائنات میں فکر کرتے ہیں۔

ویتفکرون فی خلق السموٰت والارض۔ وہ آسمان اور زمین کے

کارخانے میں غور و فکر کرتے ہیں۔

(۳) غور و فکر کا نتیجہ!

ربنا ماخلقت هذا باطلا۔ کہ یا اللہ تو نے کوئی چیز باطل نہیں بنائی۔

(۴) وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون۔ کہ ہم نے انسانوں

جنات کو عبادت کے لیے بنایا ہے۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ جہاں انسان کے لیے، انسان عبادت کے لیے

عبادت جنت و جہنم کے لیے۔

اب اگر عقل کا معیار یہ چیزیں ہیں تو کیا یورپ والے اس میں شامل ہیں؟

(۵) حدیث پاک نے تو وضاحت فرمادی!

ترمذی شریف کی حدیث ہے الكيس من دان نفسه۔ کہ جس کا نفس

میں ہو عقل مند وہی ہے۔

وعمل لما بعد الموت۔ اور آخرت کے لیے عمل کیا۔

والاحمق الذی اتبع نفسه هواها۔ جس نے اپنے نفس کو اپنی خواہ

کے تابع کر دیا وہ احمق ہے۔

وتمنى على الله۔ اور اللہ پر غفور رحیم کی امید باندھی۔ یعنی اس خیال

رہا کہ اللہ بخشنے والا ہے۔

اب اگر کسی نے عقلمند کی تعریف کو بدلا تو سمجھو اس نے اللہ اور اس کے رسول

صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی فرمائی ہوئی تعریف کو جھٹلایا۔

کیا اس تعریف میں یورپ و امریکہ والے عقلمند ہیں؟

(۲۲) وكان الانسان ظلوماً جهولاً!

شبہ!

لوگ عام طور پر اس آیت کا مطلب نہیں جانتے۔ کہتے ہیں کہ

ادھر تو ہے کہ انسان نے اس عہدہ کو قبول کیا اور آگے فرمایا کہ ظالم اور جاہل

تھا؟

ظالم اسے کہتے ہیں کہ اس میں انصاف کی طاقت ہو اور انصاف نہ کرے۔

دیوار ظالم نہیں کیونکہ اس میں عادل بننے کی طاقت نہیں۔

اور جاہل اس کو کہتے ہیں کہ فی الحال عالم نہیں مگر عالم بننا چاہے۔ کہ اس میں

قابلیت علم ہے۔ علم حاصل کر سکتا ہے۔ اس لیے (آدمی) کو جاہل کہا جا سکتا

ہے۔ (دیوار) کو جاہل نہیں کہا جا سکتا۔

بزرگان کا قول ہے کہ فرشتے وہ ہمیشہ عالم و عادل ہیں ان سے ظلم و جہالت

نہیں ہو سکتی۔ تو ایک ایسی ہستی کی ضرورت تھی جو متضاد چیزیں رکھتی ہو۔ اگر عادل بنے

تو عمر بن عبدالعزیز بنے اور اگر ظالم بنے تو حجاج سے بڑھ جائے۔ اور اگر عالم بننا

چاہے تو امام بخاریؒ بن جائے۔

تو معلوم ہو گیا کہ امانت یا عبادت کا حقدار صرف انسان ہے اور وہ اس لیے

کہ اس میں چار صفتیں ہیں۔

(۱) عالم۔ (۲) عادل۔ (۳) جاہل۔ (۴) ظالم۔

تو اب جا کر اس آیت کا مفہوم واضح ہوا کہ صرف انسان ہی اس امانت کے اٹھانے کی اہلیت رکھتا تھا۔ اس نے بوجھ اٹھایا۔ انسان کو اس بوجھ سے فائدہ بھی ہے اور جہنم والا خطرہ بھی ہے۔

(۲۳۴) بدعت کی تعریف!

بدیع السموت و الارض۔ کہ خدا تعالیٰ نے زمین و آسمان کو بنایا۔

یعنی جس وقت بنایا اس وقت آسمان و زمین کا نمونہ نہ تھا۔

اس لیے علماء نے بیان کیا بدعت یہ ہے کہ ایسی نیکی (یعنی عبادت) جائے جو حضرات صحابہ کرامؓ کے وقت نہ تھی۔

احداث طاعۃ لم توجد فی القرون الاولیٰ۔ یعنی ایسی نیکی کہ خیر القرون میں نہ تھی۔ یہ ہے بدعت کی تعریف۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں من احدث طاعۃ لم تحد قبل۔ جس نے ایسی نیکی بنائی جو پہلے نہ تھی۔ آگے فرماتے ہیں فقد زعم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم خان اللہ۔ ایسے شخص نے یہ معنی لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے خیانت کی ہے (کہ معاذ اللہ پیغمبر علیہ السلام معاذ اللہ غدار کہا) کہ پیغمبر علیہ السلام نے اللہ کی دی ہوئی پوری نیکیاں امت کو نہ پہنچائیں۔

(۲۳۵) بدعت دھوکہ دہ گناہ ہے!

علماء نے لکھا ہے کہ بدعت بظاہر تو معمولی چیز معلوم ہوتی ہے مگر وہ اتنی بری ہے کہ اس سے تو انسان کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔

کیونکہ انسان تو اسے گناہ سمجھتا ہی نہیں بلکہ نیکی سمجھتا ہے۔ قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا۔ اعلان کرو کہ میں ان لوگوں کے متعلق بتاؤں جو اعمال کے لحاظ سے نقصان اٹھانے والے ہیں۔ وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۔ کہ وہ تو گمان کرتے ہیں کہ وہ نیکی کر رہے ہیں۔

آگے حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں فما لم یکن فی ذالک الحد یومئذ لا یکون الیوم دینا۔ کہ جو چیز دین میں پہلے نہ ہو وہ آج بھی دین نہیں۔

(۲۳۶) قرآن شریف کو بوسہ دینا!

آج ڈیڑھ سو سال سے یہاں دین گم ہے اب تو اکثر علماء بھی دین سے ناواقف ہیں۔

حضرت امام نوویؒ نے کتاب الاذکار اور حضرت امام سیوطیؒ نے اتقان میں فرمایا ہے کہ قرآن شریف کو بوسہ دیں یا نہ دیں؟

تو روایت مل گئی کہ روزانہ نہیں کبھی کبھی حضرات صحابہ کرامؓ قرآن شریف کو بوسہ دیتے تھے۔

(۲۳۷) معجزہ کا معنی!

کارخانہ عالم میں معجزہ کی تعریف یہ ہے کہ فعل اللہ خارق للعادۃ۔ ایک

فعل ہے اللہ کا جو عام عادت کے خلاف ہے یظھر لتصدیق نبی۔ پیغمبر کی پیغمبری نمایاں کر دیتا ہے۔

سادہ معنی یہ ہوا کہ عاجز کرنے والی چیز۔ یعنی انسان اس فعل کے کرنے سے عاجز ہو۔

اقسامِ واقعات!

اقسام واقعات کی تین چیزیں ہیں۔

(۱) خارقات، (۲) عادیات جلیہ، (۳) عادیات خفیہ۔

(۱) خارقات: یعنی پھاڑنا۔ یعنی عام عادات کو توڑنے والی چیز۔ یعنی اللہ کے ارادہ کے خلاف کوئی کام نہ ہو۔

(۲) عادیات جلیہ: مثلاً وہ جو عادت کو توڑنے والے ہیں وہ اسباب اللہ کی طرف سے ہوں۔ مثلاً روٹی کھانے سے بھوک کا ختم ہو جانا۔ علاج معالجہ سے صحت کا حاصل ہو جانا وغیرہ یہ سب کام عاداتِ جلیہ ہیں معجزات نہیں کیونکہ یہ اسباب کے ذریعے ہیں۔

(۳) عادات خفیہ! کہ پوشیدہ اسباب ہوں۔ مثلاً عجائبات عصریہ و سحر کہ آدمی نیویارک میں تقریر کرتا ہے اور یہاں سننے میں آتی ہے وغیرہ۔ دورِ حاضر کی تمام عجیب چیزیں جو بنائی گئی ہیں یہ معجزات نہیں بلکہ عاداتِ خفیہ ہیں کہ یہ پوشیدہ اسباب پر مبنی ہیں جو عام لوگوں کو معلوم نہیں بلکہ خاص فن کے ماہروں کو معلوم ہیں۔

سحر کا معنی!

سحر کا معنی جادو نہیں۔ ما دق معرفة اسبابه۔ یعنی جس چیز کی پہچان ایک ہو اور ہو اسباب کے ساتھ تو اسے سحر کہتے ہیں موجودہ صدی کی مصنوعات بھی سحر میں داخل ہیں۔ یعنی موجودہ سائنسی مصنوعات۔

(۴) چوتھی چیز یہ ہے کہ وہ کام جس کا زمین میں کوئی سبب نہ ہو۔ نہ جلی اور نہ خفی۔ صرف اللہ کا ارادہ ہو۔ یہ ہے معجزہ۔ مثلاً تختِ سلیمانؑ بھی آسمان میں اڑتا تھا اور ہوائی جہاز بھی اڑتا ہے لیکن ہوائی جہاز کا اڑنا معجزہ نہیں اور تخت کا اڑنا معجزہ ہے۔

(۲۳۸) سماوی معجزہ!

ہر پیغمبر علیہ السلام کو زمینی معجزے ملے ہیں مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو زمینی اور سماوی دونوں ملے ہیں۔ (۱) شق القمر اور معراج شریف سماوی معجزے ہیں۔

(۲۳۹) خاص معجزہ!

ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سفر کی حالت میں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو رفع حاجت کی ضرورت پیش آئی وہاں پردہ کی کوئی جگہ نہ تھی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے درختوں کو بلایا وہ دوڑے ہوئے آئے اور کمرے کی شکل اختیار کر لی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جب رفع حاجت سے فراغت کر لی تو انہیں حکم فرمایا کہ اپنی اپنی جگہ چلے جاؤ! تو وہ دوڑ کر چلے گئے۔

یہ معجزہ صرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور کسی پیغمبر علیہ السلام کو نہیں ملا۔

(۲۴۰) معجزہ اور قومِ پیغمبر علیہ السلام!

آئمہ کرامؒ لکھتے ہیں کہ ہر نبی کا معجزہ اس زمانے کے نبی کے ماحول کے مطابق ہوتا ہے۔

(۱) مثلاً حضرت موسیٰ کے زمانے میں سحر کا چرچا تھا تو ان کو لاٹھی ملی جس نے ساحروں کو حیرت میں ڈال دیا۔

وہ بول اٹھے۔ امنا برب هارون موسیٰ ۔ کہ ہم ہارونؑ اور موسیٰؑ کے رب پر ایمان لائے۔

(۲) حضرت عیسیٰ کے زمانے میں طب کا چرچا تھا۔ طبیب مریض کا علاج تو کرسکتا ہے مگر مردہ کو زندہ تو نہیں کرسکتا مگر حضرت عیسیٰؑ کو مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ دیا گیا وغیرہ۔

(۳) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں فصاحت و بلاغت (ادب) کا چرچا تھا۔ عرب کی فصاحت یکتا روزگار تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو قرآن پاک کا معجزہ عطا کیا۔

(۲۴۱) معجزہ نبی کی زندگی تک رہتا ہے!

جب کوئی نبی دنیا سے تشریف لے جاتے ہیں تو معجزہ بھی ان کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔

(۲۴۲) معجزہ کبریٰ!

آئمہ کرام لکھتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اتنے زیادہ معجزے عطا ہوئے ہیں کہ انہیں شمار نہیں کیا جا سکتا۔

معجزہ قرآن:۔

کہ کسی نبی کو دائمی معجزہ نہیں ملا سوا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے کہ ہزاروں سال گذرنے کے بعد بھی قرآن کا معجزہ موجود ہے اور قیامت تک رہے گا اور ہر شخص اس کو اپنا کر فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اور دعوۃ مقابلہ۔ یعنی (چیلنج) آج بھی موجود ہے کہ فاتوا بسورة من مثله۔ کہ اگر اسلام کو شکست دینا چاہتے ہو تو (اس کی مثل) کوئی آیت بنا لاؤ۔

(۲۴۳) دشمنانِ اسلام کا اعتراف!

مکہ شریف میں ایک کافر شاعر گذرا ہے جو استاذ کل کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس نے اپنا خیمہ مکہ شریف سے باہر چند میل کے فاصلے پر قائم کر رکھا تھا۔ خیمے کے اندر رہتا کسی سے ملتا نہیں تھا۔ جو کافر کوئی کلام بناتا وہ اس سے تصحیح کراتا۔ بس خیمے کے اندر لکھا ہوا کلام بھیج دیا جاتا وہ اس کی اصلاح کر کے باہر بھیج دیتا۔

جب (سورۃ کوثر) نازل ہوئی تو ایک کافر نے سورۃ لکھ کر اصلاح کے لیے اندر بھیج دی۔

استاد نے جب پڑھی تو آگے جواب میں لکھ دیا (ماهذا قول البشر) یعنی یہ انسان کا کلام نہیں۔

(۲۴۴) قرآن کا تفسیری اعجاز اور حضرت شاہ ولی اللہؒ!

یہ خاندان اپنی عمر میں قرآن شریف کی تفسیر کا صرف ایک ختم کر سکے۔

(۱) پہلا درس حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بسم اللہ سے شروع کیا اپنی ساری عمر میں سورۃ مائدہ کی آیت۔

اعدلوا هو اقرب للتقوىٰ۔ انصاف کرو کہ وہ تقویٰ سے قریب ہے۔ یہ پہنچے تو وفات پائی۔

(۲) اس کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے درس دینا شروع کیا آپ نے اس برس عمر پائی آپ ہفتے میں دو دن جمعہ اور منگل پابندی سے درس دیا کرتے تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ آپؒ کی وفات کے قریب آخری درس اس اکرمکم عنداللہ اتقکم۔ پر بیان تھا۔ جب منگل کا دن آیا تو آپ بیمار تھے مگر فرمایا چند منٹ درس دونگا! تو درس بیان کیا۔ بدھ وخمیس درس نہیں ہوتا تھا اب جب جمعہ کا دن آیا تو وفات پائی۔

دہلی کی گلی کوچوں میں لوگ دھاڑیں مار مار کر روئے اور دہلی میں آپ کا جنازہ ۵۵ بار ہوا۔

(۳) پھر اگلی آیت سے حضرت شاہ محمد اسحاقؒ نے والناس تک درس دیا۔

(۲۴۴) درس قرآن اور حضرت سید شمس الحق افغانیؒ!

حضرت علامہ افغانیؒ نے ۱۹۶۳ء جون سے ۱۹۷۳ء جون تک عرصہ دس سال بہاول پور میں درس قرآن بیان فرمایا۔ سال بھر میں ۹ ماہ درس بیان فرماتے۔ کیونکہ

جامعہ اسلامیہ میں موسم گرما کی تعطیلات ہوتی تھیں جن میں آپؒ پشاور اپنے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ہفتے میں دو دن جمعہ اور اتوار درس بیان فرماتے درس کبھی عمر سے زائد وقت میں ہوتا تھا آپؒ نے اس عرصہ دس برس میں بسم اللہ سے سورۃ توبہ کے چار رکوع تک درس بیان فرمایا۔

(۲۴۵) تین اہم واقعات!

(۱) ایک روز میں اپنے معمول کے مطابق حضرت علامہ افغانیؒ کے گھر کا سودا سلف لے کر گیا۔ دیکھا کہ بیٹھک میں حضرت جیؒ اور حضرت شاہ جی بخاریؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت عطاء المنعم شاہؒ تشریف فرما ہیں۔ میں بھی بیٹھ گیا۔ حضرت بخاریؒ نے حضرت افغانیؒ سے عرض کی۔ چچا جان خدا کے لیے منشور تو لکھ کر دے جاؤ! آپ کے بعد کون لکھے گا؟ حضرت جیؒ اندر چائے لانے کے لیے تشریف لے گئے تو میں نے حضرت عطاء المنعم صاحبؒ کی خدمت میں عرض کی کیا حضرت اور علماء کرام نہیں بیٹھے؟

تو آپؒ نے فرمایا عبدالغنی! ایک سو علماء جمع کیے جائیں اور انہیں لائبریریاں بھی مہیا کر دی جائیں تو ان سے کوئی جزی چھوٹ جائے گی۔ مگر اس شخص کو صرف کاغذ قلم پیش کر دیا جائے تو انسان پر کوئی جزی نہیں چھوٹے گی۔

(۲) پھر میں نے ان سے سوال کیا کہ حضرت جیؒ سے کہیں کہ تفسیر تو لکھ دیں۔ شاہ جیؒ فرماتے ہیں عبدالغنی! اس شخص کی سو سال مزید عمر ہو اور سو عالم ان کے پاس بٹھا دیا جائے تو یہ شخص تفسیر مکمل نہیں کرا سکتا۔ بس ان سے برکت کے

طور پر قرآن شریف کا لفظی ترجمہ کرالیا جائے۔

(۳) مدرسہ مخزن العلوم خانپور کے سالانہ جلسے میں حضرت اپنی تقریر بیان کر
کے بعد کمرے میں تشریف لا رہے تھے علماء کرام کی خاصی تعداد ہمراہ تھی
حضرت مفتی محمد محمود صاحبؒ نے عرض کی حضرت! ہم دو چار عالم آپ کے
پاس بھیج دیتے ہیں آپ قرآن شریف کی تفسیر لکھوا دیں۔
آپؒ نے فرمایا محمود! صرف علماء کا کام نہیں۔ ججز صاحبان، وکلاء، تحصیلدار،
پٹواری، ڈاکٹرز، انجینئرز اور فلاسفر (سائنسدان) سب کا ہونا ضروری ہے۔ صرف علماء
کا کام نہیں۔ (اللہ اکبر)

(۲۴۶) وحدتِ فکر و عمل کا سرچشمہ صرف قرآن پاک ہے!

قرآن کا درس صدر سے لیکر ایک عام شہری تک سننا ضروری ہے۔ کیونکہ تمام
کے ذہنوں کو سدھرنے کی ضرورت ہے۔ جو قرآن کے درس میں شامل ہونگے ان
سب کا ذہن ایک ہی طرز کا ہوگا اور اگر غیر قرآن کے درس میں گئے تو ان کا ذہن مختلف
طرز کا ہوگا۔

اب مولوی اور مسٹر کی کیا لڑائی ہے؟ یہی تو ہے کہ مسٹر کے ذہن میں
غیر اسلامی بنیادی تعلیم ہے اور مولوی کے ذہن میں اسلامی بنیادی تعلیم ہے۔ اس لیے
اتحاد ہو بھی نہیں ہو سکتا۔

قرآن نے تو مضبوط اتحاد کو بھی نہیں بلکہ اس سے اوپر بھائی بنا کر اعلان کیا
ہے۔ انما المومنون اخوۃ۔ کہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اب ہمیں یہ کرنا

یہ کہ ہر مسلمان کا نصب العین اور مقصد صرف ایک ہو۔

مسلمان قوم دریا کی مانند ہے اور اسلام سمندر کی مانند ہے۔ جب دریا علیحدہ
علیحدہ چلتے ہیں تو نام علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں مگر جب سمندر میں گرتے ہیں تو پھر یہ
سمندر کہلاتے ہیں۔ پھر وہاں سندھ، ستلج اور راوی وغیرہ کا نام نہیں ہوتا۔

(۲۴۷) اسلام میں پاسپورٹ اور ویزہ جائز نہیں!

اسلام میں پاسپورٹ اور ویزہ نہیں ہے۔ یہ اتحاد میں رکاوٹ کا سبب ہیں۔
ایک مسلمان ملک کا باشندہ دوسرے مسلمان ملک میں بغیر کسی رکاوٹ کے آجا سکتا ہے
تاکہ میل ملاپ اور اتحاد پیدا ہو۔ یہ بھی کافر دشمن کی چال ہے۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کے
اتحاد سے خائف ہے۔

(۲۴۸) قرآن کا عاملانہ انداز عام ہے!

قرآن کے دو انداز ہیں (۱) عاملانہ انداز، (۲) ایمان کی روح سے ماننا۔

(۱) عاملانہ انداز میں کافر اور مسلمان برابر ہیں۔ مثلاً قرآن کا قانون ہے۔
واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ۔ کہ دشمن کے مقابلے کے لیے سامان
جنگ پوری استطاعت بناؤ! تو اس آیت پر کافروں نے عمل کیا اور آج دنیا
پر حکمرانی کر رہے ہیں اور مسلمانوں نے قرآن کے اس قانون پر عمل نہیں کیا
تو پس رہے ہیں۔

(۲) ایمان سے ماننا۔ یہ صرف مسلمان کے لیے کامیابی کا سبب ہے۔ یعنی
آخرت میں مسلمان کامیاب رہے گا۔

(۲۴۹) بے عمل مسلمان کفار سے پٹتا ہے!

وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین و لتعلن علوا کبیرا ۔اور صاف کہہ سنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ تم ملک میں دوبار سرکشی کرو گے اور بڑی خرابی کرو گے اور ہم تمہیں دوبار کفار کے ہاتھوں ہتھوڑے سے چٹنی بنائیں گے۔

تو یہود کو خدا تعالیٰ نے ایک مرتبہ بخت نصر سے پٹوایا۔ گھروں میں گھس گھس کر یہود کو قتل کیا۔ ایسی تباہی مچائی کہ یہود کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ عراقی قوم اس وقت کافر تھی یہ عراقی بچے کچے یہودیوں کو قید کر کے عراق لے گئی۔

اس وقت یہود قوم مسلمان تھی مگر بدعمل تھی اس لیے تباہ و برباد ہوئے۔

ضابطہ:۔ اس آیت نے یہ ضابطہ دیا کہ جب مسلمان دین کے راستہ سے ہٹ جائے تو اللہ پھر کافر کے ہاتھوں پٹواتا ہے۔

(۲۵۰) اسلام میں انصاف بلاعوض ہے!

ان اللّٰہ یامر بالعدل و الاحسان: بے شک اللہ تعالیٰ انصاف اور احسان کا حکم دیتا ہے!

اسلام میں انصاف کے ساتھ کوئی عوض نہیں۔ اسلامی قانون میں اگر استغاثہ کریں تو ایک کاغذ پر صرف واقعات لکھ کر پیش کر دیں۔ بس صرف اتنا ہی کافی ہے۔ مگر آج عدالتوں میں کیا حالت ہے؟ مظلوم ہمیشہ کمزور رہے گا اور ظالم ہمیشہ قوی ہوگا۔

تو مظلوم غریب کے پاس تو رقم نہیں تو کیا ایسی صورت میں وہ غریب انصاف سے محروم رہا کہ نہیں۔ غریب کے پاس نہ دولت آئے گی نہ انصاف حاصل کر سکے گا۔

(۲۵۱) قیامت کی اہمیت!

اللہ تعالیٰ کی ایک شان جمالی ہے اور ایک شان جلالی ہے۔

فاتوا بسورۃ من مثلہ ۔کہ اگر یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں تو تم اس کی مثل کوئی چھوٹی سی سورۃ بنا لاؤ۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ کی شان جمالی کا بیان ہے۔

فاتقو النار التی وقودھا الناس و الحجارۃ اعدت للکفرین ۔تو پھر اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہونگے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

یہاں سے اللہ کی شان جلالی کا بیان شروع ہوتا ہے۔ یعنی یہاں سے قرآن پاک نے اپنا رخ توحید فی العبادت اور ثبوتِ نبوت سے قیامت اور مجازات اعمال کی طرف موڑ لیا۔

قرآن کو الحمد سے والناس تک پڑھیں تو ہر جگہ جنت و دوزخ کا ذکر ملتا ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے کہ تقریباً قرآن کا نصف حصہ اسی کے بیان سے بھرا پڑا ہے۔ اس کا کثرت سے بیان ہونا یہ دلیل ہے کہ قیامت کا دن اہمیت کا مالک ہے۔

ہر چیز کا صرف ایک نام ہوتا ہے مگر کے نام اس کی اہمیت کی وجہ سے بہ
زیادہ ہیں۔

اختصار کے طور پر صرف ایک دو نام ذکر کر دیتا ہوں۔

(۱) علماء کرام فرماتے ہیں کہ انھا آخر الایام یوم القیامۃ۔ فرمایا کہ قیامت
کھڑے ہونے کو کہتے ہیں۔

یہ دن انتہائی لمبا اور بہت سخت ہوگا۔ زمین کی تپش، بھوک و پیاس، وغیرہ
اتنی سختی کے باوجود کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہ ہوگی۔

(۲) یوم التناد۔ یہ ندا سے ماخوذ ہے۔ لوگوں کی اس دن بے انداز چیخ و پکار
نکلیں گی۔ ہر آدمی ایک دوسرے کو پکارے گا۔

وہ دن اللہ تعالیٰ حلیم ذات کے غصے اور سختی کا دن ہوگا۔ بے پروا ذات سنے کی
ہی نہیں۔ آج پکڑتی نہیں اس دن سنے گی نہیں۔ اللہ۔ اللہ۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اکثر یہ پڑھا کرتے تھے۔ اللھم انی
اعوذبک من غضب الحلیم۔ فرمایا کہ یا اللہ! حلیم یعنی حوصلے والے یا صبر والے
کے غضب و غصہ سے محفوظ رکھ۔

(۲۵۲) قرآن حقیقت میں سائنس ہے!

قرآن کی آیات کا اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو وہ سائنس سے بھرا پڑا
ہے۔ ہمارا چونکہ علم محدود ہے اس لامحدود علم والی ذات کے فرمان کو سمجھ نہیں سکتے۔

امریکہ کے سائنسدان سیاروں کے بارے میں رپورٹ دیتے ہیں کہ
ہمارے علم میں جو چیزیں نہیں وہ تو بہت زیادہ ہیں اور جو تھوڑی بہت ہمیں معلوم ہوئی
ہیں وہ یہ کہ کائنات میں ڈیڑھ ہزار کھرب ایسے سیارے موجود ہیں جن میں زمین کی
طرح آبادی پائی جاتی ہے۔

صرف کہکشاں میں ایک سو ارب سے زائد سورج ہیں جو ہمارے سورج کی
طرح ہیں۔ اور خود سورج کتنا بڑا ہے؟ سورج ہماری زمین سے ۱۲ لاکھ اسی ہزار گنا سے
بھی زیادہ ہے اور وہ زمین بھی ملا لو جو پانی سے نیچے ہے۔

یہ ہے اللہ رب العزۃ کی وسعتِ قدرت۔

مگر بدقسمتی یہ کہ یورپی سائنسدان اتنا جاننے کے باوجود بھی ایمان سے محروم
ہیں۔

(۲۵۳) سائنس کی مختصر وضاحت میں!

(۱) جعل لکم من الشجر الاخضر نارا فاذا انتم منه توقدون۔

جس نے بنا کر دی سبز درخت سے تم کو آگ پھر اب تم اس سے سلگاتے ہو!

عرب میں ایسے درخت ہیں کہ سبز درخت کو آگ میں ڈالو تو ایک طرف ان
سے پانی ٹپکے گا اور دوسری طرف ان سے آگ بھڑکے گی۔ ہمارے ہاں بانس کے
درخت کو دیکھو کہ یہ بھی جتنا سبز ہوگا اتنا زیادہ جلے گا۔

کیا ہم یہ نہیں دیکھ رہے کہ موت اور زندگی ایک دوسرے کی مقابل چیزیں
ہیں۔ موت ہوگی تو زندگی نہ ہوگی اور اگر زندگی ہوگی تو موت نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر

پانی ہے تو آگ نہ ہوگی اور اگر آگ ہوگی تو پانی نہ ہوگا۔

مگر اللہ پاک نے اپنی قدرت کو وسیع کر کے دکھایا ہے۔ من الشجر الاخضر ناراً۔ سرسبز درخت میں دو متضاد چیزوں پانی اور آگ کو اکٹھا کر کے دکھا دیا۔ بس اسی ایک آیت پر اکتفاء کرتا ہوں۔

(۲۵۴) جنت کی حقیقت!

لیلۃ المعراج میں جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم جدامجد سیدنا حضرت ابراہیمؑ سے گذرے آپ جنت میں ایک درخت سے سہارا لگا کر بیٹھے تھے آپؐ نے فرمایا جنت کا رقبہ موجود ہے جوں جوں انسان عمل کرتا ہے ویسے ہی یہاں عمارت بنتی جاتی ہے۔ فرمایا کہ ہر ایک چیز ایک عمل کی شکل ہے۔ کوئی عمل نہر بنتا ہے اور کوئی درخت اور کوئی مکان وغیرہ۔

تو پوچھا گیا کہ جنت میں درخت کس عمل سے بنتے ہیں؟ فرمایا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھنے سے درخت بنتا ہے۔

(۲۵۵) سبحان اللہ کی شان!

(ہادی الارواح) کتاب میں لکھا ہے کہ جب آدمی سبحان اللہ۔ کہتا ہے تو وہ ایک نورانی جسم بن کر عرش پر جاتا ہے اور عرش معلّٰی پر چکر لگاتا ہے اور شہد کی مکھی کی طرح گنگناتا ہے۔ اور وہ گنگنانا کیا ہوتا ہے؟

وہ اس پڑھنے والے کی تعریف کرتا ہے۔

(۲۵۶) جنت میں صرف دو عبادتوں کو بقا ہوگی!

(ہادی الارواح) میں ہے کہ جنت میں تمام عبادتیں ختم ہو جائیں گی صرف دو عبادتیں باقی رہ جائیں گی۔

(۱) قرآن شریف کی تلاوت۔ کیونکہ وہاں کے درجات قرآن شریف کی تلاوت پر ہیں۔

(۲) ذکر اللہ۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ دنیاوی زندگی سانس سے وابستہ ہے اور جنت کی زندگی ذکر اللہ سے وابستہ ہوگی۔ وہاں ذکر اللہ۔ سانس کا قائم مقام ہوگا۔ جس طرح سانس بلا تکلف لیا جاتا ہے اسی طرح وہاں ذکر اللہ۔ بلا تکلف لیا جائے گا۔

نکتہ: اس لیے تو جنت کی زندگی کو بقا ہے کیونکہ (ذکر اللہ) کو بقا ہے۔ اور دنیاوی ہوا کو چونکہ بقا نہیں تو اسی لیے اس سے حاصل شدہ زندگی کو بھی بقا نہیں۔

(۲۵۷) حوضِ کوثر کی حقیقت!

اللہ تعالیٰ نے قرآن و حدیث کو حوض کوثر کی شکل میں تبدیل کیا ہے۔ آدمی کا جتنا علم ہوگا اتنا حوض کوثر سے پانی نصیب ہوگا۔

(۲۵۸) شریعت کو پل صراط کی صورت میں تبدیل کیا گیا!

وان منکم الا واردھا۔ فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کو پل صراط سے گزرنا ہے۔ وعلی ربک حتما مقضیا ثم ننجی الذین اتقوا ونذر الظلمین فیھا جثیاً۔ اس پر ہو چکا یہ وعدہ تیرے رب پر لازم مقرر کہ بچائیں گے ہم ان کو جو ڈرتے

رہے اور چھوڑ دیں گے گناہ گاروں کو اس میں اُلٹے گرے ہوئے۔

حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ جنت اور جہنم میں جو کچھ ہیں یہ سب ہمارے اعمال کے نقشے ہیں۔

جس طرح اللہ نے قرآن وحدیث کو حوض کوثر کی شکل میں تبدیل کیا ہے اسی طرح شریعت کو پل صراط کی شکل میں تبدیل کیا۔

(۲۵۹) پل صراط کی بناوٹ!

حدیث شریف میں ہے کہ پل صراط کا ایک تہائی حصہ چڑھائی اور ایک تہائی ہموار راستہ ہے اور ایک تہائی اترنا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ریلوے سٹیشن کے پل کی طرح شکل ہے۔

ایک حصہ ہموار موقف میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب وکتاب کے لیے کھڑا ہونا ہے اور پل صراط کا دوسرا سرا جنت کے کنارے پر ہے۔

نکتہ: اس سے اللہ تعالیٰ بتلانا چاہتا ہے کہ جنت میں پہنچنے کے لیے صرف پل صراط کا راستہ ہی ہے۔

(۲۶۰) پل صراط بال سے باریک اور تلوار سے تیز دھار ہے!

بدو السافرہ میں حدیث پاک ہے کہ بعض کے لیے یہ پل صراط کشادہ ہو جائے گی اور بعض کے لیے بال سے باریک ہو جائے گی۔

نکتہ: اس سے معلوم ہو گیا کہ شریعت پر چلنے کے مختلف انداز ہیں۔ جیسے انداز ہونگے جیسے عمل ہونگے ویسی پل صراط کی شکل ہوگی۔ مثلاً ہم بھی شریعت

چلتے ہیں عمل کرتے ہیں اور ایک چلنا حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ یا دیگر بزرگانِ دین کا بھی تھا۔ ان حضرات کا چلنا شریعت پر سو فیصد تھا اور ہمارا تو ایک فیصد بھی نہیں۔

تو کفار کو جس طرح دنیا میں شریعت پر چلنا ناگوار، مشکل اور ناممکن تھا تو وہی شریعت آج ان کے لیے بال سے باریک اور تلوار سے تیز پیش آئی جو آج اس پر گزرنا بھی ان کا ناگوار اور مشکل ہے اور گر کر جہنم میں ٹھکانا ہے۔

(جو لوگ یورپ اور امریکہ کی شریعت پر چلتے ہیں تو وہ پل صراط پر پریشانی کی صورت میں گزریں گے)

نکتہ نمبر۲: تو اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ اگر رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شریعت پر سیدھا چلنا ہے۔ یعنی صحیح عمل کرنا ہے تو آگے جنت ہے اور اگر اس شریعت پر سیدھا نہیں چلنا دائیں بائیں چلنا ہے تو پل صراط سے گر کر جہنم میں جاؤ گے۔ اور گذرنے کے وقت دونوں کناروں پر ملائکۃ اللہ کا ہجوم ہو گیا۔

(۲۶۱) قرآن نے قلوب سدھارے!

قرآن پاک میں دو قسم کی سورتیں ہیں۔ (۱) مکی (۲) مدنی۔

مکی سورتوں میں صرف دل بدلنے (یعنی دل سدھارنے) کے احکامات ہیں۔ ان میں ذاتِ الٰہی، امورِ الٰہی اور آخرت کا ذکر ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا زیادہ وقت قلب کے سدھارنے پر صرف ہوا ہے۔

ہجرت کے بعد چونکہ قلوب بدل چکے تھے تو مدنی زندگی کے کم وقت
انسانی صورت میں اللہ کے فرشتے صحابہ کرامؓ زمین پر پھر رہے تھے۔ (ہمارے پہلے
قرآن سے سدھرے تھے اور اب بھی اسی قرآن سے سدھر سکتے ہیں) حکمرانو! اسلحہ
قرآن سے منہ نہ موڑو ورنہ بربادی ہوگی۔

(۲۶۲) دوزخ کی آگ کی تیاری!

حدیث شریف میں ہے کہ دوزخ کی آگ کو ایک ہزار سال بھڑکایا گیا
اس کا رنگ سرخ ہوگیا۔ پھر ایک ہزار سال بھڑکایا گیا تو اس کا رنگ سفید ہوگیا
تیسری مرتبہ ایک ہزار سال بھڑکائی گئی تو اس کا رنگ بالکل سیاہ ہوگیا۔

اب وہ مجرموں کے لیے درست ہوئی۔

(۲۶۳) شیطان کے تین ہتھیار!

حضرت امام غزالیؒ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ انسان کے دل اور دماغ
میں شیطان کے داخل ہونے کے تین دروازے ہیں۔

(۱) ھوی:۔ یعنی نفسانی خواہش۔ (۲) قہر۔ (۳) غصہ۔ یہ تین دروازے
ہیں۔ تو شیطان ہر وقت تاک میں رہتا ہے کہ فلاں شخص کی خواہش نفس اُبھر چکی ہے
پھر کیا کہ ھوی:۔ کا دروازہ کھلا اور شیطان اندر داخل ہوا وغیرہ۔ تو ان تین چیزوں
سے ہمیں بچنا چاہیے۔

(۲۶۴) لوگوں سے جہنم کی آگ بھڑکتی ہے!

وقودھا الناس والحجارۃ۔ کہ جہنم کی آگ لوگوں اور پتھر سے بھڑکی

ہے۔

وقودھا الناس۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں۔ انسان کی نفسانی
خواہش (ھوی)، انسانی قہر اور انسانی غصہ سے جہنم کی آگ بھڑکتی ہے۔ کیونکہ ان
تین وجوہات سے اللہ چاہا انسان میں ختم اور جی چاہا شروع ہو جاتا ہے تو پھر قہر الٰہی سے
دوزخ کی آگ بھڑکتی ہے۔

والحجارۃ:۔ کہ دوزخ کا ایندھن پتھر ہونگے۔ وہ اس طرح کہ حضرت
شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ پتھر کے بت بنا کر ان کی پوجا کرتے ہیں تو یہ بھی
پتھر ہوئے۔

ذھب وفضۃ:۔ یعنی سونا چاندی اسی طرح سونا چاندی بھی پتھر ہیں تو جو
لوگ سونا چاندی سے محبت کرتے ہیں وہ بھی پتھر ہیں۔

فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ:۔ کہ ایک اور پتھر بھی ہے جو انسان
کے سینے میں ہے۔ ان کے دل سخت ہوگئے پتھر کی طرح یا اس سے بھی سخت کیونکہ بعض
پتھروں سے تو چشمے نکلتے ہیں سیرابی کرتے ہیں اور فائدہ پہنچاتے ہیں۔

تو حجارۃ۔ بت کے حجارہ، زر کے حجارہ اور سنگدلی کے حجارہ۔ یہ سب جہنم
کے ایندھن ہونگے۔ خدا تعالیٰ ان سے محفوظ رکھے۔

(۲۶۵) جہنم کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے!

اعدت لکفرین:۔ کہ وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ ماضی کا صیغہ لایا
گیا کہ دوزخ قرآن کے نزول سے کافی پہلے تیار کی گئی ہے۔ کافی پہلے موجود ہے۔

کہیں انسان یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ انسانی اصلاح کے لیے خیالی دوزخ کا ذکر ہے کہ خیالی دوزخ سے انسان کی اصلاح کی گئی ہے۔ نہیں؟ ماضی کا صیغہ لاکر یہ واضح کر دیا کہ حقیقی دوزخ ہے جو قرآن کے نزول سے کافی پہلے تیار ہے۔

(۲۶۶) جنت متقین کے لیے ہے!

اعدت للمتقین:۔ کہ جنت متقین کے لیے ہے۔

اعدت للکفرین:۔ کے بارے میں معتزلہ کو غلطی لگی ہے وہ کہتے ہیں کہ جہنم میں صرف کفار جائیں گے اور جو آدمی نہ کافر ہو اور نہ متقی ہو تو وہ جہنم اور جنت دونوں سے خارج ہوگا۔ یعنی نہ جہنم میں جائے گا اور نہ جنت میں جائے گا۔

معتزلہ پر فلسفہ کا اثر تھا ان کا خیال تھا کہ چھوٹے گناہ کرنے سے دوزخ میں نہ جائے گا اور بڑے گناہ کرنے سے جنت میں نہ جائے گا۔ کیوں جنت متقین کے لیے ہے۔

معتزلہ کا قول صحیح نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ گناہ گار مسلمان اپنی سزا جہنم میں جھیل کر مقررہ وقت تک پھر جنت میں منتقل کیا جائے گا۔ جس طرح مکان میں مالک بھی رہتے ہیں اور ضمنی طور پر مہمان بھی رہتے ہیں۔

(۲۶۷) تفسیر فتح العزیز!

۱۸۵۷ء کے انقلاب میں لوگوں نے تفسیر فتح العزیز جلا دی اب اس کے صرف چند حصے موجود ہیں۔ حضرت شاہ جی کشمیریؒ کہا کرتے تھے کہ اگر یہ تفسیر مکمل ہوتی تو باقی کسی تفسیر کی ضرورت نہ ہوتی۔

(۲۶۸) عقیدۂ آخرت کا اصلاحی اثر!

عقیدۂ آخرت سے موت یاد رہتی ہے اور اگر موت یاد ہو تو پھر دنیا کی محبت دل سے نکل جاتی ہے جو گناہوں کا سبب ہے۔

حضرت تھانویؒ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنا کتب خانہ دیوبند کے کتب خانے کو وقف کر دیا صرف ایک قرآن شریف اور ایک کتاب (جمع الفوائد) اپنے پاس رکھی۔ مال جو تھا وہ اللہ کی راہ میں دیدیا۔ صرف ایک جوڑا پہنا اور ایک جوڑا دھونے کے لیے رکھا۔ کسی نے کہا کہ حضرت گنگوہیؒ نے اپنے پہننے کا جوڑا بھی ایک مولیٰ محمد شریفؒ تھے انہیں دے دیا تھا اور پھر عاریۃً ان سے لیکر پہنا اور انہیں فرمایا کہ مجھے مرنے کے بعد لے لینا۔

یہ ہے موت کو یاد رکھنے کا اثر۔ تو یاد رکھو کہ عقیدۂ آخرت بہت بڑی نعمت ہے۔

(۲۶۹) تحفظِ ایمان اور صحبتِ بزرگان!

ایمان کے تحفظ کے لیے بزرگانِ دین کی صحبت میں بیٹھنا ضروری ہے۔ بزرگان دین کی صحبت میں بیٹھنے سے قلوب سدھرتے ہیں اور جب قلوب سدھر جائیں تو اس کا ثمرہ دنیا و آخرت کی کامیابی میں ملتا ہے۔

حضرت مظہر جانِ جاناںؒ صاحب کرامت بزرگ تھے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ہم عصر تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ جب مریض ہوتے تو لاعلاج ہونے کی وجہ میں حضرت مظہر جانِ جاناںؒ سے عرض کرتے کہ اپنی قلبی توجہ سے مرض کا علاج

کریں۔

ان کی باطنی توجہ کی یہ کیفیت تھی کہ ایک مرید کو لکھا کہ تمہارے خط کا جواب تاخیر سے دیا ہے اس لیے کہ روزانہ باطنی توجہ سے پانچ سو مریدوں کے قلوب کو پاک کرتا ہوں۔

یہ بزرگ شیعہ کے ہاتھ سے شہید ہوئے ہیں۔ انکے بارے میں شاہ عالم بادشاہ نے کہا کہ اگر ایسے بزرگ موجود ہیں تو شیعہ مذہب نہیں پھیل سکے گا۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کو بھی سخت تکالیف دی گئیں کیونکہ آپؒ نے شیعہ کے رد میں جو کتاب (تحفہ اثناعشریہ) لکھی ہے قیامت تک اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

(۲۷۰) حیاء باکمال صفت ہے!

اب ایک خاص چیز کا ذکر کرتا ہوں کہ اللہ ایک صفت حیاء سے موصوف ہے۔ یہ صفت کمال ہے۔

انسان اور خدا دونوں کے لیے۔

الحیاء شعبة من الایمان۔ الحدیث۔ حیاء ایمان کا شعبہ ہے۔

الحیاء نصف الایمان۔ الحدیث۔ حیاء نصف ایمان ہے۔

ایمان اور حیاء دونوں ان اوصاف کا نام ہے جو برائی سے روکیں۔

الحیاء کیفیة انقباضیة تمنع النفس عما یکرہ۔

جو کام اللہ کے ہاں یا لوگوں کے ہاں یا دونوں کے ہاں برا ہو اس سے طبیعت میں جو نفرت پیدا ہو اس کا نام حیاء ہے۔ تو معلوم ہوا کہ بری چیز کے مقابلے میں نفرت

...ہو اس کو حیاء کہتے ہیں۔ اس میں علماء نے فرق بیان کیا ہے کہ حیاء اور بزدلی میں کیا ...ق ہے؟

کیونکہ حیاء صفت ایمان ہے دونوں میں یہ فرق ہے کہ اگر آدمی کی طبیعت ...ی حالت پیدا ہو کہ جو کام شریعت میں برا ہو اس سے رک جائے یہ ہے حیاء۔ اور ...ر کے تو بزدلی ہے۔

یا دیکھو کہ شرعاً نہ ہو مثلاً شادی کی رسومات آدمی اس وجہ سے کرے کہ ...ری برا کہے گی تو کر ڈالے یہ ہے بزدلی۔

یہ واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے مختصر عرض کرونگا۔ جب بیت المقدس حضرت ...یدہؓ بن جراح کی سپہ سالاری میں فتح ہوا پادریوں نے امیر المومنین کے آنے کی ...اطلاع کی کہ وہ آئیں گے تو انہیں بیت المقدس کی چابیاں دیدی جائیں گی۔ غلام اور ...یر المومنین نے ایک ہی اونٹنی پر باری باری سفر کیا۔ جب بیت المقدس پہنچے تو سواری ...ی باری غلام کی تھی۔ امیر المومنین کے کرتے پر چودہ پیوند تھے۔ غلام اور امیر المومنین ...ی وضع قطع میں فرق معلوم نہ ہوتا تھا۔ پادریوں نے صرف اتنا پوچھا کہ امیر المومنین ...ن ہیں؟ بتلایا گیا وہ ہیں جنہوں نے اونٹنی کی مہار پکڑ رکھی ہے۔ تو انہوں نے فوراً ...ابیاں پیش کر دیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ چابیاں دینے میں تم نے کوئی حیل و ...ت نہیں کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہماری آسمانی کتابوں میں آخری نبی ﷺ کے ...حابیؓ کی جو نشانیاں لکھی ہوئی ہیں جس نے بیت المقدس کو فتح کرنا تھا ہم نے وہ ...یاں دیکھی تھیں وہ سب ان میں تھیں اگر نہ ہوتی تو ہم قطعاً چابیاں نہ دیتے۔ وہ

نشانیاں یہ ہیں۔ کہ غلام اونٹ پر سوار ہوگا۔ امیر المومنین مہار پکڑے ہوگا۔ کپڑے اتنے پیوند ہونگے۔ چہرے کی وضع قطع یہ ہوگی وغیرہ۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے عمدہ گھوڑا سواری کے لیے پیش کیا آپ نے ڈانٹا بھی اور انکار بھی کیا۔

عمدہ لباس پیش کیا آپؓ نے پہننے سے انکار کر دیا۔

غلام نے کہا آپؓ اونٹنی پر سوار ہوں۔ انکار کر دیا۔

اگر آپؓ گھوڑا یا لباس یا اونٹنی کی سواری قبول فرما لیتے کہ عیسائی کتنی [illegible] والے ہیں ان کے پاس جانا ہے۔ تو یہ بزدلی ہوتی۔ مگر آپؓ حیاء اور ایمان میں [illegible] شخصیت تھے کسی چیز کو قبول نہ کیا اور کسی کی پرواتک نہ کی شریعت کو مدنظر رکھا اور اس عمل کیا یہ ہے حیاء۔

نماز کا وقت آیا تو ایک بڑا گرجا گھر تھا عیسائیوں نے چاہا کہ حضرت عمر فاروقؓ اس میں نماز پڑھیں مگر حضرت عمر فاروقؓ نے باہر میدان میں آ کر پڑھی۔

نجران سے ۹ھ میں عیسائیوں کا وفد مدینہ شریف آیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کے لیے مسجد نبوی میں خیمہ لگوایا اور ضرورت کی تمام چیزیں [illegible] مہیا کی گئیں۔ مسلمان نماز پڑھتے تھے تو عیسائی دیکھتے تھے جب عیسائیوں کی نماز کا وقت آیا تو عیسائی گھبرائے کہ ہم تو مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں یہاں کیا ہوگا؟ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ آپ اپنی طرز پر نماز ادا کرو آج تو مسلمانوں نے چپہ چپہ پر علیحدہ مساجد بنا کر امت محمدیہ کو ایک دوسرے سے

اور جدا کر رکھا ہے۔

ومن اظلم ممن منع مساجد اللّٰہ ان یذکر فیھما اسمہ۔ اس شخص سے کون بڑا ظالم ہے جو اللہ کی مساجد میں ذکر سے منع کرے۔ اور قیامت میں ظالم کو سب سے بڑا عذاب ہوگا۔ یہ الگ بات ہے کہ مسجد دور ہو اور لوگوں کو وہاں جانے میں دقت ہو تو قریب دوسری مسجد بنالی جائے مگر یہ نہ ہو کہ مسجد سے کسی کو روکا جائے۔ ہر مسجد سب مسلمانوں کے لیے ہے۔

تو یہ حیاء کی تحقیق تھی کہ آدمی ایسا کام نہ کرے جس کو شریعت نے بُرا کہا ہے۔

اور جس کام کو شریعت نے بُرا نہ کہا ہو۔ پھر اسے لوگوں کے ڈر اور شرمندگی کی وجہ سے نہ کرے یہ ہے بزدلی۔ جس طرح میں نے حضرت فاروق اعظمؓ کی مثال دی کہ پیدل چلنا اور گھوڑے پر سوار نہ ہونا روا جائز تھا مگر شریعت میں اجازت تھی تو آپؓ نے کسی کی بات نہ مانی۔

(۲۷۱) حدیث شریف در بارۂ حیاء!

ان اللّٰہ یستحی من ذی الشیبۃ المسلم ان یعذبہ۔ کہ اللہ سفید ریش کو عذاب نہیں دیتا (حیاء آتی ہے)۔

یحیٰی ابن اکثمؒ یہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے شاگرد تھے۔ ان کے متعلق لکھا ہے کہ جب فوت ہوئے تو کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا حضرتؒ کیا حال ہے؟ فرمایا کہ بہت مشکل ہوئی پہلے تو منکر نکیر کا دستہ آیا اس نے سوال کئے۔ من ربک۔

من نبیک ۔ما ذبنک ۔تین مرتبہ سوال کئے ۔میں خاموش رہا۔ یہ عالم قاضی (مجسٹریٹ) تھے۔تو میں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ سے کہو کہ ہم نے تو پیغمبر علیہ السلام کی حدیث پڑھی تھی کہ جو سفید ریش ہو اسے عذاب دینے سے اللہ کو حیا آتی ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے فرما بھیجا کہ یہ حدیث بھی صحیح ہے اور اس کے راوی بھی صحیح ہیں جاؤ تمہیں بخشا۔اسے ضابطہ نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ ضابطہ تو یہ ہے کہ شریعت پر چلنے سے نجات ہوگی ۔یہ اللہ کی کرم نوازی ہے۔

ایک مسخرہ عالم ۔نے چونا مل دیا بیٹے کو کہہ کر۔تو انہوں نے بھی خواب میں بتایا کہ یا اللہ سفید ریش کرنا تیرا کام تھا اور چونا ملنا میرا کام تھا تو خدا نے انہیں بھی معاف کر دیا۔نیک لوگوں کی نقل اتارنے سے وہ بخشا گیا۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ۔تمہارے لیے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زندگی اُسوہ حسنہ ہے۔

اللہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دشمنوں کی نقالی سے بچائے۔ (آمین)۔

(۲۷۲) اعتراض توھینی و تفقیہی میں فرق!

فاما الذین کافروا فیقولون ماذا ارادا اللہ ۔کافر کہتے ہیں کہ اللہ کا کیا ارادہ ہے۔

بھذا مثلاً۔ اس مثال سے۔

اس سے ایک بات یہ نکلی کہ ایک صورت میں انہوں نے اللہ پر اعتراض کیا۔ انہیں کفروا سے تعبیر کیا۔معلوم ہو گیا کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حکم پر جو اعتراض کرے گا۔انکار تو بڑی چیز ہے۔صرف اعتراض کرے گا۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اعتراض کرنا کافرانہ کام ہے۔

اعتراض کی دو صورتیں ہیں۔(۱) توھینی اعتراض۔(۲) تفہیمی اعتراض۔

توھینی اعتراض تو کفر ہے۔

اور تفہیمی اعتراض کے سمجھنے کی غرض کے لیے اعتراض کرے یہ جائز ہے کفر نہیں۔

انی جاعل فی الارض خلیفۃ۔میں زمین میں اپنا نائب بناتا ہوں۔

قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک ۔فرشتوں نے کہا کہ ان کو بناتا ہے جو زمین میں فساد کریں گے اور خون بہائیں گے۔

الدما ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک ۔جبکہ ہم تیری تعریف اور تسبیح کرتے ہیں۔

قال انی اعلم مالا تعلمون ۔اللہ نے کہا میں زیادہ جانتا ہوں تمہیں علم نہیں۔

اللہ نے یہاں فرشتوں کو ڈانٹ نہیں دی کیونکہ تفہیمی اعتراض تھا توھینی نہ تھا۔

مگر آگے دیکھو کہ جب آدم کو سجدہ کے لیے کہا گیا تو ملائکہ نے کیا اور ا
نے نہ کیا تو کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں وہ مٹی سے ہے اور میں آگ سے ہوں
خدا نے فرمایا۔ فاخرج منھما فانک رجیم ۔ یہاں ڈانٹ پڑی کیونکہ
اعتراض تھا۔ تو ڈانٹ بھی ایسی پڑی کہ اربوں سال معافی نہ ہوئی۔ یہ اس لیے
کر رہا ہوں کہ آج کل ایک جاہلانہ فضاء چل پڑی ہے کہ لوگ دین پر اعتراض کر
ہیں دیکھو خیال رکھا کرو کہیں منہ میں سے کافرانہ باتیں نہ نکل جائیں۔

(۲۷۳) حیاء وادب کے تقاضے!

دین سکھانے والے عالم کی عزت تب ہوتی ہے جب اکثریت کے
میں دین کی عزت ہو۔

(۱) سلیمان بن عبدالملک حج کو گیا اپنے دونوں صاحبزادے بھی ساتھ
گئے۔ انہیں حج کے مناسک وغیرہ کے معلومات کی ضرورت پیش آئی
کے عالم حبشی ہوتے تھے کالے اور غلام۔ اس وقت حضرت عطاء بن ابی
رباح عالم تھے۔ سلطان نے دریافت کیا کہ یہاں کوئی عالم ہیں تو لوگ
نے عطاء بن ابی رباح کا نام لیا۔ بادشاہ ان کے مکان پر گئے کہاں عالم اور
کہاں بادشاہ۔ لیکن اس وقت کے بادشاہ خود علماء کے پاس جاتے تھے۔
میں علمائے کرام اور علم دین کی عزت تھی۔ جب بادشاہ گئے تو وہ عالم
پڑھ رہے تھے۔ خودداری کا عالم یہ تھا کہ انہیں معلوم ہو گیا کہ بادشاہ ملاقات
کو آئے ہیں تو انہوں نے نماز کچھ لمبی کر دی۔ فراغت کے بعد بھی

خاص توجہ نہ دی۔

بادشاہ مسائل پوچھتے رہے اور عطاء بن ابی رباح جواب دیتے رہے۔ بادشاہ جب جانے لگا تو اپنے بچوں کو حضرت کے پاس چھوڑ گئے کہ اس عالم دین سے ادب سیکھ لو۔ جب لوگوں نے بادشاہ سے وجہ پوچھی تو بادشاہ نے کہا کہ حضرت عطاء بن ابی رباح نے مجھ پر ادب کے عجیب و غریب راز واضح کیے ہیں۔ مجلس اور حکمرانی کے آداب کے بھی طریقے ہوتے ہیں۔

(۲) عبداللہ ابن طاہر حاکم تھا اسحاق ابن ابراہیم یہ حکومت کے اچھے عہدوں پر تھے۔ اسحاق ابن ابراہیم نے علماء کو ایک بڑی دعوت برائے بادشاہ میں بلایا تاکہ بادشاہ کو خود علماء کے پاس نہ جانا پڑے اور علماء دعوت کے بہانے خود بادشاہ کے پاس آجائیں گے۔

ابوعبیدہ ایک بڑے عالم تھے وہ سمجھ گئے کہ یہ صرف بادشاہ کے لیے بلایا جا رہا ہے تو آپ دعوت میں نہ گئے۔ ان عالم کو عبداللہ ابن طاہر سے دو ہزار ماہوار وظیفہ ملتا تھا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں نہیں آئے تو ابوعبیدہؒ نے فرمایا کہ بادشاہ کے پاس دولت ہے اور میرے پاس اللہ کا علم ہے۔ تو دولت کو علم کے پاس آنا چاہیے نہ کہ علم کو دولت کے پاس۔ تو اسحاق ابن ابراہیم کو یہ بات بُری لگی تو اس وجہ سے عالم کا وظیفہ بند کر دیا۔ تو اسحاق نے بادشاہ کو ان کی شکایت تحریر کر کے بھیجی اور ساتھ لکھا کہ میں ان

کے دو ہزار ماہانہ وظیفہ کے بند کرنے کی سفارش کرتا ہوں۔

بادشاہ نے منظوری کی بجائے خط کا جواب دیا کہ جو شکایت آپ نے درج کی ہے تو میں ان عالم ابوعبیدہ کی حق گوئی کی وجہ سے آج کی تاریخ سے ان کی تنخواہ دو کی بجائے چار ہزار مقرر کرتا ہوں۔ پرانے زمانے کے بادشاہ علماء کی قدر و منزلت جانتے تھے۔

(۳) ہارون الرشید کے ہاں علماء کی دعوت ہوئی بادشاہ علماء کے ہاتھ خود دھلا رہا تھا ایک نئے عالم بھی شریک تھے انہیں بادشاہ کا علم نہیں تھا۔ پوچھتے ہیں کہ ہاتھ دھلانے والا کون ہے؟ بتایا گیا کہ یہ امیر المومنین خود دھلا رہے ہیں۔ تو عالم نے تعجب کیا۔ بادشاہ نے کہا یہ تو کوئی بات نہیں۔ آپ عالم دین ہیں اور عالم دین کی عزت اور ادب ہمیں بزرگوں سے ورثہ میں ملا ہے۔

(۴) حضرت امام شافعیؒ حضرت امام مالکؒ کے ہاں پڑھتے تھے فرماتے ہیں کہ میں سبق پڑھنے کے وقت کتاب کا صفحہ بڑی احتیاط سے بدلتا تھا یعنی پلٹتا تھا کہ کہیں پلٹنے سے جو کاغذ کی آواز نکلتی ہے اس سے میرے استاد صاحب کو تکلیف نہ ہو۔ یہ ہے ادب۔

(۵) حضرت امام ابوحنیفہؒ ۳۰ برس تک اپنے استاد کے گھر کا سودا خرید کر لاتے رہے حالانکہ استاد کے گھر والے روکتے تھے کہ آپؒ سودا نہ خرید لایا کریں۔

(۶) حضرت امام ابوحنیفہؒ ایک مرتبہ درس دے رہے تھے تو دورانِ درس تین چار مرتبہ اٹھے۔ شاگردوں نے وجہ پوچھی؟ فرمایا سامنے بچے کھیل رہے تھے ان

میں میرے استاد صاحب کے لڑکے بھی کھیل رہے ہیں جب وہ سامنے آتے ہیں تو میں ادباً کھڑا ہو جاتا ہوں۔

(۷) حضرت زید ابن ثابتؓ یہ انصاری ہیں ایک مرتبہ آپؓ گھوڑے پر سوار ہو رہے تھے تو حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ نے رکاب (پاؤں رکھنے کی جگہ) پکڑ کر انہیں سوار کیا۔ تو ایک شخص نے کہا کہ آپ ایک تو حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بھائی ہیں دوسرا بہت بڑے عالم ہیں آپؓ نے رکاب کیوں پکڑی؟ حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہمیں ایسا سبق دیا ہے۔ سبحان اللہ۔ یہ واقعہ مدینہ شریف کا ہے۔

(۸) بزرگ حضرت مظہر جانِ جاناںؒ بہت نازک طبع بزرگ تھے مزاج بڑا لطیف تھا۔ ایک مرتبہ بادشاہ وقت ان کی خدمت میں بیٹھا تھا اسے پیاس لگی پانی طلب کیا آپؒ نے فرمایا وہ صراحی پڑی ہے پی لو۔ بادشاہ نے پانی پی کر کٹورہ کچھ بے ترتیب یعنی ٹیڑھا رکھا تو مزاج چونکہ لطیف تھا فرماتے ہیں کہ تم بادشاہت خاک کرو گے کہ کٹورہ رکھنا تو آتا نہیں۔

ایک مرتبہ پیالے کو پانی سے اچھی طرح صاف نہ کیا گیا اس میں چائے ڈال کر دی گئی آپؒ نے فرمایا کہ یہ چائے نقصان دہ ہے کیونکہ پیالہ اچھی طرح صاف نہیں کیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ آپؒ بہت نازک مزاج بزرگ تھے۔ اصل بات جو میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپؒ کے

استاد صاحب نے آپؒ کو ایک ٹوپی عطا کی تھی تو آپؒ نے وہ ٹوپی ۱۵ سال اپنے سر پر پگڑی کے نیچے رکھی۔ تو ۱۵ سال بعد اسے دھویا تو اس کا پانی نیل سے اتنا سیاہ تھا جیسے املتاس کا پانی۔ آپؒ نے اس پانی کو نیچے نہیں پھینکا بلکہ اسے پی لیا تبرک کے طور پر۔ پینے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس پانی کے پینے سے مجھ پر علم کے دروازے کھل گئے ہیں۔

بتلانا یہ مقصود تھا کہ کہاں مزاج کی لطافت اور کہاں استاد کی ٹوپی کے پانی کا احترام یہ ہے ادب یہ ہے ایمان اور حیاء۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جس نے مجھے علمِ دین کا ایک حرف سکھایا۔ اب وہ میرا آقا بن گیا اور میں اس کا غلام۔ وہ مجھے بیچ ڈالے یا آزاد کردے اسے حق حاصل ہے۔ عبد من علمنی حرفاً ان شاء باعنی و ان شاء اعتقنی۔ دین دار کی اور عالم دین اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہاں قیمت ہے۔ کیا ہوا اگر دنیا والوں کے ہاں قیمت نہیں؟

(۲۷۴) علمِ دین اور دولت میں کس کا مقام بلند ہے؟!

حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ دولت اور علمِ دین میں کس کا مقام بلند ہے۔ آپؓ نے فرمایا بات تو واضح ہے کہ دولت کی تو کوئی حیثیت نہیں اور دین کا علم تو بہت بلند مقام رکھتا ہے۔

(۱) آپؓ نے فرمایا جس کے پاس دولت زیادہ ہو اس کے دشمن زیادہ ہوتے ہیں۔ غریب کا کوئی دشمن نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا دولت بڑھانا دشمنی زیادہ کرنا

ہے۔

(۲) فرمایا اگر دین کا علم زیادہ ہو تو پروانے زیادہ ہوتے ہیں۔ یعنی لوگ عالمِ دین کے پاس پروانوں کی طرح آتے ہیں۔ بزرگانِ دین کے پاس دولت نہیں تھی علم تھا۔

(۳) فرمایا دولت کی تم حفاظت کرو گے۔ کہ کوئی چرا نہ لے۔ تجارت اور دولت وغیرہ کی تم حفاظت کرو گے لیکن علمِ دین خود تمہاری حفاظت کرے گا۔

(۴) فرمایا دولت خرچ کرنے سے کم ہوتی ہے لیکن علمِ دین خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔

(۵) فرمایا دولت فخر کی چیز نہیں یہ فرعون کی میراث ہے لیکن علمِ دین پیغمبران، انبیاءؑ کی میراث ہے۔

(۶) کہ دولت اللہ سے بغاوت اور سرکشی بڑھاتی ہے لیکن دین کا علم تواضع بڑھاتا ہے۔

آج کل چند غریب طبقے کو دین کے علم کے لیے چھوڑا گیا ہے۔ امراء علمِ دین سے نفرت کرتے ہیں۔ انہیں کارخانے، زمینیں اور ڈگریاں درکار ہیں۔ یہ چند ہزار ہیں لیکن جب موت آئے گی تو پھر یہ ڈگریاں وغیرہ بیکار ثابت ہونگی۔

آج جس کو اونچا طبقہ کہا جاتا ہے وہ دین سیکھنے کو بے عزتی تصور کرتا ہے۔ مگر اللہ کے ہاں وہ اونچا طبقہ ہے جو دین سیکھے اور سکھائے۔

(۲۷۵) خدا اور رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حکم پر گردن خم ہو!

وان یسلبھم الذباب شیئاً لایستنقذوہ ضعف الطالب والمطلوب: ۔خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے معبود بت تو اپنے اوپر بیٹھنے والی مکھی بھی نہیں اڑا سکتے۔ یہاں مکھی کا ذکر اس لیے کیا کیونکہ بتوں کی ذلت بیان کرنی تھی

اس سے ہمیں یہ بڑا سبق ملا کہ خدا تعالیٰ کا حکم خواہ قرآن یا پیغمبرؐ کی حدیث کی زبان سے ہو مسلمان کو اس کے آگے گردن خم کر دینی چاہیے یہ نہ کہ یہود و نصاریٰ کی طرح چون و چرا کرتے رہیں۔

(۲۷۶) کفار کا ناپاک اعتراض!

ماذا اراد اللہ بھذا مثلاً ۔کہ اللہ کا مکھی مچھر کی مثال دینے سے کیا ارادہ ہے؟

فاما الذین اٰمنوا فیعلمون انہ الحق من ربھم: ۔ایمان والوں نے کہا یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔

واما الذین کفروا فیقولون ماذا اراد اللہ بھذا مثلاً: ۔اور کافروں نے کہا کہ اللہ کا ایسی مثال سے کیا ارادہ ہے؟ (اعتراض کیا) تو اس پر اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا:۔

یضل بہ کثیراً و یھدی بہ کثیراً: ۔کہ اس سے بہتوں کو گمراہ اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے۔

کہ یہی قرآن بدقسمتوں کے لیے گمراہی اور بہت خوش قسمت لوگوں کے لیے ہدایت بن جاتا ہے۔

یعنی جنہوں نے اس پر عمل کیا وہ ہدایت پا گئے اور خوش قسمت ہوئے اور جنہوں نے اس سے منہ موڑا اس پر عمل نہ کیا وہ گمراہ ہوئے اور بدقسمت ہوئے۔

تو احکم الحاکمین کے احکام پر اعتراض کرنا بعض اوقات کفر ہے اس سے بچنا چاہیے۔

(۲۷۷) ماہِ رمضان اور نزولِ کتبِ سماویہ!

سماءِ دنیا میں بیت العزۃ ایک مقام ہے یہ بالکل خانہ کعبہ کے بالمقابل ہے پہلے آسمان پر اور یہ بیت العزۃ فرشتوں کا کعبہ ہے تو اس مقام پر رمضان شریف کے مہینے میں سارا قرآن پاک یکبارگی اترا پھر زمینی نزول یک بار نہیں بلکہ موقع کے مطابق تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔

(۱) قرآن شریف زمین کو بھی ۲۴ رمضان شریف کو نازل ہوا۔

(۲) حضرت ابراہیمؑ کو صحیفے ۶ رمضان شریف کو دیے گئے۔

(۳) حضرت موسیٰؑ کو تورات ۱۳ رمضان شریف کو ملی۔

(۴) حضرت عیسیٰؑ کو انجیل ۱۸ رمضان شریف کو ملی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابوں کے نزول کے لیے رمضان شریف کا مہینہ چنا۔

(۲۷۸) حج کو رمضان کے بعد کیوں متعلق کیا؟!

ایک زمانے میں تردد پیدا ہوا کہ حج کو رمضان کے بعد شوال، ذوالقعدہ، ذوالحج سے کیوں متعلق کیا؟ کیوں وابستہ کیا؟ یہ ایک سوال تھا۔

تو پھر معلوم ہوا کہ دین اسلام کے احکام میں ایک حکیمانہ ربط ہے۔

محبت کی دو منزل ہیں۔

(۱) ترک ماسوی المحبوب۔ کہ محبوب کے سوا سب کو ترک کرنا۔

(۲) طلب المحبوب۔ کہ محبوب کی طلب ہو۔

تو جب انسان نے رمضان میں روزے رکھے تو پہلی منزل طے ہوگئی کہ اپنی پسند اور محبوب چیزوں کو ترک کیا۔ یعنی محبوب کے سوا چیزوں مثلاً کھانا، پینا، بیوی ہمبستری وغیرہ کو ترک کیا۔

اب دوسری چیز ہے کہ محبوب کی طرف طلب ہو۔ تو عجیب بات ہے کہ محبوب (اللہ تعالیٰ) کا نہ جسم ہے اور نہ مکان ہے تو اللہ تعالیٰ نے محبوب اور محبّ کے درمیان ربط پیدا کرنے کے لیے ایک ذریعہ رکھا۔ ورنہ بندہ ذلیل اور خدا جلیل میں کیا نسبت تو اللہ تعالیٰ نے بندہ کے حال پر رحم فرما کر تدلّی فرمائی کہ بڑی ذات اقدس نیچے آئی۔ تو اس ذات اقدس نے کرۂ ارضی پر ایک مقام چنا جسے کعبۃ اللہ کہا جاتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے کچھ اپنی تجلی مبارک ڈالی۔ تاکہ تم اگر محبت کی پیاس بجھانا چاہو تو اللہ کی حج کی عبادت کے لیے پہنچ جاؤ۔

اس لیے رمضان کو حج سے پہلے رکھا گیا کہ ترک ماسوی المحبوب ہو کر پھر طلب المحبوب ہو جو حج کے ذریعہ ادا ہو۔

(۲۷۹) شریعت الٰہی نسخۂ شفاء ہے!

قل ھو للذین امنوا ھدی و شفاء۔ کہدے محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کہ قرآن ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفاء ہے۔

شریعت الٰہی مرض دور کرنے کا نسخہ ہے۔ اگر مریض معالج کی حکمت پر عمل نہ کرے اور خود دخل دے تو وہ نقصان اٹھائے گا۔ یہی معاملہ خدا تعالیٰ سے ہونا چاہیے۔ اگر خدا تعالیٰ کے تیار کردہ نسخۂ شریعت پر عمل نہ کیا اور خود دخل دیا تو نقصان اٹھانا ہوگا۔

آج کی دنیا ضروریاتِ زندگی کی ہر چیز سے مزین ہے۔ بجلی، سامانِ آسائش، باغات وغیرہ ہر لحاظ سے پچاس برس پہلے کی دنیا سے مزین ہے اور عمدہ ہے مگر اتنی گندی دنیا پہلے نہیں گذری جو اس وقت ہے۔

یہ اس لیے کہ اس وقت قلب گندے ہیں۔ قلب گندے ہوئے تو دنیا بھی گندی ہوگئی۔

(۲۸۰) تصوف اللہ تعالیٰ سے جوڑتا ہے!

(لذت میں کمی ہو تو اللہ تعالیٰ تک رسائی ہوتی ہے) یعنی دنیا کی لذتوں میں جتنی کمی ہوگی اللہ تعالیٰ تک اتنی رسائی زیادہ ہوگی۔

حضرات صوفیاء کرام کے چاروں سلسلوں میں چار چیزوں پر سختی سے عمل کرایا جاتا ہے۔

(۱) تقلیل الطعام: یعنی کم خوری۔

(۲) تقلیل المنام: یعنی کم سونا۔

(۳) تقلیل الاختلاط مع الانام: یعنی عوام الناس سے میل جول کم ہو۔

(۴) تقلیل الکلام: یعنی کم بولنا۔

مطلب یہ ہے کہ ان چار چیزوں پر جتنا زیادہ عمل ہوگا اللہ تعالیٰ سے اتنا زیادہ تعلق ہوگا۔

رمضان شریف کی بھی یہی حکمت ہے کہ ان چیزوں کے ترک کرنے سے ہماری اصلاح ہو جائے۔ اور ہم اللہ سے جُڑ جائیں۔

(۲۸۱) بزرگانِ دین اور تلاوتِ قرآن پاک!

(۱) حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام بخاریؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ دونوں حضرات رمضان شریف میں اکسٹھ ۶۱ ختم قرآن کرتے تھے ایک ختم دن کو اور اسی طرح ایک رات کو روزانہ اور ایک پورے رمضان میں تراویح میں ختم کرتے تھے۔ تو کل اکسٹھ ہو گئے۔

(۲) لکھتے ہیں کہ ایک بزرگ نماز عصر کے بعد تلاوت شروع کرتے اور مغرب کی نماز سے پہلے مکمل قرآن ختم کر لیتے تھے۔

(۳) حضرت علامہ سیوطیؒ (اتقان) میں لکھتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا معمول

مختلف تھا بعض ہفتہ میں اور بعض مہینہ میں ختم قرآن شریف کیا کرتے تھے۔

(۴) حضرت امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ میرے پاس ایسی تعداد بھی لوگوں کی پہنچی ہے کہ وہ ایک دن میں سات ختم قرآن شریف کے کیا کرتے تھے۔

(۵) حضرت امام قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بیت اللہ شریف میں ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ روزانہ ۱۳ ختم قرآن پاک کیا کرتا تھا۔

(۶) حضرت کلیم ابن کلیمؒ نے تین دن میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔

(۷) حضرت علامہ بدرالدین عینیؒ جو بخاری کے شارح ہیں۔ انہوں نے فقہ کی چند سو صفحوں کی کتاب (قدوری) صرف ایک رات میں لکھی۔ یہ ان سب حضرات کی کرامت سمجھی جائے گی۔

(۲۸۲) مقامِ منافق!

ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار ۔ منافق آگ کے بدترین حصے میں ہونگے۔

منافقین کی آگ کا بدترین مقام ابولہب اور ابوجہل کے مقام سے بھی بدتر ہوگا۔

(۲۸۳) قرآن کا کام عمل کرانا ہے!

یاایھا الناس اعبدوا ربکم سے توحید کا بیان تھا۔ جس میں توحید باری تعالیٰ، نبوت اور جزاء اعمال ان تین کا ذکر ہوا۔

کیف تکفرون باللّٰہ سے یبنی اسرائیل اذکروا نعمتی جو مضمون ہے اس کا مطلب ہے کہ انسان عمل کرے۔

قرآن کا کام بات بتانا نہیں بلکہ بات منوانا ہے اور عمل کروانا ہے۔ مطلب ہو گیا کہ علم بلا عمل اس کی کوئی قیمت نہیں۔ یہ ایسے ہوا کہ درخت پھل کی اقسام میں ہو مگر اسے پھل نہ لگتا ہو۔

علم بلا عمل کی دوسری مثال ایسی ہے کہ جس طرح شمع خود جلتی ہے مگر دوسروں کو روشنی پہنچاتی ہے۔

تو عالم بلا عمل شمع کی طرح خود جلتا رہے گا مگر اس کے علم کی روشنی دوسرے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے علم کی کوئی قیمت نہیں۔ اس لیے قرآن کی کوشش کہ عمل کرائے۔

(۲۸۴) انسان کا پیدائشی انقلاب کے آٹھ مقامات!

ثم خلقنا النطفة علقه فخلقنا العلقة مضغةً۔ الخ

نطفہ سے منجمد خون پھر اس سے گوشت کا لوتھڑا پھر اس سے ہڈیاں پھر ان پر گوشت چڑھایا۔ الخ

تم اللہ اور اس کے دین کا کیسے انکار کرتے ہو۔ پہلا انقلاب کہ تم بے جان تھے تمہیں جان دی۔ دوسرا انقلاب کہ جان لے لیگا۔ تیسرا انقلاب کہ قیامت میں جان دوبارہ دیدیگا۔ چوتھا انقلاب کہ جنت یا جہنم کا ٹھکانہ ہوگا۔

قرآنی تحقیق یہ ہے کہ پہلے انقلاب یعنی پہلی زندگی سے قبل تقریباً آٹھ [illegible] یاں ہوتی ہیں۔ ان میں ہم بالکل بے جان ہوتے ہیں۔ یعنی سات میں [illegible] جان اور پھر آٹھویں تغیرات میں ہم جان لیتے ہیں۔ پہلے ہم مردہ ہوتے ہیں۔

وہ سات تغیرات کیا ہیں۔ وہ سب سے پہلے عناصر ہیں۔ انسان جو کچھ کھاتا [illegible] خواہ غلہ ہو، خواہ ثمر، خواہ گوشت وغیرہ۔ یہ چار عنصر پانی، مٹی، آگ اور ہوا سے اللہ [illegible] ان کو بناتا ہے۔ تو انسان کی پہلی منزل عناصر اربعہ کی ہوئی۔ تو چار عناصر نے ملکر (۲) [illegible] غذا کی شکل اختیار کی۔ خوراک کے بعد ذرا اس بیان کو مختصر کرتا ہوں۔ ۳۔ سوم دموی [illegible] منزل یعنی خون کی منزل۔ وہ یہ کہ غذا کے بعد والدین کے پیٹ میں دیگر تغیرات سے [illegible] خون بن جاتا ہے۔ پھر خون کو اللہ بدن میں پھیلاتا ہے اس سے انسان کا نطفہ بن جاتا [illegible] ہے۔ ۴۔ یہ مقام نطفی ہوا۔

۱۔ مقام عنصری، ۲۔ مقام غذائی، ۳۔ مقام دموی، ۴۔ مقام نطفی، ۵۔ مقام [illegible] علقی، ۶۔ مقام مضغہ، ۷۔ مقام لحمی۔ اس سے انسان کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے۔

ثم خلقنا النطفة علقةً فخلقنا العلقة مضغةً فخلقنا المضغة [illegible] عظاماً فکسونا العظام لحماً ثم انشانه خلقاً آخر فتبارک اللّٰہ احسن [illegible] الخالقین ۔ نطفہ سے منجمد خون۔ پھر اس سے گوشت کا لوتھڑا۔ پھر اس سے ہڈیاں پھر [illegible] ان پر گوشت چڑھایا۔ الخ

لوہے سے سخت چیزیں بنتی ہیں نرم نہیں بنتیں۔ مگر اللہ کی قدرت دیکھو کہ خون اور گوشت جیسی نرم چیز سے سخت ہڈی بن رہی ہے پھر وہ سرخ اور یہ سفید بن رہی ہے

اور اس گوشت اور خون سے سیاہ رنگ کے بال بھی بن رہے ہیں وغیرہ۔ دیکھو کارخانہ قدرت کا پتہ نہیں کہ کیسے چل رہا ہے۔ ان کے بعد ڈھانچہ تیار ہوا تو ڈھانچہ بھی بیکار ہے۔ کیونکہ مردہ لاش بھی تو ایک ڈھانچہ ہوتی ہے جو بیکار ہوتی پھر آٹھواں مقام روحی آیا اس سے انسان بن گیا۔ ان سات منزلوں سے انسان ایسے دور گذرے ہیں کہ جن میں انسان کا نام ہی نہیں۔

ثم انشانہ خلقا آخر فتبارک اللہ۔ پھر اسے نئی صورت میں کھڑا کیا سو بڑی برکت اللہ کی

احسن الخالقین۔ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

اور یہ کام ایسے طریقے پر ہوا کہ شکم مادر میں خود ماں کو بھی پتہ نہیں کہ کیا ہو رہا ہے؟

یہ نظام اس لیے رکھا تا کہ انسان کو معلوم ہو جائے کہ خدا کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔

(۲۸۵) موت زندگی کی تبدیلی کا نام ہے!

موت کے متعلق ایک یہ بیان کرنا ہے کہ موت کیا چیز ہے؟ موت کو اردو میں مرنا۔ اور عربی میں موت کہتے ہیں۔ آسمانی مذاہب اور اسلام کی روح سے مرنا، مٹنے کا نام نہیں۔ انتقال اور تبدیلی کا نام ہے۔ موت زندگی کی تبدیلی کا نام ہے۔ پہلی حالت کا ختم ہونا اور دوسری حالت کا پیدا ہونا اس کو موت کہتے ہیں۔ ہم چونکہ موت کو فنا سمجھے ہوئے ہیں اس لیے اس سے ڈرتے ہیں۔ بس ایک ٹھکانہ چھوڑا دوسرا قبر کا ٹھکانا ملا۔

والے مرتے ہیں فنا نہیں ہوتے۔ یہ مرنے والے حقیقت میں ہم سے جدا نہیں ہوتے۔ دیکھو قرآن میں اکثر جگہ تَوَفّیٰ کا لفظ موت کے ساتھ آیا ہے۔

اللہ تیوفی الانفس حین موتھا۔ اللہ کھینچ لیتا ہے روحوں کو جب ان کی موت کا وقت آئے۔

والتی تمت فی منامھا فیمسک التی قضٰی علیھا الموت۔

اور جو نہیں مرے انہیں کھینچ لیتا ہے ان کی نیندیں۔

ہر رات جو ہمیں نیند آتی ہے یہ چھوٹی موت ہے یہ قیامت کا ایک نمونہ ہے کہ آگے ایک اور موت آنے والی ہے۔

میں ایک خاص چیز بیان کرتا ہوں کہ قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) کہ جس کی نہ ابتداء ہے اور نہ انتہاء ہے اسے ازلی اور ابدی زندگی کہتے ہیں۔ یہ خاص اللہ رب العلمین کی زندگی ہے۔ کہ شروع اور آخر دونوں سے بے انتہاء ہے۔

(۲) دوسری زندگی۔ جو نہ ابدی اور نہ ازلی اس کی ابتداء اور انتہاء دونوں ہیں۔ یہ دنیا کی زندگی ہے۔

(۳) کہ جو زندگی ازلی نہ ہو ابدی ہو وہ ہے آخرت کی زندگی۔

تو طاقتور زندگی اللہ رب العلمین کی ہے۔ اور سب سے کمزور زندگی دنیا کی زندگی ہے۔

(۲۸۶) جان نکلنے کے بعد کہاں جاتی ہے!

اب رہا یہ کہ جان نکلنے کے بعد کہاں جاتی ہے؟ یہ خبر بھی قرآن د
ہے۔

کلا ان کتاب الابرار لفی علیین۔ ہرگز نہیں۔ یقیناً نیکوں کا ا
نامہ علیین میں ہے۔

کلا ان کتاب الفجار لفی سجین۔ ہرگز نہیں۔ یقیناً گناہ گاروں
اعمال نامہ سجین میں ہے۔

عرش کے نیچے اور ساتویں آسمان کے اوپر ایک مقام ہے اس کا نام علیین
اس کے مقابل انتہائی پستیوں میں ایک مقام ہے اس کا نام ہے سجین۔

علیین میں روشنی، نور اور آرام وسکون ہے۔ اور سجین میں اندھیرا، بدبو
بے چینی اور تکلیف ہے۔

روح نکالنے کے بعد فرشتہ پوچھتا ہے کہ اے اللہ! اسے کہاں لے جاؤں
تو اعمال کے مطابق حکم ملے گا کہ اسے فلاں مقام میں لے جاؤ وہاں پہنچا دو۔ اور عجیب
بات ہے کہ نیک لوگوں کے اعمال کا دفتر بھی مقام علیین میں ہے۔ جب پاک روح کو
علیین میں لے جائیں گے تو تمام فرشتے راستے میں استقبال کریں گے اور خوش
ہونگے۔

باقی رہا یہ کہ بدن کے ساتھ کیا تعلق ہوا؟ پھر اس کے بعد عذاب قبر اور ثواب
قبر کا مسئلہ ہوگا۔

برزخ کا معنی گذرگاہ۔ قبر خاص مٹی والی قبر کا نام نہیں۔ جو جلائے گئے۔ غرق
ے۔ پرندے کھا گئے۔ ان کی تو قبور نہیں۔ یہ سب برزخ ہے۔

اس درمیان میں (برزخ میں) مردہ پر کیا گذرتی ہے؟ اختلافات میں نہیں
ا۔ تو اختلافات کی بحث نہیں چلاتا۔ صحیح اقوال ذکر کرتا ہوں عذاب قبر کے بارے
یں۔

کیا مرنے کے بعد عذاب یا ثواب۔ جان یا بدن ایک کے لیے ہے یا کہ
دونوں کو ہوتا ہے؟ بالاتفاق صحیح رائے یہی ہے کہ بدن اور روح عذاب یا ثواب ہوگا۔
کیونکہ عمل تنہا روح نے نہیں کیا بلکہ بدن اور روح دونوں شریک ہیں۔ یہ صحیح رائے
ہے۔ اور جزائے برزخ قرآن سے ثابت ہے۔ وحاق بآل فرعون سوء
العذاب۔ اور الٹ پڑا فرعون والوں پر بُری طرح کا عذاب۔ النار یُعرضون
علیھا غدواً عشیاً۔ وہ آگ ہے کہ پیش کی جاتی ہے ان پر صبح اور شام یعنی دکھلا
دیتے ہیں صبح وشام یوم تقوم الساعة ادخلو آل فرعون اشد العذاب۔ علامہ
تفتازانیؒ لکھتے ہیں کہ یہ آیت عذاب برزخ کے لیے آئی ہے۔ کیونکہ یہ آیت عذاب
قیامت والی آیت سے پہلے آئی ہے۔

باب عذاب القبر من مشکوۃ شریف۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ
پہلے مجھے عذاب قبر کا علم نہ تھا مگر جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مجھے فرمایا
کہ عذاب قبر سے پناہ مانگو۔ تو پھر جب بھی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم دعا مانگتے تھے تو
میں کان لگا کر سنتی تھی۔ تو کوئی ایسی دعا نہ ہوتی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس میں

عذاب قبر سے پناہ نہ مانگیں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی عذاب قبر سے پناہ کی دعا مانگا کریں۔

(۲۸۷) تین میں سے ایک کا انکار کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے!

خلاصۃ الفتاوی کتاب التمہید عبدالشکور سلمیٰ میں ذکر ہے۔

کہ تین میں سے ایک کا انکار کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

(۱) عذاب قبر کا انکار کرنے والا۔

(۲) دیدار الٰہی کا انکار کرنے والا۔

(۳) کراماً کاتبین کا انکار کرنے والا۔

ہمیں سب پر ایمان ہے۔

(۲۸۸) حالتِ نزع سخت تکلیف دہ ہوتی ہے!

امام غزالیؒ سے نقل کر چکا ہوں کہ دنیا کی تمام تکالیف نزع کی تکلیف سے ہلکی ہیں۔ کیونکہ نزع کی تکلیف روح پر گذرتی ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ یہ تکلیف میت کے پاس بیٹھنے والوں کو نظر نہیں آتی۔ پوشیدہ ہوتی ہے۔

(۱) احیاء العلوم کی شرح میں حضرت عمر بن عاصؓ کا ذکر ہے۔ یہ صحابیؓ فاتح مصر ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر تم احباب نے نزع کے وقت مجھ سے پوچھا تو میں تمہیں نزع کی کیفیت اور تکلیف بتا دونگا۔ تو جب آپؓ کو نزع کا وقت آ پہنچا تو مجلس والوں نے وعدہ یاد کرایا۔ تو آپؓ نے دو باتیں فرمائیں۔ (۱) کہ تفصیل تو تمہیں اس وقت معلوم ہوگی جب تم پر گزرے گی بس اس طرح

سمجھو کہ جس طرح سوئی کے ناکے سے نکل رہی ہو۔

(۲) دوئم یہ کہ میری پشت پر زمین ہے اور سات آسمان میرے سینے پر ہیں جو مجھے رگڑ رہے ہیں۔

لیکن اس ناامیدی میں ایک امید کی جھلک بھی ہے۔ وہ ہے ایمان اور عمل صالح۔

(۲۸۹) مقام علیین اور سجین کی دوری کی وجہ سے روح بدن میں کسطرح آئے گی؟!

تو معلوم یہ رکھو کہ شعور کا نام ہے دکھ اور سکھ اور زندگی آنے کے لیے بدن میں روح کی ضرورت ہے۔ نیک روح اعلیٰ علیین میں ہوگی اور بد روح مقام سجین میں ہوگی۔

تو سوال پڑتا ہے کہ روح اتنی دوری کی وجہ سے بدن میں کسطرح آئے گی؟

حدیث: اذا قبر المیت فیعاد الیہ روحہ۔ کہ قبر میں میت کی طرف روح لٹائی جاتی ہے۔ عام لوگوں کی روح جو قبر میں لوٹائی جاتی ہے وہ عذاب وغیرہ تک رہتی ہے اور انبیاء کی روح جو قبروں میں لوٹائی جاتی ہے وہ قیامت تک باقی رہتی ہے۔

ایک مرتبہ دو مرد مسجد نبوی میں زور زور سے پکار رہے تھے تو حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ اگر تم طائف کے نہ ہوتے مدینہ کے ہوتے تو میں تمہیں مارتا۔ تمہیں یہ پتہ نہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم زندہ موجود ہیں (قبر میں) اور تم ان کے سامنے گستاخی کر رہے ہو۔

(۲۹۰) حضرت علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں

کہ عرش کے دائیں طرف علیین کا مقام ہے جو ساتویں آسمان کے ا
ہے۔ وہاں روحیں بھی ہوتی ہیں اور اعمال نامہ بھی موجود ہوتا ہے اور فلاں بن فلاں
لکھا ہوا ہوتا ہے۔

(۲۹۱) اعلیٰ علیین کے مدارج!

اعلیٰ علیین میں سب سے اعلیٰ مقام حضرات انبیاءؑ کا اور خصوصاً حضور
کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مقام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مقام کا
(رفیق اعلیٰ ہے)۔

اس طرح کفار کے لیے سجین کا مقام ہے۔ یعنی قید خانہ۔ یہ نہایت پ
مقام ہے اور وہیں ان کے اعمال اور نتیجے موجود ہیں۔ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ
کے ساتھ جہنم کا تعلق ہے اور علیین کے ساتھ جنت اور عرش کا تعلق ہے۔

کلا ان کتاب الفجار لفی سجین وما ادریک	کہ نامہ اعمال بدکاروں کا سجین میں ہے اور وہ کیا ہے؟
ماسجین کتاب مرقوم۔	وہ بدکاروں کا ایک رجسٹر ہے جس پر مہر لگ چکی ہے۔

(۲۹۲) مرنے کے بعد روح کا بدن یا ذرات وغیرہ سے تعلق!

حضراتِ انبیاءؑ کے اجسام مبارک بالقطع والیقین محفوظ ہیں اور ان کی روحیں

مبارک زندہ ہیں۔

(۱) روح کا تعلق سب سے زیادہ حضرات انبیاءؑ کی ذات اقدس سے ہوتا ہے۔

(۲) ان کے بعد پھر سب سے زیادہ صدیقین سے ہوتا ہے۔

صدیق وہ ہوتا ہے جسے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام سے اتنے درجے کا یقین ہو جتنے درجے کا اللہ سے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کو یقین ہو۔ تو سب صحابہ کرامؓ صدیق ہیں اور حضرت ابوبکرؓ (صدیق اکبر) ہیں۔

(۳) ان کے بعد پھر سب سے زیادہ تعلق شہداء سے ہوتا ہے۔

(۴) ان کے بعد صالحین سے ہوتا ہے۔

(۵) پانچواں تعلق روح کا کفار کے ساتھ ہوتا ہے۔

تو مرنے کے بعد کل انسانی مدارج پانچ ہوئے۔

(۲۹۳) عذابِ قبر کی صورت!

قبر میں بدن سالم ہو یا ذرات ہو چکے ہوں تو روح اور بدن یا ان کے ذرات دکھ درد محسوس کرتے ہیں اور تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ کفار کے لیے قرآن فرماتا ہے۔

النار یعرضون علیها غدواً عشیاً۔ کہ وہ کفار خود دوزخ میں نہیں ڈالے جاتے بلکہ وہیں سے آگ موثر ہوتی ہے۔

مثلاً بچھو میں زہر ہے مگر بچھو کو تکلیف نہیں دیتی اور اگر وہ کسی دوسرے جاندار میں منتقل کر دے تو اسے تکلیف دیتی ہے۔

کیا یہ اللہ کی قدرت نہیں؟ اللہ کی قدرت کو اپنے دماغ سے نہ تولا کرو۔

(۲۹۴) قبر میں فرقِ مراتب کی چند مثالیں!

(۱) تمام حضرات انبیاءؑ اپنے جسم اور روح دونوں کے ساتھ زندہ ہیں اور ذکر اللہ میں بھی مشغول ہیں۔

حدیث: **الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون**۔ پیغمبرؑ اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

گو عالم برزخ کی نماز کی شکل دنیاوی نماز کی طرح نہیں یہ ایک عام عبادت ہے لیکن اس کا ہر مقام پر علیحدہ تعلق ہے۔

قرآن: **کل قد علم صلوٰتہ و تسبیحہ**۔ کہ پوری کائنات نماز و تسبیح پڑھتی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جس طرح نمازی کو نماز میں اللہ سے تعلق ہوتا ہے اسی طرح پوری کائنات کو اللہ سے ویسا تعلق ہوتا ہے۔ ساری کائنات نے پوری زندگی میں اللہ کی نافرمانی نہیں کی۔

(۲) حضرت جامیؒ کی عرض و گذارش!

حضرت مولانا جامیؒ عارف باللہ شخصیت تھیں۔ انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے صحیح معنوں میں عشق تھا۔ آپؒ نے کئی حج پیدل کیے۔ حج سے جب فارغ ہوتے تھے تو مدینے شریف سے روانگی کے وقت آپؒ کی عادت تھی کہ روضہ شریف پر حاضر ہو کر روانگی کی رخصت مانگتے تھے۔ تو یہ جملہ عرض کرتے۔

(یا سیدی وسندی بسفرے روم چہ فرمائی) یا سیدی صلی اللہ علیہ والہ وسلم واپس جانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا کیا حکم ہے۔ تو روضہ شریف سے

فارسی میں جواب آتا تھا۔

(بسفر رفتہ مبارکباد۔ بسفرے رومی و باز آئی) تجھے سفر مبارک ہو تو جا اور تو پھر آئے گا۔

متعدد بار حج نصیب ہوا اور ہر مرتبہ واپسی کے وقت یہی جملہ عرض کرتے اور اندر سے بھی یہی جواب آتا۔ جب زندگی کا آخری حج آیا تو سوال کے بعد باقی جملہ تو اندر سے آیا مگر (باز آئی) کا لفظ نہ آیا۔ تو اس سے حضرت جامیؒ نے معلوم کر لیا کہ وفات قریب ہے۔ دوبارہ حاضری نصیب نہ ہوگی۔

(۳) سیدنا حضرت امیر معاویہؓ کا نہر کھدوانے کا اعلان!

حضرت امیر معاویہؓ نے اعلان فرمایا کہ میں ایک نہر کھدوانا چاہتا ہوں جو میدان احد سے گذرے گی۔ رشتے داروں کو کہا کہ اپنی اپنی میتوں کو ہٹا لو۔ یہ کھدائی جنگ سے ۴۶ سال بعد ہوتی ہے۔ اس وقت کھودنے والے کم ہوتے تھے تو حضرات شہداء صحابہ کرامؓ کو اکٹھا دفن کیا گیا۔ لکھتے ہیں کہ اتنا عرصہ گذر جانے کے باوجود ایسے معلوم ہوتے تھے کہ جیسے کل فوت ہوئے ہیں۔ سیدنا حمزہؓ کی لاش مبارک پر ہتھوڑا لگ گیا تو خون باہر نکل آیا۔

(۴) علماء کرام کے اجسام بھی محفوظ ہیں!

(وفاء الوفاء) یہ مدینہ طیبہ کی تاریخ کی کتاب ہے۔ یہ خلافت عثمانیہ کے علماء کرام کی تاریخ ہے۔ اس میں لکھتے ہیں کہ (شرح وقایہ) کے مصنف کے استاد فوت ہوئے انہیں تین سال بعد یاد آیا کہ اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ حضرات انبیاءؑ

کے اجسام مبارک کو نہیں کھا سکتی۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیث مبارک ہے کہ علماء حضرات انبیاءؑ کے وارث ہیں تو علماء کی لاش بھی محفوظ رہنی چاہیے۔

تو انہوں نے تصدیق کرنے کے لیے تین سال بعد اپنے استاد کی قبر کھودی جب اینٹ ہٹائی تو دیکھا کہ جسم بمعہ کفن صحیح وسالم محفوظ پڑا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ایک سخت آواز نکلی۔ ھل صدقت؟ اعمی اللہ بصرت۔ کہ تصدیق کر لی اب؟ تجھے خدا تعالیٰ اندھا کرے۔ یہ الفاظ تھے اس آواز میں۔ تو مورخین لکھتے ہیں کہ وہ شارح شرح وقایہ کے مصنف ساری عمر اندھے رہے۔

(۵) (اسکندریہ) شہر میں محقق ابن الہمام کا مزار ہے یہ کتاب (ہدایہ) کے شارح ہیں۔ ایک بزرگ ان کے مزار پر گئے۔ انہوں نے مزار پر بیٹھ کر سورۃ (ہود) پڑھی جب اس آیت پر پہنچے فمنھم شقی و سعید۔ کہ بعض ان میں بد بخت اور بعض ان میں نیک بخت ہیں تو قبر کے اندر سے جواب آیا لیس فینا شقی: ۔ کہ ہم میں کوئی بد بخت نہیں۔ تو معلوم ہو گیا کہ قبروں سے آواز نکلنے کے لیے زندگی شرط ہے۔

تو میرے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نیکوں کی روح چاہے علیین میں ہوتی ہے مگر اس کا تعلق قبر کے اجزا سے ہوتا ہے۔ آپ یاد رکھیں کہ جو چیز آنکھ سے نظر آتی ہے وہ کم طاقت رکھتی ہے اور جو چیز لطیف اور نورانی ہو نظر نہ آتی ہو وہ زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔

اسی طرح روح بھی لطیف چیز ہے جو اپنی جگہ رہ کر بدن سے ایک تعلق قائم رکھتی ہے جس سے دکھ اور سکھ معلوم ہوتا ہے۔ باقی رہا کہ آجکل انسانوں کو عادت

ہے کہ ہر چیز کی دلیل تلاش کرتے ہیں یہ ان کا اللہ پر توکل کم ہونے کی دلیل ہے۔

(۲۹۵) دو روشن ضمیر اکٹھے نہیں رہ سکتے!

والذین یرمون المحصنت الغافلٰت۔

اللہ تعالیٰ نے تھوڑی لکھی پڑھی عورت کی تعریف فرمائی ہے۔ غافلٰت۔ میں اشارہ ہے کہ عورت کو دنیا سے غافل ہونا چاہیے۔ ایک کو روشن ضمیر اور ایک کو تاریک ضمیر ہونا پڑے گا۔ دو روشن ضمیر ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

آج کی جدید تعلیم کی روشن ضمیری تو تمام بُرائیوں کی جڑ ہے۔

(۲۹۶) بعض ملک یا شہر خصوصیت کے مالک ہیں؟

کم وبیش ہر ملک کے مسلمان نماز، روزہ اور حج وغیرہ کی پابندی کرتے ہیں مگر ہر ملک کی اپنی کچھ خصوصیات ہیں۔ تو روزہ کی زیادہ قدر افغانستان میں ہے۔ پچھلے سال افغانستان میں ۱۸ برس کی عمر کے روزہ خور لڑکے کو گولی ماری گئی ہے۔

انڈونیشیا میں حج کی بہت پابندی ہے۔ غیر حاجی کو لڑکی بھی کوئی نہیں دیتا اور نہ غیر حاجن لڑکی کوئی نکاح میں لاتا ہے۔ سورت اور بمبے کے لوگوں میں زکوٰۃ کی پابندی زیادہ ہے۔

(۲۹۷) صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بجائے صرف (ؐ یا صلعم) لکھنا سخت گناہ ہے!

لا الـه الا اللّٰـه میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور دوسرے حصے محمد رسول اللہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا حق ہے۔ یہ سب عملی حق ہیں۔

صحابہ کرامؓ نے دین کو جس انداز میں سمجھا اگر ہماری سمجھ ان کے مطابق ہو تو درست ورنہ غلط۔

صحابہ کرامؓ معیار حق ہیں۔ یعنی جسے انہوں نے حق سمجھا وہ حق ہے اور انہوں نے ناحق سمجھا وہ ناحق ہے۔

اور کچھ حقوق قولی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا نام آئے تو جل جلالہ وغیرہ لکھے۔ اور جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا نام مبارک آئے خواہ زبان سے خواہ کتاب میں ذکر ہو تو صلی اللہ علیہ والہ وسلم پڑھے بھی صحیح اور لکھے بھی صحیح (صرف صلعم) لکھنا سخت گناہ ہے۔ اور جب صحابہ کرامؓ کا نام آئے تو رضی اللہ تعالیٰ پڑھے۔ رضی اللّٰـه عنهم و رضوا عنه۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ راضی۔ باقی روایات سے حضرت علیؓ کے لیے کرم اللہ وجہہ بھی ہے۔ یہ غالباً اس لیے کہ خوارج خطبے میں حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ (نعوذ باللہ) قبح اللّٰه وجهه کہتے تھے۔

دیکھو درود شریف میں بہت برکات ہیں۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا اسم گرامی آئے تو صلی اللہ علیہ والہ وسلم پورا پڑھے اور اگر کتابت میں اسم پاک آجائے تو پورا لکھے چاہے کہ کتابت کے دوران متعدد بار اور اس سے بھی زائد مرتبہ آئے۔ اگر پورا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نہ لکھا تو گناہ گار ہوگا۔

جذب القلوب الی دیار المحبوب: یہ فارسی کی کتاب ہے۔ [illegible] الحق محدث دہلویؒ کی تصنیف ہے اس میں لکھتے ہیں کہ جو آدمی کتابت میں [illegible] نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اسم مبارک آنے پر درود شریف نہ لکھے وہ [illegible] گناہ گار ہو گیا۔ جذب القلوب سے دو واقع نقل کرتا ہوں۔ ایک عالم کا واقعہ [illegible] ہیں کہ وہ عالم کتاب لکھتا تھا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اسم مبارک [illegible] صلی اللہ علیہ تک لکھتا تھا۔ وسلم نہ لکھتا تھا۔ غالباً کاغذ کی بچت کرتا تھا۔ تو حضور نبی کریم [illegible] صلی اللہ علیہ والہ وسلم خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ تو نے ایک بار وسلم نہ لکھ کر [illegible] چالیس نیکیاں ضائع کر ڈالیں۔ کیونکہ وسلم میں چار حرف ہیں اور ہر حرف کے [illegible] دس نیکیاں ہوتی ہیں۔

دوسرا واقعہ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اسی جذب القلوب میں لکھتے ہیں کہ [illegible] شافعیؒ جو امت کے چوتھے امام ہیں وفات پا گئے۔ کسی نے خواب دیکھا امام شافعیؒ [illegible] سے بتلایا کہ میں بخشا گیا۔ وہ اس طرح فرماتے ہیں کہ میں نے الرسالت نامی [illegible] کتاب جب لکھی تو اس میں جہاں بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا اسم گرامی [illegible] آیا تھا تو میں صلی اللہ علیہ والہ وسلم پورا لکھتا بھی تھا اور پڑھتا بھی تھا اس کی وجہ سے میں [illegible] بخشا گیا۔

حضرت امام شافعیؒ کا نام ادریس تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ادریس میں [illegible] تمہیں درود لکھنے اور پڑھنے کے بدلے میں بلا حساب بخش دیا۔

تیسرا واقعہ اسی جذب القلوب میں لکھا ہے کہ ایک آدمی پر تین ہزار رو
قرضہ ہوگیا وہ ادا نہ کرسکتا تھا۔ قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر ہوگیا۔ یہ مقروض عالم
دین تھا۔ تو انہیں ایک ماہ کی مہلت دی گئی۔ اس عالم نے گھر آ کر پابندی سے کثر
سے درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ جب مہینہ کی ۲۷ ویں تاریخ آئی تو حضور نبی کریم
صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خواب میں آ کر فرمایا کہ ہم نے تیرا قرضہ ادا کر دیا ہے۔ تم
علی ابن عیسی وزیر کے پاس جاؤ اسے کہو کہ مجھے تین ہزار روپے دے دو وہ تمہیں
دیدیگا۔ صبح عالم دین جانے سے گھبرائے کہ وہ خواب کی سچائی کی دلیل مانگے گا تو اسے
کیا کہوں گا۔ ۲۸ ویں اور ۲۹ ویں رات کو یہی خواب دیکھا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ
والہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی تک نہیں گئے ہو۔ تو شک والی بات عرض کردی کہ وہ خواب
کی سچائی کی کوئی نشانی پوچھے گا تو میں کیا بتلاؤں گا؟

تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے علامت فرمادی۔ کہ وہ مجھ پر
روزانہ صبح کی نماز کے بعد پانچ ہزار مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے۔ تو پھر وہ عالم دین صبح
کو اس وزیر کے پاس گئے۔ خواب بیان کیا۔ اس نے علامتِ نشانی پوچھی۔ جب اسے
علامت بتلائی گئی تو وزیر نے اٹھ کر بوسہ دیا اور تین کی بجائے نو ہزار اشرفی اس عالم کو
پیش کی۔

(۲۹۸) اذان میں انگوٹھے چومنا!

مجموعہ الفتاوی میں اذان میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اسم
گرامی پر انگوٹھے چومنے کا ذکر ہے۔ انہوں نے فقہائے حنفیہ سے ثابت کیا ہے کہ یہ

ہے۔ بس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعظیم وہ ہے کہ جو خود آپ صلی
اللہ علیہ والہ وسلم فرماویں۔ انگوٹھے چومنے کے عمل کو حضرات صحابہ کرامؓ اور اولیائے
کرام نے نہیں کیا۔ اب اگر کوئی مولوی اپنے سے عربی میں لکھ دے تو یہ دین تو نہیں
ہوسکتا۔

دیکھو ان حضرات کے مطابق انگوٹھے چومنا تعظیم ہے تو اس سے پہلے
اشہد ان لا الہ الا اللہ میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے تو یہاں اللہ کی تعظیم میں بھی چومو۔

(۲۹۹) یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کہنا؟!

محبت کے طور پر یارسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ
والہ وسلم کہنا علماء دیوبند کے نزدیک جائز ہے۔ فتاوی رشیدیہ کو دیکھ لو۔

اور اگر یارسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کہنے والا یہ جانے کہ آپ صلی اللہ
علیہ والہ وسلم ہر جگہ حاضر ہیں تو منع ہے کیونکہ ہر جگہ حاضر ہونا یہ خدا تعالیٰ کی شان ہے۔

ہم علماء دیوبند نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور دیگر عبادات وغیرہ تو حضور نبی کریم
صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فرمان کے مطابق کرتے ہیں۔ کیا نعرہ ہمیں کوئی تکلیف دیتا
ہے؟ نہیں میاں یہ نعرہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے
مروی نہیں۔

(۳۰۰) قبر میں حضرات انبیاءؑ کا مقام!

اس میں ایک تو تمام حضرات انبیاءؑ ہیں دوسری ان میں خاص کر حضرت خاتم
النبیین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات اقدس ہیں۔ (وصال کے بعد حضرات انبیاءؑ کو

ایک بلند تر زندگی حاصل ہے) اس قول میں کو اختلاف نہیں۔

اسلام میں (عقل پرست) طبقہ معتزلہ ہیں انہیں بھی اقرار ہے کہ حضرات انبیاءؑ کو بعد از وصال بلند تر زندگی حاصل ہوتی ہے۔

(۳۰۱) سماع موتی!

اس میں ایک تو ذات گرامی ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اور ایک عام مردے ہیں۔

(۱) حدیث پاک من صلی علی عند قبرہ سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ۔

یہ حدیث پاک متفقہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی مجھ پر درود یا سلام بھیجتا ہے اگر وہ میرے روزہ کے قریب ہے تو میں خود سنتا ہوں اور اگر وہ دور سے بھیجتا ہے تو ملائکہ مقرر ہیں جو مجھ تک پہنچاتے ہیں۔

(۲) دوسری حدیث پاک ان للہ ملائکۃ سیاحین یبلغونی من امتی السلام۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو گھومتے پھرتے رہتے ہیں وہ میری امت کے سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔

اشکال: کہ التحیات میں ہم پڑھتے ہیں ایھا النبی۔ تو اس میں یا کا لفظ ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

التحیات: یہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے تو گویا یہ حدیث شریف ہوئی۔

اس حدیث شریف کے متعلق حضرات آئمہ حدیث نے بیک زبان ہو کر یہ ترجیح کی ہے۔ کہ یا کا کیا مقصد ہے؟ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دماغ میں حاضر کر کے یہ لفظ کہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو یہ صلوۃ وسلام پہنچتا ہوں۔ بریلوی حضرات کے بڑے امام احمد رضا خان نے بھی یہی مسئلہ فرمایا ہے۔

(۳۰۲) عام مردوں کا سننا!

عام مردوں کے متعلق اتنی بات تو یقینی ہے کہ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد قبر میں عذاب وثواب حق ہے۔ اور محسوس کے لیے زندگی ضروری ہے۔ تو روح کا تعلق میت کے ساتھ اس قدر باقی رہتا ہے کہ وہ میت دکھ اور سکھ محسوس کر سکتی ہے۔

باقی رہا یہ کہ وہ مردے بات بھی سن سکتے ہیں کہ نہیں؟

کیا اسی طرح سن سکتے ہیں جس طرح زندگی میں کانوں سے سنتے تھے؟

یا اللہ تعالیٰ کی اطلاع دینے سے سنتے ہیں؟

قرآن وحدیث سے معلوم ہوا کہ دنیا کا سلسلہ تو ختم ہو گیا اب اور طرز ہو گی۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کہی ہوئی بات کا براہ راست سننا پیدا کر دیتا ہے۔

تو مردے سنتے ہیں اور ان چیزوں کو سنتے ہیں جن کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے۔ باقی یہ کہ دنیا کی طرح سننا۔ یہ تو معاملہ بھی ختم ہوا۔ بس جس کے متعلق اللہ تعالیٰ اطلاع دیدیگا اسے تو سن سکیں گے۔

(۳۰۳) ابن حزمؒ کا سماع موتی کا انکار!

حزمؒ ابن حزم نے سماع موتی کا انکار کیا ہے۔ وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

الصم الدعاء انک لا تسمع الموتیٰ ولا تسمع الصم الدعا۔ البتہ تو نہیں سنا سکتا مردوں کو اور نہ بہروں کو اپنی پکار۔

وما انت بسمع من فی القبور۔ اور تو نہیں سنانے والا قبر میں پڑے ہوؤں کو

(۱) تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ قرآن نے یہ کہا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم تو نہیں سنا سکتا۔ باختیارک وقدرتک۔ کہ تو سنانے پر قادر نہیں میں قادر ہوں۔ یہ مخلوق کا کام نہیں خالق کا کام ہے۔ آیتوں کے اصل مفہوم کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بدر اور حنین کے مقام پر جو کام فرمایا۔ مثلاً کنکریاں پھینکیں تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔ اور تو نے خاک کی مٹی نہیں پھینکی جس وقت پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی۔ مطلب یہ کہ بارہ ہزار فوج کو شکست دینا یہ میرا کام ہے۔

(۲) دوسرا مطلب یہ کہ تم اے محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) مردوں کو ایسا نہیں سنا سکتے کہ ان کے لیے مفید ہو جائے۔ جسطرح دنیا میں آپ (صلی اللہ علیہ

والہ وسلم) کسی سے بات کریں اور وہ اس پر عمل کر کے فائدہ حاصل کرے۔ اب تو آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) ایسا نہیں سنا سکتے۔

(۳۰۴) سماع موتی کے متعلق آئمہ اہلحدیث کا قول!

کتاب الروح حافظ ابن قیمؒ۔ امام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ یہ اہلحدیث فرقہ کے امام ہیں۔ ان کا ارشاد ہے۔ سماع الاصوات والسلام والقراۃ للموتیٰ حق۔ کہ آوازوں۔ اور سلام اور قرأت کا سننا موتی کے لیے حق ہے۔

حافظ ابن قیمؒ نے نقل کیا ہے۔ لنا مر بقبر اخیہ المسلم ویسلم علیہ فرد علیہ ویعرفہ ان کان عرفہ ویانس بہ۔ اگر آدمی اپنے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گذرے اور اس پر سلام کرے تو وہ اس کو جواب دیتا ہے اور اگر پہلے سے وہ اسے پہچانتا تھا تو اب بھی اس کو پہچان لے گا اور اس سے مانوس ہوگا۔

اشعار قصیدہ النونیہ حافظ ابن قیمؒ!

وھذا وردنا نبینا تسلیم من یاتی تبسلیم مع الاحسان۔	ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم عمدہ طریقہ سے اس شخص کے سلام کا جواب دیتے ہیں جو آپ ﷺ کو سلام کہتا ہے۔
ماذاک مختصابہ ابضا کما	یہ بھی آپ ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔
قد قالہ المبعوث بالقران	جیسا کہ خود اس ذات اقدس نے فرمایا جس کو قرآن دیکر بھیجا گیا ہے۔

من زار قبر اخ له فاتی تبسلیم علیه وهوذ وایمان رد الاله علیه حقا روحه، حتی یُرد علیه ردبیاً

جس شخص نے اپنے کسی مومن بھائی کی قبر کی زیارت کی اور اس نے سلام کہا۔ تو پروردگار یقینی طور سے اس پر اسکی روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کا جواب واضح بیان سے لوٹاتا ہے۔

حضرت شاہ جی کشمیریؒ بخاری شریفؒ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ قبر کے قریب مردے کے سننے کی حدیثیں اتنی زیادہ ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتیں۔

(۳۰۵) زیارتِ قبور!

کسی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پوچھا کہ قبور کی زیارت اور دعا مانگنا کیسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جواب دیا کہ قبروں پر جانا منع نہیں بلکہ گناہ مٹتے ہیں۔ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کنتُ نهیتکم عن زیارة القبور۔ کہ پہلے میں تمہیں قبور کی زیارت سے روکتا تھا مگر اب اجازت ہے کہ تم قبور کی زیارت کیا کرو۔ کیونکہ اب تمہارے عقیدے درست ہو چکے ہیں۔ شروع میں تمہارے عقائد پختہ کرنے کے لیے تمہیں منع کیا تھا۔ فانها ترقق القلب و تذکر الآخرة۔ کہ اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو! کیونکہ قبروں کی زیارت قلب میں رقت پیدا کرتی ہیں اور آخرت یاد دلاتی ہے۔ اور یہ رقت قلب اور آخرت کی یاد یہ دونوں نیکی کی جڑیں ہیں۔ دوسری چیز یہ ہے کہ قبر پر قرآن پڑھ کر مردوں کو بخش دیا جائے تو

انہیں ثواب پہنچتا ہے۔

(۳۰۶) بزرگانِ دین کو وسیلہ بنانا جائز ہے!

کسی کے وسیلہ بنانے سے کوئی عالم منع نہیں کرتا۔ یہ تو قرآن اجازت دیتا ہے۔

روح المعانی جلد ششم میں۔ وابتغوا الیه الوسیلة۔ کہ تم اللہ کی طرف وسیلہ کرو۔

اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ اللہ کے مقبول لوگوں کو وسیلہ بنا کر اللہ سے اپنا مقصد مانگو یہ جائز ہے۔ مگر کسی بندۂ خدا کو یہ کہنا کہ میرا مقصد تو پورا کردے۔ یہ جائز نہیں۔

ایاک نعبد وایک نستعین۔ کی تفسیر میں رأس المفسرین ابن عباسؓ لکھتے ہیں کہ نعبدک ولا نعبد غیرک۔ نستعینک۔ ولا نستعین غیرک۔ کہ عبادت بھی تیری اور مدد بھی تجھ سے غیر خدا سے نہیں۔ توحد بندی ہوگئی۔

دعوا اللّٰه مخلصین له الدین۔ کہ مشرک بھی جب کشتی میں سوار ہوتے اور طوفان کی وجہ سے کوئی ہیبت ناک صورت پیدا ہو جاتی تو وہ خلوص سے اللہ سے امداد مانگتے تھے۔

(۳۰۷) عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے!

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں۔ جس طرح لا اله الا اللّٰه اللہ کے لیے پھیلا۔ اسی طرح الغیب للہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے پھیلا۔ عالم الغیب کا معنی

یہ کہ جو پوشیدہ چیزوں کو خود بخود بغیر کسی واسطے کے جانے۔ یہ صفت صرف رب العالمین کی ہے۔ علم سننا۔ جاننا یہ ہماری صفتیں ہیں۔

قرآن میں جہاں علم الغیب کا لفظ آیا ہے وہاں استثناء نہیں کیا۔

قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللّٰہ۔

تو کہہ کہ نہیں کوئی جانتا آسمانوں اور زمین میں غیب کو مگر اللہ تعالیٰ۔

اگر کوئی اور غیب دان ہوتا تو اس کا نام بھی آتا۔ اس کے بعد اب جو کہے غیر اللہ عالم الغیب کہے تو وہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ کو جھوٹا کہتا ہے۔

ولو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر و بشیر لقوم یومنون۔

اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو بہت کچھ بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے برائی کبھی نہ پہنچتی میں تو بس ایمان والوں کو ڈرانے اور خوشخبری دینے والا ہوں۔

دیکھو ختم نبوت کی چند آیاتیں ہیں جن کا منکر کافر کہلایا۔ اور عالم الغیب کی تقریباً پچاس آیتیں ہیں تو ان کا منکر بننا۔ پھر کیا حالت ہوگی؟

عالم الغیب بنانا یہ ایک صفت ہے۔ حضرت امام اعظمؒ کی کتاب کا مسئلہ ہے۔ فقہ حنفیہ کا کہ اگر کسی آدمی نے ایک لڑکی کا نکاح کیا اور یہ کہا کہ ہم نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو گواہ بنایا۔ تو لکھتے ہیں کہ اس نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو غیب دانی میں شریک کیا تو یہ کافر ہو گیا۔

یہ میرا مسئلہ نہیں امام اعظمؒ کی کتاب کا مسئلہ ہے۔ ان امام صاحب کا مقام تو آگے چل کر بیان کرونگا صرف اتنا بتا دوں کہ حضرت امام اعظمؒ نعمان ابن ثابت نے خواب میں دیکھا کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی قبر مبارک کھود رہا ہوں۔ تو تابعی حضرت محمدؒ ابن سیرین کو یہ خواب سنایا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا جس شخص نے یہ خواب دیکھا ہے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنت کو تمام دنیا میں پھیلائے گا۔

البتہ غیب کی باتیں بتلانا حق ہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بعض غیب کی چیزیں انبیاء اور بزرگان کو عطاء کر دیتا ہے تاکہ معجزہ اور کرامت ہو جائے۔ یہ مطلع علی الغیب تو ہوا مگر اسے غیب دان نہیں کہیں گے۔

کیا یہ قرآن خود غیب نہ تھا؟ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو حکم ہو رہا ہے۔

لاتحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ و قرآنہ۔

آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) اپنی زبان کو جبرائیلؑ کے ساتھ جلدی جلدی حرکت نہ دیں اس کا یاد کرانا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم جبرائیلؑ کے ساتھ اس لیے جلدی جلدی پڑھتے تھے کہ کہیں بھول نہ جاؤں تو اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ آیت مذکورہ بالا نازل فرمائی۔

سنقرئک فلا تنسٰی۔ ہم تمہیں یاد کرا دیں گے۔ تم بھولو گے نہیں۔

تو ان آیات سے معلوم ہوا کہ خود قرآن بھی غیب تھا۔

علم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احداً الا من ارتضی من رسول۔

غیب کا جاننے والا ہے۔ غیب کو ظاہر نہیں کرتا مگر جو پسند کرلیا کسی رسول کو۔

جہاں غیب بتلا دیا گیا وہاں رسول کا لفظ لایا مگر جہاں عالم الغیب کا مفہوم ہوگا وہاں صرف خدا تعالیٰ نے اپنا نام ذکر کیا ہوگا۔ کیونکہ عالم الغیب کا معنی یہ کہ ''اپنی طاقت سے جانی ہوئی چیز کسی دوسرے کی مدد سے نہیں''۔

(۳۰۸) حقیقی نعمت و حقیقی مصیبت!

ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً۔ وہ ذات کہ جس نے تمہارے لیے زمین میں سب کچھ بنایا۔ دیکھو زمین میں مصیبتیں بھی ہوتی ہیں۔ مثلاً اولاد کا مرجانا، مال کا ضائع ہوجانا، چوری ہوجانا وغیرہ وغیرہ۔ مختصر کرتا ہوں۔

جواب یہ ہے کہ بزرگان کا مقولہ ہے کہ کافر پر حقیقی نعمت نہیں اور مسلمان کے لیے حقیقی مصیبت نہیں۔ امریکہ جیسے ملک کا صدر اگر کافر ہو تو اس کے پاس حقیقی نعمت نہیں۔ اور مسلمان مزدور ہو ایمان کی حالت میں مرجائے وہ آخرت میں صدر امریکہ سے امیر ہوگا۔ جتنے زیادہ گناہ ہونگے جہنم کی آگ اتنی ہی زیادہ گرم ہوگی۔

(۳۰۹) ترتیبِ کائنات!

مسلم شریف کی حدیث حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ پانی کے کثیف حصے سے جو نیچے کا جہان بنا تو وہ کس وقت بنا۔ فرماتے ہیں کہ زمین سنیچر کے دن بنی

پیر اتوار کے دن بنے۔ زمین سے اگنے والی اشیاء پیر کے دن اور تمام تکلیفات منگل کے دن بنیں۔ اور تمام روشنیاں اور روشن چیزیں بدھ کے دن بنیں۔ اور تمام حیوانات جمعرات کے دن بنے۔ پھر لمبے زمانے کے بعد جمعہ کے دن عصر کے بعد حضرت آدمؑ کی پیدائش ہوئی۔

(۳۱۰) زمانہ خراب نہیں!

جن لوگوں کو پتہ نہیں وہ واقعات کو اکثر زمانہ کی طرف نسبت دیتے ہیں۔ کہ ہمیاں زمانہ خراب ہے وغیرہ۔ یہ کہنا درست نہیں۔ زمانہ چیزوں کو نہیں بناتا بلکہ زمانے میں ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ بناتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا دستور ہوا کہ جب کوئی چیز پیدا کرتا ہے تو زمانے میں پیدا کرتا ہے۔

فی ایامٍ نحساتٍ۔ کہ قوم عاد کو سخت ہوا سے تباہ کیا گیا منحوس دنوں میں۔ علامہ الوسیؒ فرماتے ہیں کہ کیا یہ صحیح ہے کہ فلاں دن منحوس اور فلاں متبرک ہے؟ یہ غلط چیز رائج ہوگئی ہے کہ فلاں دن منحوس اور فلاں دن متبرک ہیں۔ ایک آزاد مولوی صاحب سے میں نے پوچھا مولوی صاحب کیا حال ہے؟ جواب دیا کہ ہم مولوی منگل کے دن پیدا ہوئے ہیں۔ یہ اس طرف اشارہ کیا کہ پیچھے میں ذکر کرآیا ہوں کہ (تمام تکلیفات منگل کو بنائی گئیں) یہ کتنی غلط بات ہے۔

تو فی ایامٍ نحساتٍ میں بحث کی گئی ہے کہ ہر وہ دن جس میں آفت آپڑے وہ آپ کے لیے منحوس ہے۔ تو کوئی دن اپنی ذات کے اعتبار سے نہ بھلا ہے اور نہ برا بلکہ واقعات سے برا اور بھلا بنتا ہے۔ تو قرآن نے جو فی ایام

نحسات فرمایا یہ واقعات کی وجہ سے بیان کیا۔ کہ قوم عاد اسی دن میں برباد ہوئی۔

تو آج جو زمانہ کو بُرا کہا جاتا ہے یا اس پر لعنت کی جاتی ہے یہ غلط ہے۔ زمانہ بیچارہ تو خود اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے نہ اس میں جان ہے اور نہ حرکت ہے۔ یہ عقیدہ ہندوؤں اور ایران کے مجوسیوں میں پھیلا تھا۔

لا تسبو الدھر ۔ کہ زمانے کو گالی نہ دو۔ فانا الدھر اقلب اللیل والنھار ۔ کیونکہ میں ہوں لیل و نہار کو تبدیل کرنے والا۔ تو اگر زمانے کو گالی دو گے تو درحقیقت مجھ پر آئے گی۔

(۳۱۱) یورپ میں سود کی ابتداء!

سودی کاروبار کے بانی یہودی ہیں۔ یہ ملعون قوم انسان کے لیے تباہی ہے۔ دنیا میں تباہی پھیلاتی ہے۔ اس قوم کو آسمانی کتابوں میں ملعون و مغضوب کہہ کر پکارا گیا ہے۔

قبل از اسلام یہود عرب کے ملک میں پھیلے ہوئے تھے اور پورے عرب کو سود میں جکڑ رکھا تھا۔ بسا اوقات عورت، مرد، بچے اور ہتھیار گروی رکھ کر سود لیا جاتا تھا۔ ابو رافع اور کعب بن اشرف یہ مدینہ کے قریب رہتے تھے اور وسیع سودی کاروبار کرتے تھے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں جب جزیرۃ العرب فتح ہو گیا تو یہود دوسرے ممالک میں پھیل گئے۔ یہ یہود اپنے سودی کاروبار کے ساتھ یورپ بھی پہنچے۔ یورپ کے مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہود کے آنے سے پہلے یورپ سود کا نام بھی

جانتا تھا مگر رفتہ رفتہ سود یورپ کی زندگی کا لازمی جزو بن گیا۔

(۳۱۲) سود خود انسانیت کا قاتل ہوتا ہے!

دنیا امن امن پکار رہی ہے کہ امن قائم کیا جائے مگر سودی کاروبار کی ترقی کے لیے دنیا میں جنگ کا ہونا ضروری ہے۔ اگر کہیں نہ بھی ہو تو جنگ کا ماحول پیدا کیا جاتا ہے۔ میرے پاس یورپ کے ایسے حوالے موجود ہیں۔ جن میں لکھتے ہیں کہ ہم اعلان کرتے ہیں کہ جنگ ہمارے نظام میں (کریم شدہ کیک ہے) اگر جنگ نہ ہو تو کارخانوں سے تیار شدہ مال کہاں فروخت ہوگا؟ اور کہتے ہیں کہ امریکہ کو کارخانہ دار جنگ پر مجبور کرتے ہیں۔

اور کہتے ہیں کہ دولت اس وقت بڑھ سکتی ہے جب انسانوں کا خون بہایا جائے۔

(۳۱۳) کارل مارکس یہودی کی بکواس!

کارل مارکس یہودی کہتا ہے کہ اشتراکی نظام ایک مرکب چیز ہے اور کہتا ہے کہ اگر اس نظام کو اپناؤ گے تو اس کے لوازمات کو بھی اپنانا پڑے گا۔

وہ لوازمات کیا ہیں؟ کہتا ہے کہ ہماری تہذیب کا مقصد انسانوں کو خدا سے لڑانا ہے۔

ہمارے نزدیک وہ آدمی سوشلسٹ نہیں جو خدا کو مانے۔

کہتا ہے کہ (زار روس) روس کا بادشاہ تھا اسے ہم نے تخت سے اتارا۔

(نعوذ باللہ) اب ہم عرش کے بادشاہ کو اتاریں گے۔

(افسوس ہے آج کے لیڈروں پر کہ ان نالائقوں کی اقتداء کرتے ہیں)

(۳۱۴) جائز کاموں میں بھی فضول خرچی جائز نہیں!

تبذیر اور اسراف۔

(۱) تبذیر! ولا تبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین: ۔فضول خرچ نہ بنو فضول خرچی کرنے والے شیطان کے ساتھی ہیں اور شیطان اپنے رب کا منکر ہے۔

جواء، زنا، سینما، شراب نوشی وغیرہ پر خرچ کرنے کو تبذیر کہتے ہیں۔

(۲) اسراف! جائز کاموں میں بھی فضول خرچی سے اسلام نے منع کیا۔ مثلاً کھانے پینے اور پہننے و مسکن وغیرہ میں اعتدال ہو۔ جائز کاموں میں اگر اعتدال سے دولت خرچ کی جائے تو پھر غرباء کے لیے رقم بچ سکتی ہے ورنہ نہیں۔ اسے اسراف کہتے ہیں۔

کلوا واشربوا ولا تسرفوا ۔کھاؤ اور پیو مگر زیادتی نہ کرو بلکہ اعتدال سے خرچ کرو۔

طبرانی نے لکھا ہے کہ جو آدمی اپنی ضروریات میں درمیانہ خرچ کرے یعنی نہ کم نہ زیادہ۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو فضول خرچ نہ ہو اسے پیغمبری کا ۲۴ واں حصہ مل گیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایک بار گھر تشریف لائے تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے دروازے پر منقش چادر لٹکی ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ

وسلم کو یہ ناگوار گذری تو باہر سے ہی واپس تشریف لے گئے۔ بعد میں وہ چادر اتار دی گئی۔

مگر آج بیسویں صدی کے مسلمانوں کا حال دیکھا ہے کہ مکان کی دیواروں پر پردے لٹکائے ہوئے ہیں اور غریبوں کے پاس تن ڈھانپنے کو نہیں۔

(۳۱۵) حکومت جسم اور شریعتِ اسلام جان ہے!

اسلام میں حکومت ایک جسم ہے اور شریعتِ اسلام اس کی جان ہے۔ اگر جسم ہو اور جان نہ ہو تو وہ مردہ ہے۔ تو وہ حکومت جس میں دین کی جان نہ ہو تو وہ مردہ ہے اور اگر دین ہو اور حکومت نہ ہو تو جان جسم کے ماسوا ہوئی جو بے سود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے آتے ہی حکومت قائم کی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جب وفات پائی تو دس لاکھ مربع میل پر اسلامی سلطنت تھی۔ دین سے حکومت میں عدل و انصاف پیدا ہوتا ہے۔

(۳۱۶) خلافت و ملوکیت میں فرق!

(۱) جو اللہ تعالیٰ کا قانون جاری کرے قرآن نے ایسے حاکم کو (خلیفہ) کا لقب دیا ہے۔

خلیفہ کا لقب عطا ہونے کا مطلب یہ کہ جو عدل و انصاف اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے اب تم (اسلامی حاکم) نے وہ عدل و انصاف قائم کرنا ہے۔

(۲) جو حاکم اللہ تعالیٰ کے قانون سے آزاد ہو یعنی اسلامی اصول قائم نہ کرے تو اس کو اسلام نے ملوکیت کا نام دیا ہے۔

(۳۱۷) خلافت کے فرائض!

ان اللّٰہ اصطفا لا علیکم وزادہ بسطۃً فی العلم و الجسم ۔

اللہ نے (طالوت) کو اس لیے چنا ہے کہ وہ علم اور صحت بدنی میں تم سے زیادہ ہے۔

تو اسلامی خلیفہ کے لیے دو وصف کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) قانونِ الٰہی کا علم رکھتا ہو۔

(۲) اور اس قانون کے اجراء کی جرأت اور استقامت رکھتا ہو۔

وعداللّٰہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم۔

اللہ نے ایمان والوں سے وعدہ کرلیا اور نیک عمل والوں سے کہ انہیں ملک کا حاکم بنادے گا جس طرح پہلوں کو بنایا۔

اس جگہ قرآن نے مزید اوصاف بیان کئے۔ کہ حاکم کے لیے پانچ اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) علمِ دین، (۲) قوتِ تنفیذ، (۳) ایمان،

(۴) عملِ صالح، (۵) تدبر۔

(۳۱۸) ملوکیت کے نتائج!

قالت ان الملوک اذا دخلو اقریۃ افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلّۃ و کذالک یفعلون۔

بلقیس نے کہا کہ جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے خراب کر دیتے ہیں (یعنی فساد کرتے ہیں) اور وہاں کے سرداروں کو (یعنی عزت والوں) کو ذلیل کرتے ہیں اور ایسا ہی کچھ کریں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا (افسدوھا) فساد = یعنی رشوت، شراب، زنا، ناچ گانا اور شرفاء سے مذاق یہ ملوکیت کے نتائج ہیں۔

(کذالک یفعلون) سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ جب بھی ملوکیت ہوگی تو اس سے مذکورہ بالا نقصانات ہونگے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ملوکیت میں عدل و انصاف نہیں۔

(۳۱۹) اسلامی حاکم اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہے!

وما من دابۃٍ فی الارض الا علی اللّٰہ رزقھا ۔ ہر ایک کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جب اسلامی حاکم اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہے تو زمین کے جتنے ٹکڑے پر اس کی حاکمیت ہے تو وہ اس زمین کے ٹکڑے پر جتنے جاندار ہیں انہیں روزی پہنچا کر رزاق کے جانشین ہونے کا مصداق بنے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہ ان سب جانداروں کی روزی کا ذمہ دار ہے۔

(۳۲۰) مقولہ حضرت فاروق اعظمؓ!

لو مات الکلبُ جوعاً علی شاطئ الفرات لَسُئِلتُ عنہ یوم القیامۃ۔

سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ اگر فرات کے کنارے پر کوئی
بھوک سے مرجائے تو مجھ سے اس کے بارے میں قیامت کے دن سوال ہوگا۔

یہ ہے اسلام جس کے نظام کو ہم اپناتے نہیں۔

(۳۲۱) ماؤزے تنگ کا اعلان بنام چینی مسلمان!

چین کا تعلق پاکستان کے ساتھ ہمدردانہ ہے اس کی قدر کرتے ہیں۔ اس
طرح پاکستان بھی اقوام متحدہ میں ہمیشہ چین کا ساتھ دیتا رہا ہے۔ مگر اس تعلق کی
سے ہم اپنا دین وایمان نہیں بیچ سکتے۔ (رسالہ ایشیاء ۱۱ نومبر اور ۲۴ نومبر ۱۹۶۷ء)
چین کے اخبار (تن باد باؤ) میں چین کے صدر ماوزے تنگ کا بیان ملاحظہ ہو۔

ماؤزے تنگ کی طرف سے مسلمانوں کے نام اعلان کیا گیا۔ اے مسلمانو!
گوشِ ہوش سے سُن لو آج کے بعد تمہیں یہ اجازت نہیں دی جائے گی کہ تم گائے
گوشت کھاؤ، نماز میں وقت ضائع کرو، قرآن کی تلاوت کرو، مساجد کو تمہیں ڈھانا
ہوگا، دینی مدارس کو ختم کرنا ہوگا اور ختنہ بھی ختم کرنا ہوگا یہ ہے سوشلزم جس کے ہمارے
حکمران شیدائی بنے پھرتے ہیں۔

(۳۲۲) مال کی نیلامی شرعاً جائز ہے!

ابوداؤد شریف میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے۔

جاء رجل من الانصار یسئله هل فی بیتک قال کاس و
کساء قال رسول الله صلی الله علیه واله وسلم ائت بهما۔

انصار میں سے ایک غریب سائل آیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے
فرمایا۔ تیرے پاس گھر میں کچھ ہے۔؟ اس نے عرض کی ایک پانی پینے کا پیالہ اور ایک
کمبل ہے تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا وہ دونوں لاؤ!

پھر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ ان دونوں کو کون خریدے
گا۔ قال رجل انا اشتریهما بدرهم۔ ایک مرد نے کہا کہ میں دونوں کو ایک درہم
میں خریدتا ہوں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے تین بار فرمایا۔ من یزید علی
درهم۔ کہ کوئی اس سے زیادہ دینے والا ہے؟ تو دوسرے صحابیؓ نے کہا۔ انا اشتریهما بدرهمین۔ کہ میں انہیں دو درھموں میں خریدتا ہوں۔ تو اسے دے دیا گیا۔
آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسے کلہاڑا خرید کر دیا اور فرمایا لکڑی کاٹ کر فروخت
کرو!

تو اس حدیث پاک سے نیلام کے متعلق جواز ملتا ہے۔

اس حدیثِ پاک سے دوسرا مسئلہ یہ بھی نکلا کہ حاکم وقت غرباء کے لیے
روزگار مہیا کرے۔

تیسرا مسئلہ اس حدیث پاک سے یہ بھی نکلتا ہے کہ اگر ایک آسامی پر امیر و
غریب دونوں کی درخواستیں ہوں تو ترجیح غریب کو دی جائے گی۔

(۳۲۳) حضرت آدمؑ کس زبان کا لفظ ہے!

(۱) حضرت حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ سُریانی زبان کا لفظ ہے اور حضرت آدمؑ کی زبان بھی سُریانی تھی۔

(۲) امام جوہریؒ جو عربی لغت کے امام ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ عربی کا لفظ ہے۔

امام جوہریؒ کی رائے سے حافظ ابن حجرؒ کی رائے زیادہ مستحکم ہے۔

(۳) عبرانی زبان میں (آدام) آیا ہے۔ چنانچہ تورات میں حضرت آدام ذکر ہے۔

(۴) اس کا اصلی معنی مٹی کے ہیں خلقہ من تراب۔ اس کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے۔ تو عجیب بات ہے کہ مٹی سے ساخت ہوئی ہے تو نام بھی مٹی والا رکھا گیا ہے۔

(۵) آدم کا دوسرا معنی (اختلاط) ہے۔ اسی لیے سالن کو عربی میں (اِدام) کہتے ہیں۔

سالن اسے کہتے ہیں جو چند چیزوں سے مل کر تیار ہو۔

حضرت آدمؑ کا قالب بھی روئے زمین کی ہر قسم کی مٹی سے تھوڑی تھوڑی لے کر خمیر تیار کیا گیا۔ سالن کی طرح یہ بھی مرکب ہوا۔

(۳۲۴) حضرت آدمؑ کا قالب کہاں تیار کیا گیا؟

طائف کے قریب نعمان نامی ایک جگہ ہے وہاں فرشتوں نے حضرت آدمؑ کا قالب تیار کیا اور جان بھی وہاں پڑ گئی پھر آسمان پر اٹھائے گئے۔

(۳۲۵) حضرت آدمؑ کی عمر کتنی ہوگی؟!

یہ مسئلہ تورات، انجیل اور قرآن کا مرکب مضمون ہے۔

تورات تو شروع بھی اسی قصہ حضرت آدمؑ سے ہوتی ہے۔ قرآن نے عمر کے متعلق کوئی خاص وضاحت نہیں کی البتہ حدیث شریف میں ذکر ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی عمر ایک ہزار سال بنائی تھی مگر جب عالم ارواح میں انہیں قیامت تک ہونے والی تمام اولاد دکھائی گئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کر کے اپنی عمر میں سے چالیس سال حضرت داؤدؑ کو دے دیئے۔ اس طرح حضرت آدمؑ کی عمر نو سو ساٹھ سال رہ گئی۔

لیکن تورات نے عمر کے بارے میں جو وضاحت کی ہے اس میں عمر نو سو تیس سال ذکر ہے۔

(۳۲۶) حضرت اماں حوا کی پیدائش!

حضرت آدمؑ کی بائیں پسلیوں کی مٹی بچ گئی اس میں تھوڑی سی مٹی اور ملا کر (اماں حوا) کا قالب تیار کیا گیا۔

پسلیوں کی مٹی کی حکمت؟!

اس حکمت پر سوچا گیا کہ خالص علیحدہ مٹی سے اماں حوا کا قالب کیوں نہ تیار کیا گیا؟

(حوا کا معنی) حیات کے ہیں۔ چونکہ زندہ انسان کے قالب کی مٹی آپ کے قالب میں شامل ہوئی اس لیے حوا نام رکھا گیا۔

حضرت آدمؑ کی مٹی سے قالب کیوں بنایا گیا؟!

تو سوچا گیا کہ حضرت آدمؑ کی مٹی سے ان کی بیوی کو کیوں پیدا گیا؟

غالباً اس میں یہ راز ہے کہ قرآن نے نکاح اور بیوی کے فلسفہ میں یہ بیان کیا ہے۔ وجعل بینکم مودۃً و رحمۃً۔ اور تم میں مہربانی اور پیار رکھا۔ تا کہ مقصود از دواج حاصل ہو۔ چنانچہ ان کے میل جول سے انسانی نسل پھیلی۔

(۱) تو حضرت آدمؑ سے حضرت حوا کو بنایا تو اسے قانونی رشتہ بیان کیا۔

(۲) طبعی رشتہ پیدا کیا۔ تا کہ میاں بیوی کا آپس میں رجوع پیدا ہو۔ تو یہ طبعی ارتباط ہوا۔

(۳) تخلیقی ارتباط۔ یعنی حضرت آدمؑ کی مٹی ملائی گئی تا کہ میاں بیوی میں خوب جوڑ پیدا ہو۔

(۳۲۷) کل اولادِ آدم پیغمبر زادے ہیں!

انی جاعل فی الارض خلیفہ۔ اس آیت کے سلسلے میں (ابن کثیر) نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پوچھا گیا ھل آدم کان نبیاً قال نعم۔ کیا حضرت آدمؑ نبی تھے؟ فرمایا ہاں کلمہ اللہ قبیلاً۔ اور ان سے اللہ تعالیٰ نے آمنے سامنے بات چیت کی ہے۔

قرآن بھی بات چیت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

یا آدم اسکن انت وزوجک الجنۃ۔ کہ تو اور تیری بیوی جنت میں رہو!

جب حضرت آدمؑ نبی ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ کل اولادِ آدم پیغمبر زادے ہیں۔

(۳۲۸) حضرت آدمؑ کا مقام اور شوریٰ!

پیغمبری کے لیے علاوہ حضرت آدمؑ کا کیا مقام تھا؟

حضرت آدمؑ کی پیدائش سے پہلے۔ جن، ملائکہ، دریا، درخت اور پہاڑ وغیرہ موجود تھے۔ ان سب چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ جس کو پیدا کرنا چاہتا تو کسی سے مشورہ نہیں لیتا تھا۔ ماسوا حضرت آدمؑ کے۔

واذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ۔ جب کہا تیرے رب نے کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں (یہ مشورہ ہے)۔

(۳۲۹) مشورہ سے شورائیت کی تعلیم مقصود تھی!

(۱) اس آیت سے شورائیت کو تقویت ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ مجھے مشورہ کی ضرورت نہیں تو بھی میں مشورہ لیتا ہوں۔ تم ناقص انسان بن کر دھڑلے بازی نہ کرنا بلکہ (مجلس شورائیت) پیدا کرنا۔

(۲) مشورہ کس سے لینا چاہیے؟

اللہ تعالیٰ کی تخلیقات تو بھی تھیں مگر مشورہ صرف ملائکہ سے لیا گیا کیونکہ ملائکہ میں خیر اور صلاحیت غالب ہے۔ اور جنوں میں تو انسانوں سے بھی گناہ کی زیادہ گنجائش ہے۔

تو اس سے یہ اصول مستنبط ہوا کہ مجلس شوریٰ یت کے ممبر علماء اور صا
تقویٰ اشخاص ہوں۔

تو ایسے لوگ جس کو حکمران چنے گے وہ مسلمانوں کے لیے بہتر ہوگا۔

(۳) عمومی مشورہ! تیسری چیز یہ معلوم ہوئی کہ عمومی مشورہ ہو۔ عمومی بھی
وصلاحیت والے ہوں۔

(۴) مشورہ دینے میں آزادی ہو!

مجلس شوریٰ کا صدر زیر بحث مضمون پیش کرے گا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ
فرشتوں کو پیش کیا۔

انی جاعل فی الارض خلیفة ۔ کہ میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ تو ما
نے بلاخوف وخطر آزادی سے دل کی بات بیان کی۔

قالوا اتجعل فیها من یفسد فیها ۔ ملائکہ نے کہا کہ انہیں بنانا چا
ہو جو زمین میں خون خرابہ کریں گے۔

(۵) بڑے کا ادب ملحوظ ہو!

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مشورہ لینے والا بڑا ہو تو اس کا ادب
کرو یہ نہیں کہ بدتمیزی دکھاؤ۔ اسمبلیوں میں کرسیاں اور انڈے وغیرہ پھینکنا یہ غلط
اس مضمون کو قرآن یوں بیان کر رہا ہے۔

ثم جعلنا خلائف فی الارض لننظر کیف تعملون ۔ پھر ہم
زمین میں نائب بنائے تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

یہ سب چیزیں آیت واذ قال ربک للملائکة انی جاعل فی
الارض خلیفة سے معلوم ہوئیں۔

(۳۳۰) کوالالمپور (ملائشیا) کی اسلامی کانفرنس اور حضرت افغانیؒ!

(ملائشیاء) نے تقریباً ۱۳۲ اسلامی ملکوں کو دعوت دی تھی ان میں بھارت مدعو
تھا کیونکہ وہاں مسلمان بہت زیادہ آباد ہیں۔

(۱) یاسر عرفات کی حضرتؒ سے ملاقات۔

الفتح تنظیم کے سربراہ یاسر عرفات اور دو آدمی مزید ان کے ساتھ تھے۔
یاسر عرفات صاحب نے کہا کہ میں ہر ملک کے ممبر سے ملا ہوں کہ سب نے یہی کہا ہے
کہ تم پاکستان کے مولانا افغانیؒ سے ملو۔

یاسر عرفات صاحب نے کہا کہ ہمیں اسلامی کانفرنس میں شمولیت کی
اجازت ہونی چاہیے۔ میں نے کہا کہ یہ معاملہ یہاں کی حکومت کا ہے ہم کچھ نہیں
کر سکتے۔ باقی میں نے کہا کہ میں کوشش کرتا ہوں کہ آپ کو اجلاس میں بیٹھنے کی
اجازت دے دی جائے اور آپ اپنا مافی الضمیر مجھے بتلا دیں بیان میں کر دونگا۔
دوسرے روز انہیں اجلاس میں شرکت کی اجازت مل گئی۔ اور ان کی ترجمانی میں نے
کر دی۔ تقریر کے بعد یاسر عرفات صاحب نے میرے ہاتھ پر بوسہ دیتے ہوئے کہا
میری باتوں کو آپ نے مجھ سے زیادہ عمدہ انداز میں بیان کیا ہے۔ میں فلسطینی
باشندوں کی عزت وتحریم اور فلسطین کی آزادی پر بولا دوران تقریر اہل عرب بار بار
تحسین ومرحبا کے نعرے بلند کرتے رہے۔ جہاد پر بولا کہ فلسطین کے لیے جہاد کرنا

اسلامی اصول کے مطابق ہے۔

دوسری بات یہ تھی کہ اس کے بعد ایک دوسری کانفرنس اس سطح پر منعقد ہو کہ یہود کے خلاف کاروائی کی جائے۔ یہ تو بالاتفاق منظور ہوئی۔ باقی مختلف موضوع تھے عائلی قوانین تو شروع سے ایجنڈے میں تھے ہی نہیں۔ پاکستان کے علاوہ کسی دوسرے اسلامی ممالک میں عائلی قوانین ہیں ہی نہیں۔

(۲) اسلامی ممالک کی عید ایک دن ہو۔

ایک عجیب مسئلہ اٹھایا گیا کہ عالم اسلام کی عید ایک دن ہو۔ یعنی چاند کی تاریخوں کی بجائے شمسی مہینوں کے مطابق عید ایک ہی روز ادا کی جائے۔ جب میں اس پر بولا تو اہل عرب شرمندہ ہوئے۔

میں نے کہا آپ لوگ بڑی بڑی تعلیمی ڈگریاں حاصل کئے ہوئے ہیں۔ آپ کے لیے یہ سوال کرنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے کہا کہ یہ مسئلہ جغرافیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ سورج فاصلہ طے کرنے کے لیے وقت صرف کرتا ہے تو ہر ملک میں اوقات کا تخالف پایا جاتا ہے تو بایں وجہ اسلامی ممالک کی عید ایک دن نہیں ہو سکتی۔ تو میں نے کہا کہ یہ چیز فطرت۔ اسلام اور مقصد کے خلاف ہے۔

ویسئلونک عن الاھلة ۔ کہ چاند کے متعلق سوال کیا۔ صحابہ کرامؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کے متعلق سوال کیا؟ عرض کی کہ سورج ایک حد پر نظر آ رہا ہے اور چاند گھٹتا بڑھتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ تو قرآن نے جواب دیا قل ھی مواقیت للناس والحج ۔ کہ یہ لوگوں کو عبادات کے

نے کے لیے ہے (اور حج کے لیے)۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ باقی عبادات کا ذکر نہیں کیا اور حج کا ذکر کیا ہے اس کی وجہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ اگر نماز قضاء ہو گئی تو وہ دوسرے وقت میں ادا ہو سکتی ہے اسی طرح روزہ بھی اگر قضاء ہو جائے تو ادا کیا جا سکتا ہے۔ زکوٰۃ بھی اگر وقت پر ادا نہ کر سکے تو دوسرے وقت میں ادا کی جا سکتی ہے۔ مگر حج ایک ایسی عبادت ہے کہ اگر قضاء ہو گیا یعنی کسی وجہ سے ادا نہ کر سکا تو پھر ذوالحج کا سال بھر انتظار کرنا پڑے گا اور وسعت بھی ہو اور سفر خرچ کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اس لیے اس کا نام خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا تا کہ اس کی ادائیگی میں غفلت نہ کی جائے۔

دوسری جگہ قرآن نے بیان کیا فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ۔ تم میں سے رمضان پالے وہ روزہ رکھے۔ تو میں نے کہا کہ مشاہدہ آنکھ سے ہوتا ہے دل سے نہیں۔ اگر عید جنتری کے حساب سے ہو سکتی تو قرآن مشاہدہ کا لفظ نہ لاتا۔ حدیث پاک میں ہے۔

صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان غم علیکم فاکملوا العدة ۔ کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو اگر بادل ہوں تو تیس پورے کرو۔

توفاکملوا العدة فرمایا یہ نہیں فرمایا کہ جنتری دیکھ لو۔ اس سے معلوم یہ ہوا کہ یا تو چاند دیکھا جائے اور یا تیس پورے کئے جائیں۔ ڈھاکہ سے کوالالمپور تک جو مذہب ہیں ان کا حوالہ دیا۔ مدینہ طیبہ میں مالکی ہیں مکہ پاک میں حنبلی ہیں ان

کے حوالے دیئے تو میری بات کو تقویت ملی آخر میں حضرت امام اعظمؒ کا حوالہ دیا
اگر حضرت امام اعظمؒ کا حوالہ پہلے دیتا تو عرب کے لوگوں کے بگڑنے کا خطرہ تھا
کے بعد اجماع نقل کیا کہ صحابہ کرامؓ۔ تابعین اور آئمہ مجتہدین کا اتفاق ہے کہ روز
عید کا مدار چاند پر ہے۔ یا پھر سابق مہینہ کی تیس تعداد ہونے پر۔ تقریباً سو ممبر تھے
نے بالاتفاق اقرار کیا کہ عید کا تعلق چاند سے ہے۔

پھر میں نے کہا کہ عید تو سال میں دو مرتبہ آتی ہے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ
اسلامی ممالک انگریزی کے علاوہ کسی اپنی زبان پر اتفاق کرلیں یا لباس میں
کرلیں کیا آپ کا سارا جوش سمٹ کر صرف عید میں آ گیا ہے؟

فلا اقسم برب المشارق و المغارب۔ میں مختلف مشرقوں
مغربوں کے رب ہونے کی قسم کھاتا ہوں۔

یہ فقرہ کہ میں بے شمار مشرق اور بے شمار مغرب کا رب ہوں۔ اس نے بتلا دیا
کہ طلوع وغروب مختلف ہیں۔

(۳) تعدد ازواج!

میرے ذمہ دوسرا مسئلہ تعدد ازواج کا تھا کہ مرد دوسری شادی کرے یا
کرے۔

میں نے کہا کہ فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی و ثلاث و
ربٰع۔ تمہیں دو دو، تین تین، اور چار چار جتنی عورتیں دل چاہے ان سے نکاح کر سکتے
ہو۔

تم دو کرو تین کرو چار کرو۔ یعنی ایک کا نہیں چار کا ذکر ہے۔ انصاف قائم
کرسکو تو چار کرو ورنہ بادل ناخواستہ فرمایا وان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ۔ اگر تم
انصاف قائم نہ کرسکو تو پھر ایک کرو۔

میں نے کہا کہ حضرت آدمؑ کے ماسوا اور حضرت عیسیٰؑ جو کہ بعد میں شادی
کریں گے سب نبیوں کی کئی کئی ازواج مطہرات تھیں۔ کسی کی نوے کسی کی ۷۰ اور کسی
کی ۱۰۰ اور کسی کی ان سے بھی زائد تھیں۔ میں نے کہا کہ اگر ایک شادی پر اکتفاء ہوتا تو
اللہ دو محکمے بناتا ایک کا کام ہوتا کہ جتنی عورتیں پیدا ہوں اتنے مرد بھی پیدا ہوں۔ اور
دوسرا محکمہ فوتیدگی کا ہوتا کہ اگر ایک مرد کی موت ہو تو ساتھ ایک عورت کی بھی موت
واقع ہو۔ تو ایسے محکمے اللہ نے نہیں بنائے۔ میں نے کہا کہ اس وقت پانچ کروڑ عورتیں
زائد ہیں اگر تعدد ازواج کا مسئلہ پیدا کرو گے تو اتنی عورتیں بدکاری میں مبتلا ہو جائیں
گی۔

تو اسلام دین فطرت ہے اس نے ایک سے زائد شادی کی اس لیے اجازت
دی کہ معاشرہ بدکاری سے بچے۔ تو میری اس بات پر سب نے اتفاق کیا۔

(۴) انسانی اعضاء کی پیوندکاری؟

اب ایک اہم مسئلہ بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ ایک انسان کے اعضاء دوسرے
انسان کے ساتھ جوڑ دیئے جائیں؟ کوالالمپور کی اسلامی کانفرنس میں مجھ سے یہی سوال
کیا گیا؟ میں نے کہا کہ آپ متفق ہوں یا نہ ہوں میرے نزدیک یہ حرام ہے۔

مادی اصول نے انسان کو بھی ایک عام چیز سمجھا ہے۔ جس طرح لوہا وغیرہ کو جس طرح جوڑتے رہو۔ نہیں۔ انسان کو تو اللہ تعالیٰ نے بڑی عزت و تکریم بخشی ہے ولقد کرمنا بنی آدم ۔ دوسری جگہ فرمایا لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ہم نے انسان کو اچھی ساخت میں پیدا کیا۔ ان مذکورہ آیتوں میں کافر اور مسلمان دونوں شریک ہیں۔ تو میں نے کہا کہ میرے ہاں حرام ہے۔ قرآن میں اشارہ ہے۔ ولا مرنهم فليبتكن اذان الانعام ولا مرنهم فليغيرن خلق الله ومن يتخذ الشطين ولياً من دون الله فقد خسر خسراناً مبيناً۔

عرب کا دستور تھا کہ جب کسی جانور کو بت وغیرہ کی نذر مانتے تھے تو اس جانور کے بدن کے کسی حصے کو کاٹ کر چھوڑ دیتے تھے یہ نشانی ہوتی تھی کہ یہ جانور نذر کا ہے۔ تو انسان کو تو چھوڑو رب تعالیٰ جانور کے متعلق منع فرما رہے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو شیطانی عمل قرار دیا۔ تو جو خدا جانور کے اعضاء کے کاٹنے کو شیطانی عمل قرار دے رہا ہے وہ خدا انسان کے اعضاء کاٹنے کی اجازت دے گا؟

نهى رسول الله صلى الله عليه واله وسلم عن المثلة ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مثلہ فرمانے سے منع فرمایا ہے۔

کفار مسلمانوں کی میت کو مثلہ کرتے تھے یعنی ناک، کان وغیرہ کاٹتے تھے۔ تو صحابہ کرامؓ نے عرض کی کیا ہم بھی کفار کی میت کو مثلہ کر سکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے منع فرمایا کہ مثلہ نہ کیا کرو۔ باقی اگر یہ کہا جائے کہ اعضاء لگا کر انسان کو زندہ رکھا جا سکتا ہے۔ تو کیا ہم جیسا انسان کوئی زندہ رہنے کے قابل ہے؟ بعض

اوقات آپریشن کے دوران موت واقع ہو جاتی ہے بعض کی آپریشن کے بعد فوراً نہیں ہی تو کیا آخر مرنا نہیں ہے؟ جب مرنا ہی ہے تو اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیز کو تبدیل نہ کرو۔

ابوداؤد کی حدیث ہے عن عبدالرحمنؓ بن عثمان ان طبیباً سئال النبی صلی اللہ علیہ و الہ وسلم عن ضفدع یجعلها فی دواء فنهی النبی صلی اللہ علیہ و الہ وسلم عن قتلها۔ فرمایا کہ ایک طبیب نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے سوال کیا کہ دوائی کے لیے مینڈک استعمال کرنا ہے یعنی کوئی دوائی تیار کرنی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مینڈک کے قتل کرنے سے منع فرمایا۔

اسی طرح ترمذی میں بھی ہے سئل طبیب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم انا اقتل ضفدعاً فنهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم عن قتل الضفدع ۔ صحیحین کی حدیث: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم الواصلة والموصلة لواشمة والمستوشمة۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے بالوں کو جوڑنے والی اور جڑوانے والی اور بدن کو گودنے اور گودوانے والی پر۔

عرب میں دستور تھا کہ عورتیں بال لمبے کرتی تھیں تو غریب عورتوں سے بال خرید کر اپنے بالوں سے جوڑتی تھیں تو ان پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ اور وہ عورت جو یہ کام کرے کہ ایک کے بال کاٹے اور دوسری کے

جوڑے تو وہ بھی اس لعنت میں شریک ہے۔

لعن اللّٰہ الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات خلق اللّٰہ تعالیٰ مالی لا العن من لعن النبی صلی اللّٰہ علیہ والہ وسلم وھو فی کتاب اللّٰہ واما اتاکم الرسول فخذوہ۔

اسی طرح یہ بھی تھا کہ عرب کے لوگ دانتوں میں خلا یعنی فاصلے کو خوبصورتی سمجھتے تھے تو جن عورتوں کے دانتوں کے درمیان قدرتی طور پر فاصلہ نہیں ہوتا تھا تو وہ دانتوں کو رگڑوا کر پتلا کر کے خلاء پیدا کرتی تھیں تو اس عمل سے بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ والہ وسلم عن المتفلجة یعنی فرمایا ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دانتوں کو رگڑوانے سے المغیرات خلق اللّٰہ: کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیز کو تبدیل کرنے والی ہیں۔

جب بالوں اور دانتوں کے تبدیل کرنے کی اجازت نہیں تو دل اور دیگر اعضاء کی تبدیلی کی اجازت ہوگی؟

کل اھاب دبغ فقد طھر الاجلد الخنزیر والادمی۔ کہ رنگنے سے کھال پاک ہو جاتی ہے مگر آدمی اور خنزیر کی۔ لاتجصصوا القبور ولا تکتبوا علیھا ولا تجلسوا علیھا۔ قبروں پر چونا نہ کرو اور ان پر لکھو نہیں اور ان پر بیٹھو نہیں۔ (لمعات) میں ہے کہ میت کی قبر پر بیٹھنے سے میت کو تکلیف ہوتی ہے۔

میت کے جسم کو کاٹا جا رہا ہے۔

حضرت عبداللہؓ ذوالبجادین کو جب قبر میں اتار رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمہارا بھائی ہے اسے آرام سے قبر میں اتارو! فرمایا رفقاً علی ما تصنعون۔

(۳۳۱) حکومت اور مذہب جدا جدا نہیں!

وہ یہ ہے کہ مغربی تعلیم کے اثر سے یہ خیال پیدا کیا گیا ہے کہ حکومت اور مذہب الگ الگ چیزیں ہیں۔ لہٰذا مذہب کا تعلق مسجد سے اور حکومت کا تعلق ملکی دستور اور نظام کے ساتھ ہو۔

عیسائیوں نے اپنے مذہب کے متعلق اگر یہ کہا ہے تو پھر یہ صحیح ہے کیونکہ انجیل میں دین کامل نہ تھا۔ دین کا کامل ہونا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اختیار پر تھا۔ تو یا اس وقت دین مکمل قانون نہ رکھتا تھا یا پھر حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں تھی جو دین سے بالکل کورے تھے۔

(۳۳۲) عیسائیوں کا مکمل استاد مسلمان ہے!

انگریزوں نے فنون مسلمانوں سے سیکھے ہیں آج ان باتوں پر پردہ ڈالا جا رہا ہے۔ انگریز مؤرخ لکھتے ہیں کہ یورپ میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہم پتے وغیرہ کھاتے تھے ہم تہذیب وتمدن کے نام سے بھی واقف نہ تھے۔ کوئی چیز بنانا بھی نہ جانتے تھے۔ پادری دستخط نہیں کر سکتے تھے۔ یہ تعلیم کا حال تھا۔ جب مسلمان اندلس میں فاتح ہوئے تو سب سے پہلے گھڑی مسلمانوں نے تیار کی۔ ہوائی جہاز مسلمان نے

تیار کیا۔ قطب نما بھی مسلمان نے تیار کیا جس کی بدولت امریکہ معلوم
ہندوستان کا راستہ معلوم ہوا۔ آگے انگریز مؤرخ لکھتا ہے کہ عیسائیوں کا
مسلمان ہے۔

جب انگریزوں نے ان علاقوں کو مسلمانوں سے فتح کیا تو
فلاسفروں یعنی سائنسدانوں جنہوں نے علمی تحقیقات کی تھی انہیں قتل کرا
موجد تھے یعنی جنہوں نے ایجادیں کی تھیں انہیں جلا ڈالا۔ آج ہم نے بھی
کو دیکھ کر مذہب اور حکومت کو الگ الگ سمجھا ہے۔

(۳۳۲) مسٹر اے۔ کے بروہی صاحب کا قول (قرآن میں اصول

مسٹر بروہی صاحب نے کہا تھا کہ قرآن میں اصول نہیں۔ یہ
مطالعے کی کمی ہے۔ قرآن تو دستور لیکر آیا تھا اور دنیا میں مثال موجود ہے کہ
قرآن کے دستور پر عمل کیا اس نے دنیا پر حکمرانی کی۔

قرآن میں معاملات، عقائد، اخلاق وغیرہ اور حکمرانی کے اصول
ہیں انہیں بیان کرونگا۔ مسٹر اے کے بروہی نے یا تو قرآن نہیں پڑھا یا پھر کسی
سے پڑھا ہے۔

(۳۳۳) مسٹر اے۔ کے بروہی اور حضرت افغانیؒ کا مکالمہ!

حضرت افغانیؒ: کہ ذکری قبیلہ مسلمان نہیں تو اس قبیلہ کے فرد کی شہادت مسلمانوں
خلاف قابل قبول نہیں۔

مسٹر بروہی: نے کہا کہ اسلام میں مساوات ہے آپ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں۔

حضرت افغانیؒ: آپ نے فرمایا نظر ثانی کا مطلب ترک اسلام ہے اور میں اس کے
لیے تیار نہیں۔

مسٹر بروہی: نے لکھا کہ شہادۃ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اس میں مسلم اور غیر مسلم کی
تعریف کا کیا مطلب؟

حضرت افغانیؒ: آپ نے لکھا کہ شہادۃ ایک اہم اور کلیدی عہدہ ہے کہ شہادۃ ہی کی
روشنی میں تمام فیصلے ہوتے ہیں۔

چنانچہ شہادۃ کے لیے صاحب ایمان وصاحب کردار ہونا اس لیے شرط ہے کہ
(کوئی نہ دیکھے کو دیکھے اور دیکھے کو نہ دیکھے) بنا دے۔

مسٹر بروہی: لکھا کہ تشفی ہوگئی ہے۔ لیکن اسلامی لٹریچر میں کہیں یہ بات درج ہے کہ
شہادۃ بھی عہدہ ہے یا حکومت کی ایک شاخ؟

حضرت افغانیؒ: آپ نے لکھا کہ فقہ کی مشہور کتاب (ھدایہ) میں درج ہے (لان
الشھادۃ من باب الولایۃ) یعنی شہادۃ حکومت کی شاخوں سے ایک
شاخ ہے۔

مزید یہ بھی لکھا کہ اسلامی ملک کا وزیر قانون اگر اتنی مشہور کتاب کے
مندرجات سے لاعلمی کا اظہار کرے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟

(۳۳۴) نفاذِ قانون کے لیے قوۃ درکار ہے؟

قوۃ کا سرچشمہ کون ہے؟

سب سے پہلے یہ کہ جو حکومت دستور بناتی ہے تو وہ سب سے پہلے قانون